عرفانِ مذہب و مسلک
سواد اعظم اہل سنت کے
مذہب قدیم و صراط مستقیم کے تابندہ نقوش
مولانا یٰسین اختر مصباحی
دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی
ناشر
دار القلم، قادری مسجد روڈ، ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

عِرفانِ مذہب ومَسلک

سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کے مذہبِ قوِیم وصراطِ مستقیم کے تابندہ نقوش

طبعِ جدید مع اضافۂ مُفید

تالیف

یٰسٓ اختر مصباحی

دارُ القلم، ذاکرنگر، نئی دہلی

09350902937

طابع وناشر

دارُ القلم-66/92 قادری مسجد روڈ، ذاکرنگر (جوگابائی ایکسٹینشن)

اوکھلا، نئی دہلی-110025 (انڈیا)

فون: 011-26986872

تفصیلات

نامِ کتاب	عِرفانِ مذہب ومَسلک
مؤلّف	یٰسٓ اختر مصباحی
زیرِ اہتمام	دارُ القلم، ذاکرنگر، دہلی
طبعِ اول	شعبان ۱۴۳۴ھ جون ۲۰۱۳ء
مختلف مقامات سے متعدد ایڈیشن کے بعد	
طبعِ جدید مع اِضافۂ مُفید (طبعِ اول)	ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ/ستمبر ۲۰۱۳ء
طبعِ جدید مع اِضافۂ مُفید (طبعِ دوم)	جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/مارچ ۲۰۱۴ء
صفحات	تین سو چار (۳۰۴)
تعدادِ اِشاعت	اِکیس سو (2100)
قیمت	سو روپے (=/100)

فہرست کتاب کے لیے ملاحظہ ہو ص ۳۰۰ تا ۳۰۴

انتباہِ ضروری

دہلی، بمبئی، کلکتہ، لکھنؤ سے جون ۲۰۱۳ء میں ''عرفان مذہب ومسلک'' کی متعدد اِشاعتیں ہوئیں۔ علاوہ ازیں ماہنامہ کنز الایمان دہلی وماہنامہ جامِ نور دہلی وسالنامہ ''کاروانِ رئیس القلم'' دہلی نے بھی اسے مکمل شائع کیا۔ اضافہ شدہ ایڈیشن ماہِ ستمبر ۲۰۱۳ء میں دہلی اور نومبر ۲۰۱۳ء میں کان پور (یوپی) سے شائع ہونے کے بعد اب اضافۂ مزید کے ساتھ مارچ ۲۰۱۴ء میں اسے دہلی سے شائع کیا جارہا ہے۔ واضح رہے کہ پہلے ایڈیشن کا مَتن، بعد کے ہر ایڈیشن میں باقی رکھا گیا ہے۔ صرف توضیح وتشریح کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مصباحی

طابع وناشر

دارُ القلم-66/92 قادری مسجد روڈ، ذاکرنگر (جوگابائی ایکسٹینشن)

اوکھلا، نئی دہلی-110025 (انڈیا)

فون: 011-26986872

حرفِ دانش اور کلمۂ حق

حُدی را تیز ترمی خواں چو ذوقِ نغمہ، کم یابی
نوا را تیز ترمی زن چو محمل را، گراں بینی

اسلام، ایک عالم گیر اور آفاقی دین ہے جس کی دعوت وتبلیغ، دَورِ صحابہ وتابعین وتبع تابعین رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيهِمْ اَجْمَعِين اور ان نفوسِ قدسیہ کے بعد بھی عصرِ حاضر تک کے جُملہ اہلِ ایمان واسلام، بِالخصوص عُلَما وفُقہاے مُتکلّمین ومُجتہدین ودُعاۃ ومُبلّغین اور صوفیہ ومشائخِ کرام اپنے اپنے طرز وطریق کے مطابق اپنا فرضِ منصبی سمجھتے رہے ہیں۔

دُعاۃ ومبلّغینِ اسلام کا ایک بڑا طبقہ اپنا یہ فرضِ منصبی ادا کرنے کے لئے ہر عہد وعصر میں سرگرمِ عمل رہا ہے اور یہ تسلسلِ دعوت وتبلیغ، جہاں ایک اہم دینی ضرورت کی تکمیل ہے وہیں اہلِ اسلام کا اس کے ساتھ اجتماعی مفاد بھی وابستہ ہے۔

''خیرِ اُمّت'' ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ وہ طبقۂ اُمّت اپنی دعوتِ حق اور اَمْر بِالْمَعْرُوف ونَهْي عَنِ الْمُنْكَر میں ہمیشہ مصروف رہے اور کبھی کسی حال میں اس سے غفلت نہ بَرتے۔

اِس فریضہ کی تکمیل، بہتر طور سے اُسی وقت ہوسکتی ہے جب داعی ومبلّغ وعالم ومُصلح اُن صفات وخصائص کا حامل ہو جن کی اِس شعبۂ عمل میں قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔

علم وعقل اور شعور واِدراک کے ساتھ حُسنِ سلوک وکردار اور حکمت وتدبُّر وبصیرت وفراست نیز معاملہ فہمی وقوتِ فیصلہ اور تصلُّب واِستقامت جیسے اوصاف کا حامل شخص ہی یہ خدمت باحُسنِ وُجوہ انجام دے سکتا ہے اور اپنے مدعو اَفراد واَقوام کو اپنی جانب متوجہ کر کے انھیں اپنی دعوتِ حق سے متأثر اور قبولِ حق پہ آمادہ کرسکتا ہے۔

اِس کے برعکس جو شخص مطلوبہ علم وعقل سے تہی دست، قوتِ فکر وفہم سے عارِی، حُسنِ کردار وگفتار سے خالی، بے بصیرتی وبدخُلقی اور جارِحانہ طرزِ کلام کا عادی ہو،

اُس سے کسی خوش انجام کارِ خیر کی توقع ہی عَبَث ہے۔ اور اگر کسی سادہ لوح شخص کو اُس سے کچھ توقع ہے تو اس توقع کی حقیقت اور اس کا انجام، خواب وسَراب سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اِلَّا ماشاءَ اللّٰه۔

عُلماے دین وداعیانِ اسلام بِفَضْلِهٖ تَبَارَكَ وتَعَالىٰ اپنے دینی وعلمی فضائل وکمالات، اپنی فکری واِستدلالی صلاحیت وقوت اور اپنے دیگر اوصافِ حمیدہ واَخلاقِ حَسَنہ ومَساعیِ جمیلہ کے ذریعہ ہر دَور میں اسلام وسُنّیت کی بیش بَہا خدمت، حق وصداقت کی پُرکشش دعوت اور اُمّتِ مُسلمہ کی نجات دہندہ ہدایت کے اپنے فرائضِ منصبی کو بحُسن وخوبی انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ اور آئندہ بھی وہ اپنے متعلّقہ فرائض اسی تدبیر وحکمت اور اسی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے رہیں گے۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وتَعَالىٰ۔

اور اِس راہ میں جب بھی اُنھیں کسی مشکل ودشوار گذار مرحلہ اور مزاحمت ومخاصمت یا بحث ومباحثہ سے دوچار ہونا پڑا، اُنھوں نے نہایت ضبط وتحمُّل کے ساتھ اپنی علمی وفکری صلاحیت وبالغ نظری وبلند نگاہی، اور اپنے مضبوط دلائل، واضح براہین، مُحکم نُصوص، دل پذیر کلمات، اور دل آویز بیانات کے ذریعہ اپنے موقف کا اِظہار واِثبات کر کے اپنے مدعو، اپنے سامع ومخاطَب، اور اپنے حریف ومَدِّ مقابل کو قبولِ حق پہ آمادہ یا اُسے مَبہوت ولاجواب کیا ہے۔

اس داعی ومصلح کا اِخلاصِ قلب، پُرکشش لب ولہجہ، دل آویز طرزِ تکلُّم، واضح اسلوبِ بیان، اور اس کے اِستدلال کی قوت، اظہار کی بلاغت، اور دعوتِ حق کی تاثیر مُخاطَب کے دل ودماغ پر چھا گئی اور اُس کے وجود کے ہر حصے پر اس مخلصانہ اور پُرسوز دعوت وتبلیغِ حق کا نقشِ جمیل، مُرتَسِم اور جاوِداں ہوگیا۔

روز مَرّہ کا مشاہدہ ہے کہ انسانی معاشرے کے اندر، عہدِ ماضی میں جس تغیُّر واِنقلاب کے لئے طویل مدت، دَرکار ہوا کرتی تھی، آج کی تیز رفتار دنیا میں اُس طرح کا تغیُّر واِنقلاب، چند سال بلکہ چند ماہ میں برپا ہوجاتا ہے اور طرز وروایتِ کُہن ایک داستانِ پارینہ بن کر رہ جاتی ہے۔

مغربی تہذیب وتمدُّن کا ایک مدت سے مشرقی اَقوام وممالک بالخصوص عالَمِ اسلام پر شدید حملہ اور پیہم یلغار ہے جس سے نئی نسل بڑی تیزی کے ساتھ متاثر بلکہ اس کا شکار ہوتی چلی جارہی ہے۔ یہ صورتِ حال کسی بھی بیدار مغز عالِمِ دین، بلکہ کسی بھی باشعور انسان کو چونکانے اور اُسے خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے کافی ہے۔

برق رفتار، وسائلِ مواصلات (ٹرانسپورٹیشن) اور صبا رفتار ذرائعِ اِبلاغ (میڈیا) نے دنیا کے جغرافیائی حُدود وثُغور اور اُن کی طویل مسافت کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔

مادیّت زَدہ جدید تعلیم، روحانیت واَخلاق کو پسِ پشت ڈال کر مادیّت کو اِس طرح فروغ دے رہی ہے کہ تخریب زَدہ دل ودماغ اب انسانی ہیکل کو بھی قلب وروح سے خالی، کسی مشین کی شکل میں تبدیل کرتے جارہے ہیں۔ جن کا مقصد محض طلبِ زَرْ وعیش وعشرت اور حصولِ دنیا ہوچکا ہے۔ اور عہدِ حاضر کے فرزندِ آدم کی سوچ، مشینی بن کر انسانی صفات سے اُسے روز بروز دور اور محروم کرتی چلی جارہی ہے۔

ایسے حالات میں عالَمِ اسلام کے اربابِ علم وفکر واصحابِ اَثر ونُفوذ کا یہ لازمی اور اجتماعی فریضہ ہے کہ وہ حالات کو قابو میں رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور انسانی وروحانی ومذہبی واخلاقی ہدایات وتعلیمات اور روایات واَقدار کے تحفظ کی مؤثر تدابیر اور سبیلیں پیدا کریں۔

عصرِ حاضر کے عُلمائے کِرام ومشائخِ عِظام اور مسلم والِدین کا انتہائی اہم فریضہ ہے کہ:

وہ اپنی اُس نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا خصوصی انتظام کریں جو آج اسکول وکالج ویونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہے۔ اُس کے دل ودماغ میں معتقداتِ اسلام اور ارکان وفرائض وواجباتِ اسلام اِس طرح جاگزیں کردیں کہ پھر وہ اپنی زندگی کے کسی بھی مرحلے میں اِلحاد ومغربیت اور کسی بھی فکری ونظریاتی اِنحراف وکج رَوِی وگمراہی کا کبھی شکار نہ ہونے پائے۔

اِس ہَدَفِ اصیل تک رسائی اور اِس مقصدِ خیر میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ:

عصری دانش گاہوں کے نصابِ تعلیم کے اندر اسلامیات کو لازمی مضمون، قرار دیا جائے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ کام بہتر طریقہ سے اُسی وقت انجام پذیر ہوسکتا ہے جب کہ ہر خطے وعلاقے کے مسلمان، اپنی آبادیوں میں دینی مدارس ہی نہیں بلکہ اپنے پرائیوٹ اسکول وکالج بھی قائم کریں اور اُن کے نصاب میں اسلامیات شامل کرنے کے ساتھ ان عصری دانش گاہوں کے اِحاطے سے لے کر اپنے گھر تک کا ماحول ایک اچھے مسلم معاشرہ کی طرح بنانے کی تدبیر اور سَعْیِ مشکور کریں۔

یہ توجُّہ اور اِہتمام صرف بچوں نہیں بلکہ بچیوں کے ساتھ بھی ہونا ضروری ہے۔ دونوں کو تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنا، سارے مسلمانوں کا قومی ومِلّی فریضہ ہے۔

یاد رکھیں کہ اِن بچوں کے دل ودماغ کا نقشِ اول، تاحیات انھیں اُسی مرکز ومحور کے گرد مضبوطی کے ساتھ دائر ومحصور رکھے گا، جس کے خطوط ان کے ابتدائی ایام میں اُن کے سامنے واضح اور ان کے دل ودماغ کے ہر رگ وریشہ میں پیوست کردیے جائیں۔

اِن بچوں کے عہدِ طفلی میں یہ کام بے حد آسان ہے۔ جب کہ بعد میں اِن کے سامنے طرح طرح کی مشکلات کھڑی ہوسکتی ہیں۔ اور اِن کی ذہنی نشوونما کے بعد انھیں قابو میں لانا، ایک دشوار گذار اَمر ہوسکتا ہے۔

بچوں کی مثال، شاخِ نرم ونازک جیسی ہے کہ اُسے جیسے اور جس طرف جھُکائیں اور مُوڑیں، وہ بڑی آسانی کے ساتھ جھُک کر مُڑ سکتی ہے۔ جب کہ بڑوں اور بالخصوص بوڑھوں کا معاملہ، عموماً اس سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ سوکھی ہوئی لکڑی ٹوٹ سکتی ہے مگر اس کا مُڑنا اور اسے موڑنا، نہایت مشکل کام ہے۔

نئی نسل اور مسلم طلبہ کو اچھے انسان اور اچھے مسلمان کی حیثیت سے زندگی کے ہر میدان میں سرگرم رہ کر اپنے اخلاق وکردار وعمل کا اچھا نمونہ پیش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر حال میں اِن کی اچھی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی جائے۔

اِن طلبہ کی معلومات میں وُسعت اور مطالعہ میں تنوُّع پیدا کیا جائے۔ اِن کی صلاحیتوں کو پَروان چڑھا کر اِنھیں جوہرِ قابل بنایا جائے۔ اپنے اکابر واسلاف کے اَحوال وآثار وخدمات سے واقف وآگاہ کرکے اِنھیں خدا اعتمادی وخود اعتمادی کا خوگر بنایا جائے۔ اپنے اسلامی عقائد وافکار ونظریات کے تابندہ ماضی کی وراثتوں کے تحفظ کا اِن کے اندر جذبہ اور حوصلہ

پیدا کیا جائے۔

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ شعوری اور غیر شعوری طور پر اسلاف واکابرِ اسلام کے محاسن وفضائل کو اپنے اندر جذب کر لینے کا فطری عمل، خود انھیں بہت سے اوصاف ومَحامِد سے متّصِف کرکے انھیں علمی وعملی بلندیوں سے ہم کنار کردے گا۔ اور یہ صرف اپنے ہم عصروں کے لئے نہیں بلکہ اپنے بعد والوں کے لئے بھی ایک بہترین نمونۂ علم وعمل اور پیکرِ اخلاق وکردار بن کر اپنی امانت ووراثت کو آنے والی نسل تک منتقل کرتے رہیں گے۔

اِس سلسلے میں عصری اسلوب سے ہم آہنگ لٹریچرس، توسیعی خطابات، سَمَر کلاسز، سمینار اور انعامی مقابلے، نہایت مؤثر ومفید کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اور جہاں جس طرح ممکن ہو ان کے ذریعہ طلبہ کی ذہنی صلاحیت کی نشو ونما اور فکری بیداری کا ماحول بنا کر طلبہ کے مستقبل اور ان کی شخصیت کی تعمیر بہت آسانی کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! ہم ''سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت'' ہیں اور قرآن وحدیث میں صراحۃً، مومن ومسلم کے ہمارے منصوص ناموں کے بعد، حدیثِ نبوی عَلٰی صَاحِبِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام سے ماخوذ ومستنبط یہ نام ''سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت'' صدیوں سے ہمارے اسلاف واکابرِ اسلام اپنی تحریر وبیان کے ذریعہ استعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔

جو مسلمان، اعتقاداً ماتُرِیدی یا اَشعری ہیں۔ فقہی مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک کے مقلّد حنفی یا شافعی یا مالکی یا حنبلی ہیں۔ اور کسی صحیح سلسلۂ طریقت سے وابستہ قادری یا چشتی یا نقشبندی یا سہروردی یا رِفاعی یا شاذلی وغیرہ ہیں۔ وہ سب سَوادِ اعظم میں داخل اور اُس کے مختلف طبقات ومسالک میں شامل ہیں۔

اِسی طرح وہ عامّۂ مسلمین جو کسی سلسلۂ طریقت سے وابستہ نہیں مگر صحیح الاعتقاد ہیں وہ بھی سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کا حصہ اور اُس کے نہایت قابلِ قدر افراد ہیں۔

یہ مبارک ومسعود اِصطلاحی نام ''سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت'' ہم سے ہر لمحہ اِس بات کا متقاضی ہے کہ سُنَّتِ نبوی وجماعتِ مبارکہ سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت سے ہر لحظہ وہر آن،

پورے طور پر وابستہ رہ کر ہم اپنی زندگی گذاریں اور دوسروں کو بھی ہمیشہ اسی کی پیروی اور اِتباع کی دعوت دیتے رہیں کہ اِسی میں اور اسی کے ساتھ اَللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے پیارے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وہ رضا وخوشنودی ہے جو فلاحِ دارَین اور سعادتِ کونَین سے ہمیں مالا مال اور سرفراز کردے گی۔

اِس جماعتِ مبارکہ ''سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت'' سے مُنحرِف جتنے بھی فِرَق واَحزاب، اور جو بھی عقائد واَفکارِ باطلہ اِس دنیا کے کسی گوشے میں موجود ہیں اُن سے دور ونفور رہنے میں ہی ہماری کامیابی اور بھلائی ہے۔

ہماری مسلسل اور ہمہ وقتی ذِمّہ داری یہ بھی ہے کہ مسلم معاشرے کو فِرَقِ باطلہ کی ہر سازش وکوشش سے محفوظ رکھ کر ہر پیدا شدہ فتنہ کو ناکام ونامُراد بنانے کے ساتھ سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کی ہمہ جہت رہنمائی اور ہدایت وقیادت کا بھی فریضہ انجام دیتے رہیں تاکہ ہمارے افراد اپنے مذہب ومسلک سے منسلک ومطمئن ومستقیم رہنے کے ساتھ کسی دوسرے خیمے کا کبھی رُخ ہی نہ کر سکیں۔

سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت اگرچہ ہر دَور میں کثیرُ التَّعداد رہے ہیں لیکن سَوادِ اعظم ہونے کا اصل پیمانہ، کثرت وقلّتِ تعداد نہیں بلکہ اِتباعِ حق وہدایت ہے۔ اور اہلِ حق وہدایت ہی ہمیشہ سَوادِ اعظم رہیں گے۔ خواہ وہ کسی دَور میں قلیلُ التَّعداد کیوں نہ ہو جائیں۔

یہاں یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کے کسی باہمی فرعی اختلاف کے موقع پر یہ کہنا غلط اور بالکل غلط ہوگا کہ: اگر چند افراد بھی حق پر ہوں تو وہی سَوادِ اعظم ہیں۔''

ہاں! اہلِ باطل کے بالمقابل یہ کہنا صحیح اور بالکل صحیح ہوگا۔ کیوں کہ جو اہلِ باطل کسی دَور میں بھی اہلِ سُنَّت کے عقائدِ قطعیہ اجماعیہ کے مخالف ہیں وہ سَوادِ اعظم میں داخل ہی نہیں ہیں۔ اور جو اہلِ سُنَّت واہلِ حق جُملہ عقائدِ قطعیہ اجماعیہ میں متفق ومتحد ہیں وہ سَوادِ اعظم میں داخل ہیں اور کسی امرِ فرعی میں ان کا کوئی اختلاف، اُن میں سے کسی کو بھی سَوادِ اعظم سے خارج کرنے کا باعث ہو ہی نہیں ہو سکتا ہے۔ فَافْهَمْ وَتَدَبَّرْ۔

اہلِ سُنَّت وجماعت کے جُملہ طبقات ومسالک ''سَوادِ اعظم'' میں شامل ہیں۔ اور اہلِ سُنَّت

وجماعت ہی سَوادِ اعظم ہیں۔ چنانچہ امامُ المُحدِّثین، شیخ عبدالحق محدِّث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

وبالجُملہ سَوادِ اعظم، در دینِ اسلام، مذہبِ اہلِ سُنَّت وجماعت است۔"

(ص ۱۵۲۔ اَشِعَّۃُ اللَّمعات۔ بابُ الْاِعْتِصَام)

ترجمہ:۔ دینِ اسلام میں مذہب اہلِ سُنَّت وجماعت ہی سَوادِ اعظم ہے۔"

سیفُ اللہ المسلول، علاّمہ فضلِ رسول عثمانی بدایونی (وصال ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) ارشاد فرماتے ہیں:

اور وہ سَوادِ اعظم، عقائد میں اَشْعَرِی، ماتُرِیدِی اور فقہ میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہیں۔ جو اِن کے سِوا ہے وہ جماعت سے خارج اور سَوادِ اعظم کا تارک اور دین کا مارِق ہے۔"

(ص ۱۰۔ سیفُ الجبار۔ مولّفہ علاّمہ فضل رسول عثمانی بدایونی۔ مطبوعہ بدایوں)

شرعی اصول وضوابط کے اِلتزام کے ساتھ حالاتِ زمانہ کی رعایت صرف فقہی احکام ومسائل کے لئے مختص نہیں بلکہ دعوتی واصلاحی اُمور ومعاملات میں بھی اُن کی رِعایت، ضروری ہے۔ جس کی تلقین وہدایت قرآن حکیم میں اِس طرح فرمائی گئی ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ (سورۂ نحل۔ آیت ۱۲۵)

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکّی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اُس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔"

سامع ومخاطَب کے مزاج ومعیار کو مَدِّ نظر رکھ کر تدبیر ومصلحت ونصیحت وخیر خواہی کے ساتھ دعوت وتبلیغ واصلاح اور وعظ وبیان کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ دعوتِ حکمت وموعظت کے بیان کردہ طرز وطریق سے کوئی سروکار ہی نہ ہو اور بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف جَادِلْهُمْ پر کوئی شخص، کمر بستہ ہو۔

کتبِ فقہ واصول میں تغیُّراتِ زمان ومکان سے بعض احکام ومسائل میں تغیُّر وتبدُّل کا

ضابطہ وکُلّیہ پوری صراحت ووضاحت کے مسطور ومذکور ہے۔ اور فُقہا ومفتیانِ کرام کا اسی کے مطابق ہمیشہ عمل بھی رہا ہے۔

عربی زبان کے قدیم فقہی مَراجع ومآخذ کے ساتھ اردو زبان کی فقہی کتب، مثلاً: فتاویٰ رضویہ وفتاویٰ امجدیہ وفتاویٰ مصطفویہ وغیرہ کا مطالعہ کرکے بھی اِس حقیقت کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔

بِحَمْدِہٖ تَعَالیٰ جس طرح دینِ اسلام، آخری دین ہے اُسی طرح اس دینِ اسلام کی شریعت بھی آخری شریعت ہے۔ اب قیامت تک نہ کوئی نیا دین آئے گا نہ شریعتِ اسلامی کے سِوا کوئی نئی شریعت ہوگی۔

ہماری اِس شریعتِ مطہّرہ کے جو احکام ومسائل، حلال وحرام سے متعلق ہیں اُنھیں **"فقہِ اسلامی"** کہا جاتا ہے۔ اِس "فقہِ اسلامی" کے اصول وضوابط ہمارے ائمۂ کرام ومجتہدینِ عِظام نے کتاب وسُنَّت کی روشنی میں دوسری تیسری صدی ہجری میں ہی مدوَّن ومرتَّب کردیے ہیں۔ جنھیں "اصولِ فقہ" کہا جاتا ہے۔

"فقہِ اسلامی" کا جُزوِ اَہم واعظم "فقہِ حنفی" ہے جو امامُ الائمہ، کاشِفُ الْغُمَّہ، سیدُنا الامام ابوحنیفہ النُّعمان (ولادت ۸۰ھ۔ وصال ۱۵۰ھ) رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی طرف منسوب ہے۔ اپنی جامعیت واِفادیت کی وجہ سے یہ فقہِ حنفی، عالَمِ اسلام کے تقریباً جُملہ بلاد واَمصار میں معروف ومقبول ہے اور کروڑوں مسلمانانِ عالَم اِسی "فقہِ حنفی" کے مقلِّد اور اسی کی ہدایات وتعلیمات کے پابند ہیں۔

مسلم معاشرہ کے اِنفرادی واجتماعی اُمور ومعاملات سے نظمِ مملکت وحکومت تک کے ہر شعبہ کی کامل رہنمائی میں یہ "فقہِ حنفی" اپنی مثال آپ ہے۔

شرائطِ اِجتہاد آج کے فُقہا وعلماے کرام میں اگرچہ موجود نہیں ہیں مگر مجتہدینِ کرام کے وارث ونائب ہونے کی حیثیت سے موجودہ فُقہا وعلماے کرام بھی اصولِ مقرَّرہ کی روشنی میں عصرِ حاضر کی رہنمائی کرتے ہوئے حوادث ومسائلِ جدیدہ میں اِستنباط واِستخراجِ احکام کا فریضہ بخوبی انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ اور یہ سلسلۂ خیر وبرکت، قیامِ قیامت تک اسی طرح باقی اور جاری رہے گا۔ اِنْ شَاءَ اللہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ''فقہِ اسلامی'' جامد نہیں بلکہ متحرک اور نمو پذیر ہے۔ جس میں زندگی کی حرارت اور نشوونما کی بھرپور صلاحیت اور توانائی، موجود ہے۔

اِس کے ساتھ ہی ایک دوسری حقیقت یہ بھی ہے کہ فرشِ گیتی پہ وجود پذیر قافلۂ حیات، ہر لمحہ متحرک اور رَواں دَواں ہے۔ مخلوقات و موجوداتِ عالم کا لمحہ بہ لمحہ تغیُّر وتبدُّل ایک مشاہداتی حقیقت ہے اور یہ سارے حقائق، ہر لمحہ اس ضرورت کے متقاضی ہیں کہ پیدا ہونے والے ہر نئے مسئلہ کا شرعی وفقہی حل پیش کیا جاتا رہے۔ اور ہر عہد وعصر میں اُمّتِ مسلمہ کی ہمہ جہت مذہبی وفقہی رہنمائی کی جاتی رہے۔

یہ تقاضے وقت ہی نہیں بلکہ تقاضے فطرتِ انسانی بھی ہے۔ جس کی تکمیل ''فقہِ اسلامی'' کے زندہ ومتحرک عمل ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔

''فقہِ اسلامی'' ایک بحرِ بے کراں ہے اور ''فقہِ حنفی'' اِس سے نکلی ہوئی جوئے رواں ہے۔ یہ جوئے رواں نہ کسی ایک مقام پر ساکن اور نہ کبھی مُنجمد ہو سکتی ہے۔ اس کی تازگی وپاکیزگی کا مادّہ اور جوہر اسے اب تک متحرک اور رَواں دَواں رکھتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی اسے اسی طرح متحرک اور رَواں دَواں ہی رکھتا رہے گا۔

اس کی حرکت وعمل کی راہ جو لوگ بھی مَسدود کرنا چاہیں گے اور اس کے آبِ رَواں کو جامِد کر کے جو لوگ اسے مُکَدَّر کرنا چاہیں گے اُنھیں ہمیشہ نُقصان وخسران سے ہی دوچار ہونا پڑے گا۔

''فقہِ اسلامی'' کے اِس اَٹل ضابطہ اور ''فقہِ حنفی'' کے اِس نجات دہندہ پیغام کو وہ سبھی عُلما وفُقہا ومفتیانِ کرام اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں جنھیں اللہ ربُّ العِزّت نے عَقل وسمع وبَصر، شعور واِدراک اور بصیرت وفراستِ ایمانی سے نوازا اور مالا مال فرمایا ہے۔

اپنے ایک مطبوعہ مضمون (در ماہنامہ کنز الایمان دہلی) میں سات، آٹھ سال پہلے میں نے لکھا

تھا کہ:

''ایک طرف انفرادی حیثیت سے لوگوں کا اپنا دائرۂ علمِ کتاب وسُنّت، محدود۔ مطالعہ، ناقص ومنتشر۔ روحانیت، پژمردہ۔ اخلاق، زوال آمادہ۔ امانت ودیانت، رخصت پذیر اور دنیاداری حاوِی وغالب ہے۔ اور دوسری طرف قافلۂ حیات، رَواں دَواں ہے اور اس کے بے شمار تغیُّرات اور نئے نئے تقاضوں کا ہجوم ہے۔

فرد، معاشرہ، ملک اور ساری دنیا علمی، فنّی، تجارتی، صنعتی، عسکری، سیاسی، صحافتی، تہذیبی، اخلاقی، معاشرتی شعبوں میں تیز رفتار انقلابی دَور سے گذر رہی ہے۔

زندگی کا پیمانہ اور معیارِ حیات بدل رہا ہے۔ لوگوں کے خیالات ونظریات تہ وبالا ہو رہے ہیں۔ گویا نظامِ عالم، دِگرگوں ہو رہا ہے۔ جس میں صرف شریعتِ اسلامیہ، واحد ایسی شریعت ہے جو اپنے ماننے والوں کی ہر سَمت اور ہر جہت سے رہنمائی کر رہی ہے۔ کیوں کہ یہ شریعتِ اسلامیہ صرف خَاتِمُ الشَّرَائِع نہیں بلکہ ہدایتِ انسانی کے لئے جَامِعُ الشَّرَائِط بھی ہے۔

عہدِ حاضر میں بہتر اور افضل واسلم طریقہ یہی ہے کہ:

پیش آمدہ اَہم اور پیچیدہ مسائل کے شرعی حل کے لئے اجتماعی طریقۂ کار اختیار کیا جائے اور ہر ملک کے وسیع النظر وکثیر المطالعہ، معتمد ومستند عُلما وفُقہا ومفتیانِ کرام کی علمی وفقہی مجالس ومحافل میں غور وفکر اور بحث وتمحیص کے بعد متفقہ طور سے یا کثرتِ رائے کے ساتھ آخری فیصلہ کیا جائے۔

اِس موقع پر عصری اُمور ومعاملات کے کسی گوشہ کی تحقیق کے سلسلے میں یونیورسٹیوں کے قابلِ اعتماد، مسلم ماہرین کے علم وفن اور ان کے تجربات سے اِستفادہ کی ضرورت محسوس ہو تو اُن کی خدمات بھی حاصل کی جائیں۔

کتاب وسُنّت وقیاسِ شرعی اور اجماعِ اُمّت کی روشنی ہی میں اِستنباطِ احکام واِستخراجِ مسائل کا یہ عمل آج بھی جائز بلکہ ضروری ہے اور آئندہ بھی اس کا جواز اور اس کی ضرورت اِسی طرح باقی وبرقرار رہے گی۔

اس سلسلے میں ضروری تحقیق وتفحُّص اور مقرّرہ اصول وضوابط کی پابندی، ہر حال میں لازمی

ہوگی۔ ورنہ انھیں نظر انداز کر کے جو فیصلہ بھی کیا جائے گا وہ نہ صرف اِنحراف بلکہ ضَلالِ مُبین بھی ہوگا۔جس کی فقہِ اسلامی میں کوئی گنجائش نہیں۔

جَلبِ منفعت ودَفعِ مَضَرَّت کے لئے ضروریات وحاجیات وتحسینات کا تعیُّن اور اِستنباطِ مسائل کے لئے مطلوبہ دینی وعلمی واخلاقی وعملی اِستعداد وصلاحیت، لازمی ہے۔جو تبحرِ علم، وُسعتِ مطالعہ، کمالِ فضل، توقُّدِ ذہن، اِصابتِ رائے، کثرتِ ممارست اور توفیقِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔

یہ اِستنباط واِستخراج، **مقاصدِ شریعت** (تحفظِ دین ونفس وعقل ومال ونسب) کی تکمیل کی نیت سے کیا جائے گا جن کی صراحت، عُلمائے اصول بہت پہلے اِس طرح کر چکے ہیں:

ومَقْصودُ الشَّرعِ مِنَ الخَلْقِ خَمْسَۃٌ ۔

وھُوَاَنْ یحفظ علیھم دینھم ونفسھم وعقلھم ونسلھم ومالھم ۔فَکُلُّ مایتضَمَّن حفظَ ھذہِ الاصول الخمسۃ فھُوَمصلحۃٌ وکُلُّ مایُفَوِّتُ ھذہِ الاصول فھُومفسدۃٌ ودفعُھا مصلحۃٌ۔

(اَلْمُسْتَصْفٰی مِنْ عِلمِ الْاُصولِ لِلْاِمام محمدالْغَزالِی۔ اَلْمجَلَّدُ الاوَّل)

اِنَّ الشَّارِعَ قصدَ بِالتَّشریع اِقامۃَالْمَصالحِ الْاُخْرَوِیۃ والدُّنیویۃ۔

(اَلْموافقات فِی اصولِ الشریعۃ لِاَبی اسحٰق الشَّاطِبِی اَلْمَالِکی۔ اَلْمجلَّد الثّانی)

لِاَنَّ اعمالَ الشَّریعۃِ لَیستْ مقصودۃً لِاَنفُسِھا واِنَّمَا قصد بِھااُمورٌاُخریٰ ھِیَ مَعانِیھا۔وھِیَ الْمَصالحُ الَّتِی شُرِعَتْ لِاَجلِھا۔(اَلْموافقات لِلشَّاطِبِی ۔اَلْمجلَّد الثّانی)

مقاصد کی اہمیت کا اندازہ اِن فقہی قواعد سے ہوتا ہے کہ:

اَلْاُمُورُ بِمَقاصِدِھا ۔ (اَلْاَشْباہُ والنَّظائِرُ لِاِبْنِ نُجَیم الحنفی)

اَلْمَقاصِدُ تُغیِّرُ اَحکامَ التَّصرُّفات۔ (اَلْاَشباہ لِابْنِ نجیم)

مقاصدِ شریعت واَحوالِ اقوام واختلافِ زمان وعُرف وعادات بلاد وغیرہ کو پسِ پشت ڈال کر ظاہرِ منقول کا اِعادہ کرتے رہنا، مصلحت نہیں بلکہ مفسدہ اور علم نہیں، بلکہ جَہل ہے۔کیوں کہ تغیرِ اَحوال وفسادِ زمان کی وجہ سے بعض احکام بدلتے رہتے ہیں۔

کثیرٌ مِنَ الْاَحکامِ تختلفُ بِاختلافِ الزَّمان لِتغیُّرِعُرْفِ اَھلِہٖ اَوْلِحُدوثِ

ضرورۃٍ اَوْلِفَسادِاَھلِ الزَّمان بِحیث لَوْبَقِی الحکمُ عَلٰی ماکانَ اَوَّلَالَزِمَ مِنْہُ الْمَشقَّۃُ والضَّررُبالنَّاس ۔ولَخَالَفَ قَواعِدَ الشَّریعۃِ الْمَبْنِیۃِ عَلٰی التَّخفِیفِ والتَّیسیرِودَفعِ الضُّرورۃِ والْفسادِ۔

(نَشْرُالْعَرْفِ فِیمَابُنِی مِنَ الْاَحکامِ عَلٰی الْعُرف۔ لِابنِ عابِدِین الشَّامی الحنفی)

فَقَد ظَھَرَلَکَ اَنَّ جُمُودَ الْمُفتی والقاضِی عَلٰی ظاھِرِ الْمَنقول مَعَ تَرکِ العُرفِ والْقَرائِنِ الواضِحۃ والْجَھْلِ بِاَحوالِ النَّاس یَلزمُ مِنْہُ تضْیِیْعُ حقوقٍ کثیرۃٍ وظلمُ خلقٍ کثیرٍ۔ (ص ۳۹۳۔ اَلْمجَلَّد الاوَّل مِنَ الفتاویٰ الرَّضویہ لِلْاِمام احمدرضا الحنفی القادری البرکاتی البریلوی)

(مطبوعہ ''پیغامِ عمل'' مؤلّفہ یٰسٓ اختر مصباحی۔طبعِ خامس۔۲۰۰۹ء۔وطبعِ سادس۔۲۰۱۰ء)

بعض اُمور ومعاملات میں دو یا متعدد پہلو اور متعدد صورتیں ہوتی ہیں جن کے الگ الگ، شرعی احکام ہوتے ہیں۔اوران سے ناواقف اَفراد، عموماً اِفراط وتفریط کا شکار ہو جایا کرتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب اسی اِفراط وتفریط سے جماعتِ اہلِ سُنَّت کو محفوظ رکھنے کی ایک مخلصانہ کوشش ہے۔گویا: سوئے قطارمی کشم ناقۂ بے زمام را

زیرِ نظر کتاب ''عرفانِ مذہب ومسلک'' سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کے وسیع آفاقی مذہب ومسلک کے صحیح تعارف، سَوادِ اعظم کے فرائض اور ذِمَّہ داریوں کی یاد دِہانی، بعض فکری وفقہی حقائق کی توضیح، اور بعض غلط فہمیوں کے اِزالہ کی ایک سنجیدہ کوشش ہے۔

اِس سے پہلے اس کے جتنے بھی ایڈیشن منظرِ عام پر آئے اُنھیں اہلِ سُنَّت وجماعت کے باشعور اور سنجیدہ حلقے میں تحسین وآفرین کی نظروں سے دیکھا گیا اور اسے ایک اہم ضرورت کی تکمیل، قرار دیا گیا۔

اہلِ علم وفکر نے عام طور پر اِس کے بارے میں اپنے اِس خیال اور اپنے اِس

تأثر کا اظہار کیا کہ اِس کے ذریعہ جہاں کچھ اہم حقائق سامنے آئے ہیں اور قارئین کی معلومات میں اچھا خاصا اِضافہ ہوا ہے، وہیں اِس کے ذریعہ حقیقت پسندی کا جذبہ، عام ہوا ہے۔ اور اَصحابِ نظر واَربابِ شعور کے سامنے فکر ونظر کے نئے دریچے وَا ہوئے ہیں۔

"عرفانِ مذہب ومسلک" کے تعلق سے جو یقینی بات کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے مطالعہ کے نتیجے میں اپنے مذہب ومسلک سے گہری وابستگی کے ساتھ اپنے اکابر واسلاف پر قابلِ فخر اِعتماد کی جڑیں، نئی نسل کے دل ودماغ میں مزید اُستوار اور راسخ ہوں گی۔ یہ اِس کتاب کی اِفادیت کا سب سے مُفید اور گراں قدر پہلو ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اِس خدمت کو شرفِ قبول سے نوازے اور ہم سب کو مذہبِ ومسلک سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کے مطابق عمل کرنے اور اپنے اسلاف واکابر کے نقشِ قدم پر چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین آمین یارَبَّ الْعَالَمِین۔

بجاہِ حَبیبِکَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِین علَیہِ وعَلیٰ آلِہٖ واَصْحابِہٖ وعُلَماءِ اُمَّتِہٖ الصَّلوٰۃُ والتَّسلِیم۔

یٰسٓ اختر مصباحی
دارُالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی

جمعہ مبارکہ
۶؍ربیع الآخر ۱۴۳۵ھ
۷؍فروری ۲۰۱۴ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

اِرشادِ مذہب ومسلک

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

ہم پرورشِ لوح وقلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گذرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

ربِّ کائنات کا بے پایاں فضل وکرم اور اُس کا بے کراں اِنعام واِحسان ہے ہم اہلِ ایمان واسلام پر کہ اُس نے اپنے پسندیدہ دین "اسلام" کی نعمت ودولتِ لازوال سے سرفراز فرمایا اور ہمیں اسلام وایمان کا حامل وامین بنا کر "خَیرِ اُمَّت" ہونے کا شرف واعزاز بخشا۔

ہزاروں لاکھوں درود وسلام ہو اُس کے رسولِ مجتبیٰ ونبی مصطفیٰ وپیغمبر صدق وصفا وداعیِ حق وہُدیٰ، قرشی وہاشمی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم پر جن کی نبوت ورسالتِ عامّہ کے فیض وبرکت سے ہم اِس دینِ مُبین کی عظیم امانت کے حامل وامین اور فریضۂ دعوت وتبلیغِ اسلام کے وارث وجانشین کے منصبِ رفیع پہ فائز ہوئے۔ فَالْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ لِلّٰہِ وذالِکَ فضلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَشاءُ۔ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیم۔

کتابُ اللہ وسُنّتِ رسول اللہ، اوّلین مَصادر ومَراجعِ ایمان واسلام ہیں جنھوں نے ہمیں "مومن ومسلم" کے نام سے موسوم کیا اور صحابہ وتابعین وتبع تابعین رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِین نے اِنھیں ناموں سے دنیا بھر میں اپنا تعارف کرایا اور اِسی حیثیت سے شرق وغرب میں اُن کی شناخت قائم ہوئی۔

اُنھیں کی ہدایت، ہمارے لئے ہدایتِ حق وصواب ہے اور اُنھیں کی راہ، ہمارے لئے راہِ سعادت ونجات ہے۔ صراطِ مستقیم وجادۂ مستقیم ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقاً وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ۔

ارشادِ رسول وحدیثِ نبوی (عَلٰی صاحِبِہٖ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام) نے ہمیں "سَوادِ اعظم" کی پیروی واِتّباع اور "سُنَّت" و "جماعت" کو لازم پکڑے رہنے کا حکم دیا اور "مااَناعَلَیْہِ و اَصْحَابِی" (جس پر مَیں اور میرے صحابہ قائم ہیں) کی اَبدی حقیقت واضح کرکے ہماری "راہِ نجات" متعیَّن اور ہماری شاہراہِ حیات کو کشادہ فرمادیا ہے۔ فَصَلَّی اللّٰہُ تبارَکَ وَتعالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ واَصْحابِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُم بِاِحْسانٍ اِلٰی یَومِ الدِّین۔

یہ حقیقت واضح رہے کہ عقائدِ قطعیہ اِجماعیہ میں سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کی اِتباع وپیروی لازم ہے۔ اور فرعی اعتقادیات کا جہاں تک سوال ہے تو اِن میں اَشاعِرَہ وماتُرِیدیہ کا اختلاف، واضح ہے۔ اِسی طرح فقہی مذاہبِ اربعہ ہیں جن کے درمیان، ہزاروں اَحکام ومسائل اور خود اُن کے اصولِ فقہ میں بھی بہت سے اختلافات ہیں۔

یہ سب اِس اُمَّت کے لئے باعثِ خیر وبرکت ورحمت ہیں۔ کیوں کہ سُنَّتِ نبوی عَلٰی صَاحِبِہٖ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام کے ہر پہلو پر ان کے ذریعہ عمل ہوجاتا ہے۔

اِن اختلافات کے باوجود اَشاعِرَہ وماتُرِیدیہ اور اَحْناف وشَوافع ومالِکیہ وحَنابِلہ، چوں کہ عقائدِ قطعیہ اِجماعیہ میں متحد ومتفق ہیں اس لئے یہ سب کے سب "سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت" میں شامل اور اہلِ سُنَّت کے ہی مختلف طبقات ومسالک ہیں۔

عالَمِ اسلام کے ہر خطے کے مسلمانانِ اہلِ سُنَّت وجماعت، اِعتقادی طور سے اَشعَرِی یا ماتُرِیدی اور فقہِ اسلامی میں ائمۂ مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک کے مقلِّد ہیں۔ چنانچہ اَحناف، عُموماً ماتُرِیدی اور شوافِع، اَشعَرِی ہوتے ہیں۔

سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت ہی ہمیشہ حق وہدایت پر اور کثیرُ التَّعداد رہے ہیں۔ لیکن بِالفرض کبھی قلیلُ التَّعداد ہوجائیں تب بھی اہلِ حق وہدایت یہی رہیں گے۔

مذہب ومسلکِ حق "مذہب ومسلکِ سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت" ہی ہے اور عالَمِ اسلام کے جُملہ عُلما وفُقہا واَولیا وصُلَحائے کرام مثل ائمۂ اربعہ، امامِ اعظم ابوحنیفہ

وامام محمد بن ادریس شافعی وامام مالک وامام احمد بن حنبل ودیگر ائمۂ مجتہدین اور اکابر صوفیہ ومشائخِ کرام، مثل ائمۂ سلاسلِ طریقت، سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی وسلطانُ الھند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری وخواجہ بہاء الدین نقشبند وحضرت شیخ شہاب الدین سہروردی وسیدنا الشیخ احمد کبیر رفاعی وسیدنا الشیخ ابوالحسن شاذلی ودیگر مشائخِ طریقت رِضْوَانُ اللّٰہِ علَیہِم اَجْمَعِین اِسی شاہراہِ سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت پہ تاحیات گامزَن رہ کر دُنیوی واُخروی فلاح وسعادت سے ہم کنار اور شادکام ہوئے۔

متحدہ ہندوستان کے وہ مشاہیرِ اسلام جو تجدید واِحیائے دین کے منصبِ عظیم پہ فائز ہوئے۔ مثلاً: امامُ المحدِّثین، شیخ عبدالحق محدِّث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) ومجدِّدِ الفِ ثانی، شیخ احمد فاروقی سرہندی (وصال ۱۰۳۴ھ) وسیدنا میر عبدالواحد بلگرامی، مؤلِّفِ "سَبعِ سَنابِل" (وصال ۱۰۱۷ھ) وابوالمظفَّر محی الدین اورنگ زیب عالم گیر (وصال ۱۱۱۷ھ) وسراجُ الھند، شاہ عبدالعزیز محدِّث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ) وفقیہِ اسلام، امامِ اہلِ سُنَّت، مولانا الشاہ احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ) قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَھُم بھی تاحیات اسی مذہبِ اہلِ سُنَّت وجماعت کے داعی ومبلِّغ اور اسی شاہراہِ سَوادِ اعظم پہ خود بھی قائم ودائم رہے اور مسلمانانِ ہند کو بھی اسی پہ گامزَن رہنے کی تلقین وہدایت کرتے ہوئے اِس دنیا سے رخصت ہوکر اپنے ربِّ کریم کی بارگاہ میں سُرخ رُو اور شادکام ہوئے۔ فَرَحِمَھُمُ اللّٰہُ اَجْمَعِین۔

مندرجہ ذیل، نمائندہ اکابر واسلاف وصوفیہ ومشائخ وعُلما وفُضلائے کرام ہمارے لئے بہترین نمونہ اور اُسوَہ وقُدوَہ ہیں۔ یہی ہمارے ہادی ورہنما اور ہمارے پیشوا ہیں جو ہندوپاک کے مختلف علاقوں میں آرام فرما ہیں۔ اور ان کے فیوض وبرکات کی نہریں آج بھی رَواں ہیں جن سے مسلمانانِ ہندوپاک اپنی مذہبی وروحانی پیاس بجھاتے اور سیرابی حاصل کرتے رہتے ہیں:

رہنمائے کامِلاں، سید علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری وحضرت بہاء الدین زکریا سہروردی ملتانی وعطائے رسول، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری وخواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلوی

وسید فریدالدین مسعود گنج شکر ومحبوبِ الٰہی نظام الدین اولیا دہلوی ومخدومِ جہاں شیخ شرف الدین
یحییٰ منیری وامیر کبیر، سید علی ہمدانی کشمیری ومخدوم سید جہاں گیر اشرف سمنانی ومخدوم اَوَدھ، شاہ
محمد مینا چشتی لکھنوی وشیخ عبدالحق محدِّث دہلوی وصاحبُ البرکات، سید شاہ برکت اللہ قادری
مارہروی و بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی فرنگی محلی لکھنوی ومولانا شاہ انوارُالحق فرنگی محلی لکھنوی و
شمسِ مارہرہ، سید شاہ آلِ احمد اچھے میاں مارہروی وشاہ عبدالعزیز محدِّث دہلوی ومولانا شاہ
احمد سعید مجدِّدی دہلوی ومولانا رشیدالدین خاں دہلوی ومولانا شاہ محمد مخصوص اللہ دہلوی وعلاّمہ
فضلِ حق خیرآبادی وعلاّمہ فضلِ رسول عثمانی بدایونی وخاتم الاُکابر، سید شاہ آلِ رسول احمدی
مارہروی ومولانا حیدر علی فیض آبادی وغیرھُم۔ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیہِم اَجْمَعِین ۔

صدیوں کے طویل عرصے میں متحدہ ہندوستان کے اندر، دینِ اسلام ومذہبِ اہلِ
سُنَّت وجماعت کے خلاف بعض خطرناک مذہبی طوفان اُٹھے، سنگین حالات پیدا ہوئے اور نومولود
مذاہب وفِرَقِ باطلہ کے خیالاتِ فاسِدہ واَفکارِ کاسِدہ اوران کی حرکتوں وہرزَہ سرائیوں سے
مسلمانانِ ہند کے درمیان، بحرانی وہیجانی حالات پیدا ہوئے جنھوں نے ان کے وجود کو جھنجھوڑ کر
رکھ دیا۔ مگراللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں ایام میں کچھ ایسے توفیق یافتہ پاکانِ اُمّت بھی پیدا کیے
جنھوں نے اپنی مساعیِ جمیلہ اور خدماتِ جلیلہ کے ذریعہ ان فتنوں کا بڑی ثابت قدمی کے ساتھ
مقابلہ کر کے اسلام وسُنِّیت کا تحفظ ودِفاع کیا اور مسلمانوں کے وجود کو اپنے اصل دین ومذہب سے
وابستہ رکھ کر ان کے وجود کے ساتھ ان کے تشخص وشناخت کو بھی باقی وبرقرار رکھنے کا عظیم فریضہ
انجام دیا۔

کسی تفصیل سے گریز کرتے ہوئے اِجمال واِختصار اور تاریخی تسلسل کے ساتھ ایسے بعض
بڑے فتنوں اور فرقوں کے حادثات کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

(۱) **فتنۂ مَہْدَوِیَّت** :۔ سید محمد جون پوری (متولد ۸۴۷ھ جون پور۔ متوفی ۹۱۰ھ بمقام
فراہ) معروف بہ ''میرانِ سید محمد مَہدیِ مَوعود''۔

اِس دَجَّال وکذَّاب جون پوری نے ۹۰۱ھ میں دعویٰ کیا کہ: مَنِ اتَّبَعَنِی فَھُوَ مُؤْمِنٌ۔
(جومیری پیروی واتباع کرے وہی مومن ہے) اور ۹۰۳ھ یا ۹۰۵ھ میں اپنے ''مَہدیِ موعود''

ہونے کا دعویٰ کیا۔

............''۹۵۲ھ میں شیخ علی متقی نے چار فتوے شیخ ابنِ حجر مکّی وغیرہ، چار مذاہب کے،
مکّہ معظّمہ سے بادشاہِ گجرات کے پاس بھجوائے کہ یہ مَہدوِیہ کافر ہوگئے ہیں۔ اگر یہ لوگ اِس
مذہبِ باطل سے توبہ نہ کریں تو ان کو قتل کرنا، بادشاہِ اسلام پر واجب ہے۔'' (ص ۲۰۶۔۷۔
مذاہبُ الاسلام۔ مؤلّفہ مولانا حکیم نجم الغنی خاں رام پوری۔ مطبوعہ رضا پبلی کیشنز، داتا گنج بخش۔ لاہور۔ ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء)

''مَہدوِیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ تصدیقِ مَہدیت، سید محمد جون پوری کی فرض ہے اور اِنکار ان کی
مَہدیت کا کفر ہے۔ اور ۹۰۵ھ سے کہ انھوں نے اس سنہ میں دعویٰ مہدیت کا کیا تھا، اس طرف
جو اہلِ اسلام گذرے ہیں اور گذریں گے، سب بہ سبب انکار کے، کافرِ مطلق ہیں۔
مسلمان، صرف مَہدوی ہیں۔ اور سید محمد مَہدی اگرچہ داخلِ اُمّتِ محمدی ہیں لیکن افضل ہیں
اُمَرائے مومنین، ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان ذوالنُّورین اور علیِ مرتضیٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُم سے
۔ اور سید محمد جون پوری سوائے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے، تمام انبیاءِ مُرسَل سے افضل ہیں۔
اور سید محمد جون پوری اگرچہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے پورے پورے تابع ہیں لیکن
درجے میں دونوں برابر ہیں۔ دونوں میں سَرِ مُو فرق نہیں۔'' الخ

(ص ۱۱۷۔ مذاہبُ الاسلام۔ مؤلّفہ نجم الغنی خاں رام پوری۔ مطبوعہ لاہور)

مَہدَوِیَّت کی بیخ کنی میں شیخ علی مُتَّقی جون پوری، برہان پوری اور شیخ محمد طاہر پٹنی، گجراتی نے
نمایاں حصہ لیا۔ اور عظیم کردار ادا کیا۔

شیخ علی متقی جون پوری، برہان پوری (وصال ۲؍جمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ۔ بعمر نوے
(۹۰) سال) جلیلُ القدر مُحدِّث تھے۔ ۹۵۳ھ میں حَرمین شریفین پہنچے اور مکّہ مکرّمہ میں اِقامت
اختیار کرلی۔ آپ کی تصانیف، سو (۱۰۰) سے زیادہ ہیں۔ مفتیِ حرم، شیخ ابنِ حجر مکی مؤلّفِ
اَلصَّوَاعِقُ الْمُحرقة ابتدا میں آپ کے استاد اور بعد میں شاگرد ہوئے۔ علاّمہ جلال الدین
سیوطی کی ''جَمْعُ الجَوَامِع اور اَلْجَامِعُ الصَّغِیر کو اَبوابِ فقہیہ پر مرتَّب کیا۔

شیخ ابوبکر البِکری فرماتے تھے کہ:

''سیوطی کا احسان، عالَمِ اسلام پر ہے اور علی متقی کا احسان، سیوطی پر ہے''

"شیخ مکّہ" (۹۷۵ھ) شیخ علی متقی کا مادّہ تاریخِ وصال ہے۔

(ملخصاً از مآثرُ الکرام۔ مؤلفہ سید غلام علی آزاد بلگرامی۔ وصال ۲۴رذوالقعدہ ۱۲۰۰ھ)

مولانا فقیر محمد جہلمی (متوفی ۲۷رذوالحجہ ۱۳۳۴ھ/۲۵راکتوبر ۱۹۱۶ء) مؤلفِ "حدائق الحنفیۃ" آپ کے تعارف وتذکرہ میں لکھتے ہیں:

"علی بن حُسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خاں متقی، جون پوریُ الاصل، برہان پوریُ المولد، ۸۵۷ھ میں برہان پور میں پیدا ہوئے۔ پہلے شیخ حُسام الدین ملتانی وغیرہ سے مختلف علوم حاصل کیے پھر ۹۵۳ھ میں مکہ شریف کو تشریف لے گئے۔ اور شیخ ابوالحسن بکری وغیرہ مشائخ وارکانِ دین سے فقہ وحدیث وغیرہ علوم وفنون کی تکمیل کر کے جامع کمالاتِ ظاہری وباطنی ہوئے اور مکّہ معظّمہ میں ہی اقامت اختیار کر کے نشرِ علومِ ظاہری وباطنی میں بذریعۂ تدریس وتصنیف واِستکتاب اور تلقین وریاضت وتقویٰ میں مصروف ہوئے اور بُقعۂ مبارکہ کے خواص وعوام میں یہاں تک آپ کی کمالیت وفضیلت کی شہرہ آفاقی ہوئی کہ شیخ ابنِ حجر ہیتمی مکی مفتی حرمِ مکّی، مؤلّفِ اَلصَّوَاعِقُ الْمُحرقة جو ابتدا میں آپ کے استاد تھے، اَخیر میں اپنے آپ کو آپ کا تلمیذ، تصور کرنے لگے۔ اور رسمِ اِرادت بجالا کر آپ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

اکثر اوقات اپنے ہاتھ سے، سیاہی درست کر کے طالب علموں کو دیتے اور ان سے اُن کتابوں کو جو کم یاب ہوتیں، متعدد نسخے لکھوا کر اہلِ علم کو دیتے تھے۔

آپ نے بہت سی کتابیں ورسائل تصنیف کیے جن کا مجموعہ صغیر وکبیر، عربی وفارسی، سو (۱۰۰) کتاب سے مُتجاوِز ہے۔ لیکن سب سے بڑی اور مفید تر "کَنزُ الْعُمَّال فِی سُنَنِ الْاَقْوَالِ وَالْاَفْعَال" ہے۔ جس میں آپ نے شیخ جلال الدین سیوطی کی کتاب "اَلْجَامِعُ الصَّغِیر" اور "اَلْجَامِعُ الْکَبِیر" یعنی "جَمْعُ الْجَوَامِع" اور "اَلزَّوَائِدُ وَالْاِکْمَال" کو جن میں احادیث کو حروفِ تہجی پر جمع کیا گیا تھا اور جمیع احادیثِ قولی وفعلی آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّم کے اِحاطہ کا دعویٰ کیا گیا ہے، تبویب فرمائی اور اَبوابِ فقہیہ پر ان کو ترتیب دیا۔ پھر ان کو مرتّب کیا اور اکثر مکرّرات کو حذف کر کے مہذّب ومنقّح کتاب، چار جلدوں میں تیار کی۔ جس کی نسبت، شیخ ابوالحسن البکری مکّی نے فرمایا ہے: لِلسُّیُوطِی مِنَّةٌ عَلَى الْعَالَمِین وَلِلْمُتَّقِی مِنَّةٌ عَلَیهِ۔

یہاں سے غور کرنا چاہیے کہ آپ کی اِمعانِ نظر، فہمِ معانی، ترتیبِ الفاظِ حدیث میں کس قدر تھی؟ آپ کا اِشتغال، تتبُّعِ سُنَن واحادیثِ نبوی میں یہاں تک تھا کہ اَخیر وقت میں بھی جب بہ مقتضائے بشریت کے، امکان حرکت کی اور طاقت ہلنے کی نہ رکھتے تھے، حکم کیا تھا کہ تادمِ اَخیر، مقابلہ کتبِ احادیث کا، ہمارے آگے سے نہ اُٹھاؤ۔"

لوگوں نے عرض کیا کہ: ہم کو کس طرح معلوم ہو کہ اب آپ کا دمِ اَخیر ہے؟

آپ نے فرمایا: جب تک ہماری انگشتِ شہادت کو موافق حرکت ذکر کے، متحرک دیکھو تو یہی جانو کہ ابھی تک روح، قالَب میں ہے۔ اور جب وہ حرکت سے باز رہ جائے تو جان لو کہ روح، قبض ہوگئی۔"

چنانچہ ایسا ہی انھوں نے کیا اور آپ نے دوم جمادی الاولی ۹۷۵ھ کو سَحر کے وقت، وفات پائی۔ آپ کی تاریخِ ولادت "سَحر خیز" اور تاریخِ وفات "شیخ مکّہ" ہے۔

(آپ کے شاگرد) شیخ عبدالوھّاب متقی نے آپ کی تعریف وسوانح عمری میں ایک کتاب "اِتْحَافُ التَّقِی فِی فَضْلِ الشَّیخ عَلِی الْمُتَّقِی" تصنیف کی ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے کتاب "زَادُ الْمُتَّقِین" میں آپ کا ذِکر ایسی شرح وبسط سے کیا ہے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں۔"

(ص ۴۰۵-و۴۰۶-حدائقُ الحنفیۃ۔ مؤلفہ مولانا فقیر محمد جہلمی۔ ناشر: ادبی دنیا۔ مٹیا محل، دہلی۔ ۲۰۰۶ء)

شیخ محمد طاہر پٹنی، گجراتی مؤلّفِ "مَجْمَعُ بِحَارِ الْاَنوار" (شہادت ۹۸۶ھ دَر مالوہ۔ مدفون پٹن، گجرات) نے مکّہ مکرّمہ میں شیخ علی متقی (وصال ۹۷۵ھ۔ مکّہ مکرّمہ) سے علمِ حدیث کی تعلیم حاصل کی اور ان کی صحبت وتربیت سے فیض یاب ہوئے۔

حجازِ مقدس کے جلیلُ القدر مُحدّث، شیخ عبدالوھّاب مُتّقی قادری شاذلی، تلمیذِ رشید، شیخ علی متقی کے تلمیذ علمِ حدیث، امامُ المحدّثین، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) ہیں۔

محدّث شیخ علی متقی جون پوری برہان پوری اور محدّث شیخ محمد طاہر پٹنی، گجراتی نے فتنۂ مَہدویّت کے اِستیصال اور اس کی بیخ کنی میں بڑا مجاہدانہ اور فیصلہ کُن کردار ادا کیا۔

سید غلام علی آزاد بلگرامی (وصال ۲۴رذوالقعدہ ۱۲۰۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

شیخ محمد طاہر پٹنی، مَہدوِی فرقہ کے پیشواؤں کو جو آپ کے ہم قوم تھے اور سید محمد جون پوری

کی اِقتدا کرتے تھے، اپنے استاذ ہی کی طرح اسے شکست دینے پر کمر بستہ ہوگئے اور عہد کرلیا کہ جب تک اِس قوم کی پیشانی سے بدمذہبی کا داغ نہ دھولیں گے، اپنے سر پر دستار نہ باندھیں گے۔

..........(اِس نیت سے گجرات سے آگرہ چل پڑے کہ اکبر بادشاہ سے ملاقات کرکے اِس فتنہ کے خلاف کارروائی کریں) آپ کے مخالفوں (مَہدَوِیوں) کا ایک گروہ راستے میں آپ کے پیچھے لگ گیا۔ اُجّین اور سارَنگ پور کے درمیان آپ کو شہید کرڈالا۔'' الخ

(ملخصاً از مَآثِرُ الکِرام۔ مؤلّفہ سید غلام علی آزاد بلگرامی۔ وصال ۲۴/ذوالقعدہ ۱۲۰۰ھ)

محدِّث، شیخ محمد طاہر پٹنی، گجراتی کے بارے میں مولانا فقیر محمد جہلمی (متوفی ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) تلمیذِ مفتی صدرُالدین آزردہ صدرُالصُّدور دہلی (متوفی ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) لکھتے ہیں:

''محمد بن طاہر پٹنی:۔ خادمِ حدیثِ نبوی، ناصرِ سُنَنِ مصطفوی، جامعِ منقول ومعقول، حاویِ فروع واصول تھے۔ ۹۱۴ھ (۹۱۳ھ۔ مرتِّب) شہر نہر والہ (گجرات) میں پیدا ہوئے۔

پہلے اپنے ملک کے عُلما وفُضَلا مثل مولانا شیخ ناگوری وشیخ برہان الدین سمہودی ومولانا یدُاللہ سوہی اور مُلّا مہتہ وغیرہ سے علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل کی۔ پھر حَرمین شریفین کو تشریف لے گئے اور وہاں کے عُلما ومشائخ مثل شیخ ابوعبداللہ زَبیدی وسید عبداللہ مدنی وشیخ عبداللہ حضرمی وشیخ جارُاللہ مکّی وشیخ ابنِ حجر مکّی، صاحبِ ''اَلصَّوَاعِقُ الْمُحرِقة'' وشیخ علی مدنی وشیخ برخوردار سندھی اور شیخ ابوالحسن بکری مکّی سے علوم وفنون حاصل کیے۔ خصوصاً شیخِ اَجَل، ولیِ اکمل، شیخ علی بن حُسام الدین متقی سے بے شمار فیوض حاصل کرکے ان کے مُریدِ خاص ہوئے۔

پھر اپنے وطن (گجرات) میں واپس ہوکر اِفادۂ علوم اور اعلاے کلمۃ الحق کا ہنگامہ، گرم کیا اور تصانیفِ نفیسہ میں مصروف ہوئے۔ جن میں سے ''مَجمَعُ الْبِحَار فِی غَرِیبِ الْحَدِیث'' اور اَلْمُغْنِی فِی ضَبطِ اَسمَاءِ الرِّجَال'' اور ''تذکرۃُ الْمَوضُوعاتِ فِی الْاَحادیثِ الْمَوضُوعۃ'' اور ''قانونُ الموضوعات فی ذِکرِ الضُّعفاءِ وَالْوَضّاعِین'' وغیرہ ہیں۔

اور بہ موجب وصیت اپنے شیخ علی متقی کے، واسطے امدادِ کتب نویسوں کے، اپنے ہاتھ سے سیاہی حل کرکے، دیتے تھے۔ یہاں تک کہ سبق پڑھاتے وقت بھی سیاہی حل کرنے میں مصروف رہتے تھے۔

اُن دِنوں، فرقۂ بواہیر مَہدویہ کا بڑا زور تھا۔ اور وہ سید محمد جون پوری مدّعیِ مَہدوِیّت کی

اِقتدا کرتے تھے۔ آپ نے مثل اپنے شیخ واستاذ (شیخ علی متقی جون پوری، برہان پوری) کے کمرِ ہمت باندھ کر عہد کیا کہ جب تک یہ بدعت (بدمذہبی) قومِ مذکور میں سے دور نہیں ہوجاتی، پگڑی اپنے سر پر نہ باندھیں گے۔

چنانچہ کچھ مدت تک بغیر پگڑی باندھنے کے، ان کے اِستیصال میں مصروف رہے۔ جب ۹۸۰ھ میں اکبر شاہ (مغل بادشاہ، جلال الدین محمد اکبر۔) نے گجرات کو فتح کیا تو آپ سے اس کی، قصبہ پٹن میں ملاقات ہوئی۔ اور اس نے اپنے ہاتھ سے پگڑی باندھ کر کہا کہ:

''آپ کے تَرکِ دَستار کا سبب مَیں نے سُن لیا ہے۔ پس اب نصرت، دینِ متین کی، آپ کے ارادہ کے موافق مجھ پر لازم ہوئی۔''

اسی سال گجرات کی حکومت، خانِ اعظم ''مرزا عزیز کوکہ'' کے سپرد ہوئی جس کی اِعانت سے اکثر رسوم، بدعت کی دور ہوئیں۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد صوبۂ گجرات، خانِ خاناں عبدالرحیم کے تحت حکومت میں آگیا۔ جس کی حمایت سے فرقۂ مَہدویہ نے پھر زور پکڑ لیا۔

آپ نے پھر پگڑی اپنے سر سے اتار ڈالی۔ اور آگرہ کا قصد کیا کہ اکبر شاہ (اکبر بادشاہ) کے پاس جاکر عرضِ حال کریں۔ اور اس بدعت کے دور کرانے کا قرارِ واقعی، تدارُک کرائیں۔

ہر چند، شیخ وجیہُ الدین عَلوی (گجراتی) نے کِنایۃً منع کرکے فرمایا کہ:

''یہ جہاں، مظہرِ اَسماے جلالی وجمالی ہے۔ حفظِ آثار اور احکامِ ہر اسم، صراطِ مستقیم ہے۔''

مگر کچھ سودمند نہ ہوا۔ اور آپ نے ۹۸۶ھ میں کوچ کرہی دیا۔

راستے میں مخالفوں (مَہدَوِیوں) کی ایک جماعت نے پہنچ کر درمیان اوجّین اور سارَنگ پور کے، آپ کو شہید کردیا۔

نعش آپ کی مالوہ سے پٹن (گجرات) لاکر آپ کے اسلاف کے مقابر میں دفن کی گئی۔ ''خلیفۂ دَوراں'' تاریخ وفات ہے۔

شیخ عبدالحق محدِّث دہلوی ''اَخبَارُ الْاَخیَار'' میں میاں غیاث، ساکن بروج، گجرات کے حالات میں جو اپنے وقت کے صُلَحا میں تھے، لکھتے ہیں کہ:

شیخ عبدالوھّاب، خلیفۂ شیخ علی متقی نے فرمایا کہ:

میں نے ایک دفعہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کوخواب میں دیکھااور پوچھا کہ:

اِس زمانہ میں کون اَفضلُ النَّاس ہے؟

آپ نے ارشادفرمایا: میاں غیاث۔ پھر تیرا شیخ۔ پھر محمد طاہر۔ اِنتَھٰی۔

بعض نے آپ کا نسب، حضرت ابوبکرصدیق تک پہنچایا ہے۔ اور بہ اتفاقِ جمہور، آپ قوم بوہرمیں سے تھے۔ جوصوبہ گجرات میں رہتی ہے۔ جس کے اسلاف، مُلّاً علی کے ہاتھ پر جن کی قبرکھمبات میں ہے، اسلام لائے تھے۔

تمام، تجارت پیشہ اوراہلِ حرفہ ہیں۔ غالباً ان کے اس لقب سے مشہور ہونے کی وجہ یہی شغلِ تجارت ہے۔ جس کو ہندی میں بیوپار (بیوہار۔ مرتّب) کہتے ہیں۔''

(ص ۴۰۸وص ۴۰۹۔ حَدَائِقُ الحنفیة۔ مولّفہ مولانا فقیرمحمد جہلمی۔ مطبوعہ ادبی دنیا، مٹیامحل۔ دہلی۔ ۲۰۰۶ء)

مَہدَوِی فتنے کا اثر گجرات، سندھ، حیدرآباد دَکن اورافغانستان کے بعض علاقوں تک پھیل گیا تھا۔ آج بھی مَہدَوِی بڑی تعداد میں حیدرآباد دَکن (آندھراپردیش) اوربعض دیگر مقامات پہ موجوداورمنظّم وسرگرم ہیں۔

(۲) فتنۂ دینِ الٰہی:۔ مُوجِداس کا جلال الدین محمد اکبر، شہنشاہِ ہندوستان ہے.........

ماہِ رجب ۹۸۷ھ میں ایک مَحضر (درباری) عُلَما سے بادشاہِ مذکورنے تیارکرایا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ:

''امامِ عادل، مطلقاً مُجتہد پرفضیلت رکھتا ہے اوروہ مجاز ہے اس بات کا کہ مسئلۂ مُختلف فیہ میں روایتِ مَرجوح کوترجیح دے دے۔ معاملاتِ شرعی میں کسی کواس کی رائے سے انکارکرنے کی گنجائش نہیں۔ کیوں کہ امامِ عادل، معاملات کومجتہدین سے زیادہ سمجھتا ہے۔

پس جواس سے مخالفت کرے وہ دنیاوعُقبیٰ میں مستوجبِ عذاب ہے۔

بلکہ امامِ عادل کواس کا بھی اختیار ہے کہ کوئی حکم ایسا بھی اپنی طرف سے جاری کرے جونَص کے مخالف ہو۔ مگراس میں خلائق کی رفاہت مَدِّنظر ہو۔ اورامامِ عادل کے ایسے مسائل کی تعمیل، سب پرواجب ہے۔'' خلاصۂ مَحضر نامہ۔

اورمُراداس امامِ عادل سے جلال الدین محمد اکبرکی ذات تھی۔''

(ص ۵۸۳۔ تاریخِ مذاہبُ الاسلام، مؤلّفہ نجم الغنی خاں رام پوری۔ مطبوعہ لاہور)

''اِس فتویٰ کے حاصل ہونے کے بعداکبرنے اپنے اجتہادات جاری کیے۔ اورتمام تحلیل وتحریم کی موقوفی پرنوبت پہنچی اوراپنی عقل سے دین میں باتیں پیدا کرنے لگااوراسلام کانام ''تقلید'' رکھ دیا۔

کہتا تھا کہ: قرآن مخلوق ہے۔ وحی محال ہے۔ اور امامات ونبوات میں تشکیک کرنے لگا۔ جِنّوں اورفرشتوں اورتمام مغیبات اورمُعجزات وکرامات سے انکارِصریح کردیااورقرآن کے تَواتُر اوراس کے کلامِ الٰہی ہونے کے ثبوت کومحال قراردیا۔

وہ کہتا تھا کہ: بدن کے فنا ہوجانے کے بعدروح کا باقی رہنااورثواب وعذاب کا بغیرتناسُخ کے ہونا، محال ہے۔ اورپھراعلانیہ حکم دے دیا کہ کلمۂ لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہ کے ساتھ اکبر خلیفۃُ اللّٰہ بھی کہا کریں۔'' الخ (ص ۵۸۳۔ مذاہبُ الاسلام۔ مطبوعہ لاہور)

..........اوروہ آفتاب کو ''حضرت نَیّرِاعظم'' کہتا تھا۔ گاؤکشی اوراس کا گوشت کھانا، حرام کردیا۔ آتش پرستوں سے آتش کے فضائل معلوم کرکے آگ کی تعظیم کرنے لگا۔

اورحکم دیا کہ: بطورآتش کدوں کے محل میں آگ کی حفاظت کی جائے اوروہ ہمیشہ، روشن رہے۔ کیوں کہ آگ، اللہ تعالیٰ کی ایک آیت اوراس کا نور ہے۔''

اورجلوس کے پچیسویں سال میں ''نَوروز'' کے دن اس نے آگ اورسورج کوسجدہ کیااوریہ مقرّرکردیا کہ جب شام کو شمعیں اورچراغ، روشن ہوں توہمارے مُرید، سروقد تعظیم کے لئے کھڑے ہوجایا کریں۔

اورایک زُنّار، مُرصَّع بجواہر تیارکراکے تبرکاً برہمنوں کے ہاتھ سے پہنی اورراکھی بندھوائی اور قَشقہ ماتھے پرکھنچوایا۔'' الخ (ص ۵۸۴۔ مذاہبُ الاسلام۔ مطبوعہ لاہور)

اس آتشِ فتنہ کوفُروکرنے میں اوراِلحادوبددینی کوجڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں خصوصیت کے ساتھ امامُ المحدِّثین، شیخ عبدالحق محدِّث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) نے عالمانہ ومحدِّثانہ۔ اورامامِ رَبّانی، مجدِّدِالفِ ثانی، شیخ احمدفاروقی سرہندی (وصال ۱۰۳۴ھ) نے مجاہدانہ کرداراداکیا۔

بعض مؤرخین نے ''دینِ الٰہی'' کو ''آئینِ اکبری'' سے بھی تعبیر کیا ہے۔

(۳) فتنۂ وہابیت:۔ نجد سے دہلی تک کی وہابیت سے مسلمانانِ ہندوپاک کسی نہ کسی حدتک

عموماً واقف ہیں۔ شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) کے بیانات وخطابات وکتب ورسائل بالخصوص تقویۃ الایمان جو ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں خواص وعوام کے سامنے آئی، وہی متحدہ ہندوستان میں وہابیت کا نقطۂ آغاز ہے۔

فرقۂ ناجیہ اور سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کے عقائد وافکار اور معمولات ومَراسم کے خلاف ''سلسلۂ وہابیہ اسمٰعیلیہ'' نے متحدہ ہندوستان میں ایک ایسا محاذ کھولا اور ایسا فتنہ برپا کیا جس نے متحدہ ہندوستان کے مسلم معاشرے کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اس کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے اس کا امن وسکون، غارت کر دیا۔ جب کہ مسلّمہ حقیقت یہ ہے کہ صدیوں سے متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی غالب اکثریت، سنّی ہے اور سنّی ہونے کے ساتھ حنفی بھی ہے۔ بعض ساحلی علاقے، مثلاً: مالابار وکوکن میں سنّی شافعی ہیں۔ کہیں کہیں، بہت معمولی تعداد، اہلِ تشیع کی رہی ہے۔

سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت اور فرقۂ ناجیہ ہی اہلِ حق وہدایت ہیں۔ جن کے بارے میں امامُ المحدّثین، حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے مَروی ایک حدیث بسلسلۂ اِتباعِ صراطِ مستقیم کی تحقیق وتوضیح کرتے ہوئے علمِ حدیث کی اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''اَشِعَّۃُ اللَّمعات شرح مشکوٰۃ'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

اگر کہا جائے کہ:

یہ کیسے معلوم ہو کہ فرقۂ ناجیہ، اہلِ سُنَّت وجماعت ہی ہیں؟

اور یہی سیدھی راہ، اور خدا تک پہنچانے والا راستہ ہے۔ اور دوسرے سارے راستے، جہنم تک پہنچانے والے ہیں؟

دعویٰ تو ہر فرقہ یہی کرتا ہے کہ وہ سیدھے راستے پر ہے اور اس کا مذہب برحق ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

یہاں صرف دعویٰ سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ اس کی دلیل بھی ہونی چاہیے۔

اہلِ سُنَّت وجماعت کی حقّانیّت کی دلیل تو یہ ہے کہ:

دینِ اسلام، منتقل ہوتا ہوا اُن تک پہنچا ہے۔ جس کے لئے محض، عقل کا استعمال کافی نہیں۔

اَخبارِ متواترہ سے معلوم ہوا اور احادیثِ نبوی وآثارِ صحابہ سے یقین ہوا کہ:

صحابہ وتابعین وتبع تابعین جو سَلفِ صالحین ہیں، وہ اہلِ سُنَّت وجماعت کے اسی اعتقاد اور اسی طریقہ پر رہے ہیں۔

اَقوال ومذاہب میں نفسانیت وبدمذہبی، صدرِ اوّل کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ صحابہ وتابعین وتبع تابعین وسَلفِ متقدمین میں سے کوئی دوسرے مذاہب کا ماننے والا نہیں تھا۔

سب کے سب ان نئے مذاہب سے بیزار تھے اور ان مذاہب کے پیدا ہوتے ہی ان کے ماننے والوں سے اپنا رشتۂ محبت وتعلق توڑ کر ان کا خوب رَدّ وابطال کیا۔

صحاحِ ستّہ اور ان کے علاوہ دوسری مشہور ومُعتمد کتب جن پر احکامِ اسلام کا مدار ومبنیٰ ہوا اُن کے محدّثین اور ائمۂ فُقہائے حنفی ومالکی وشافعی وحنبلی ودیگر عُلمائے کرام، یہ سب کے سب مذہب اہلِ سُنَّت وجماعت پر ہی قائم رہے ہیں۔''

(اَشِعَّۃُ اللَّمعات شرحِ مشکوٰۃ۔ جلدِ اول، بابُ الْاِعْتِصام)

اَشاعرہ وماتُریدیہ وصوفیۂ کرام کو اہلِ سُنَّت وجماعت میں شمار کرتے ہوئے آخر میں حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) رقم طراز ہیں:

ہم نے جو بات کہی ہے اُس کی صداقت اِسی سے ثابت ہو جائے گی کہ:

مشرق ومغرب میں پھیلی ہوئی مشہور کتبِ حدیث وتفسیر وکلام وفقہ وتصوف وسِیَر وتواریخ معتبرہ کو جمع کر کے ان کی چھان بین کر لی جائے۔ ہمارے مخالفین بھی کتابیں لا کر دیکھ لیں۔ تاکہ حقیقتِ حال واضح ہو جائے۔''

(اَشِعَّۃُ اللَّمعات شرحِ مشکوٰۃ۔ جلدِ اول، بابُ الْاِعْتِصام)

امامُ المحدّثین، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) شیخ عبدالکریم حنبلی قادری کی ایک کتاب ''قابَ قوسَین ومُلْتَقیٰ النّامُوسَین فِی مَعرِفۃِ قَدرِ النَّبِیّ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم) وکیفیۃِ التعلُّق بِجَنابِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے نقل فرماتے ہیں کہ:

جنابِ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی بارگاہِ اَقدس کے ساتھ تعلق کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ۔ آپ کی کامل اِتّباع پر اِستقامت۔ یعنی جس قول فعل اور عقیدے کا کتاب وسُنَّت نے حکم دیا اسے ہمیشہ اختیار کرنا۔ جیسے کہ چار ائمہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی

اور امام احمد بن حنبل رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تعالیٰ میں سے کسی ایک کا طریقہ ہے۔

کیوں کہ عُلمائے محققین کا اِس اَمر پر اجماع ہے کہ:

یہ چاروں ائمہ، اہلِ حق ہیں اور اِنْ شاءَ اللّٰهُ العزیز قیامت کے دن یہی فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والی جماعت) ہوں گے۔'' اِلٰی آخِرِہٖ۔

(ص ۲۰۵۔ اَلتَّعرُّف فِی مَعْرِفَةِ الْفِقهِ وَالتَّصَوُّف ۔ مؤلفہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی۔ اردو ترجمہ بنام ''تعارفِ فقہ وتصوف'' از مولانا عبدالحکیم شرف قادری لاہوری۔ مطبوعہ اِعتقاد پبلشنگ ہاؤس۔ سوئیوالان، نئی دہلی ۲)

اسی کی تشریح کرتے ہوئے سیفُ اللہ المسلول، مولانا فضلِ رسول عثمانی قادری بدایونی (وصال ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) اپنی مشہور کتاب ''سیفُ الجبار'' مطبوعہ بدایوں میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بات ظاہر ہے کہ ہر فرقہ (اپنے) آپ کو 'صراطِ مستقیم' یعنی سیدھی راہ پر جانتا ہے۔ مگر صرف ہر ایک کا جاننا اور کہنا، کفایت نہیں کرتا۔ اور فقط ان کے کہہ دینے سے ثابت نہیں ہوجاتا۔ بلکہ حق وہ ہے کہ اللہ اور رسول کے کلام سے ثابت ہو۔

اِس واسطے ہم رُجوع کرتے ہیں خدا اور رسول کے کلام کی طرف۔ یہ بات دریافت کرنے کے لئے کہ سیدھی راہ اور صراطِ مستقیم کون سی ہے؟

سو قرآن شریف کی پہلی سورت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو تعلیم فرمایا کہ سیدھی راہ کی ہدایت مانگیں اور یوں کہیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ (سورۃُ الفاتحہ)

اور اسی جگہ صراطِ مستقیم کا بیان بھی فرمادیا کہ وہ راہ اُن لوگوں کی ہے جن پر تو نے انعام کیا ہے۔

اور اسی جگہ ان لوگوں کا بھی بیان فرمادیا کہ وہ کون ہیں؟ یعنی اَنبیا وصِدِّیقین اور شُھَدا وَ صالحین۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے ''تفسیرِ عزیزی'' میں لکھا ہے:

''جب اللہ تعالیٰ نے بندے کو تعلیم فرمایا کہ سیدھی راہ کی ہدایت طلب کرے تو اُن لوگوں کا ذِکر کرنا، لازم ہوا کہ جن کے واسطے سے سیدھی راہ بندوں کو پہنچی ہے۔ اور اُن کے اَعمال کے دیکھنے اور اَقوال کے سننے سے سیدھی راہ، غیر سیدھی راہ سے جُدا ہوجاتی ہے۔

اور نہیں تو سب مختلف مذہب والوں میں سے ہر ایک کہتا ہے کہ: میں سیدھی راہ پر ہوں۔''

سو ایک جماعت کو مقرّر کیا چاہیے کہ سیدھی راہ کے بیان کرنے والے ہوں۔ اِس واسطے سیدھی راہ کا بیان اس طرح تعلیم فرمایا کہ:

صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (سورۃُ الفاتحہ)

یعنی اون لوگوں کی راہ کہ انعام کیا تو نے اون پر۔''

اس لفظ قرآن مجید کی دوسری جگہ تفسیر فرمایا ہے کہ:

وہ چار فرقہ ہیں: اَنبیا وَصدِیقین اور شُھَدا وَ صالحین۔

سو معلوم ہوا کہ سیدھی راہ ان چار فرقوں کی ہے۔ اور بندے کو چاہیے کہ:

اللہ سے مناجات کے وقت میں ان چار فرقوں کو اپنی نظر میں لحاظ کرے اور اون کی راہ، طلب کرے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے سورۂ نساء میں:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِينَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيقًا۔ (سورۂ نساء: آیت ۶۹)

یعنی جو کوئی اِطاعت، اللہ ورسول کی بجالاوے اور دونوں کے کہے پر عمل کرے، سو راہ میں اون لوگوں کے ساتھ جاتا ہے کہ انعام کیا ہے اللہ نے اون پر۔ اور وہ چار فرقے ہیں:

اَنبیا وصدِیقین اور شُھَدا وَ صالحین۔ یہ گروہ اچھے رفیق ہیں۔''

پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، میں راہِ حق کا ڈھونڈھنا ہے اور صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں رفیق کا طلب کرنا ہے کہ:

اَلرَّفِيقُ ثُمَّ الطَّرِيقُ ۔ پہلے رفیق، پھر راہ۔'' الخ

(ص ۴و۵۔ سیفُ الجبار۔ مؤلفہ علاّمہ فضلِ رسول بدایونی۔ مطبوعہ بدایوں۔ یوپی)

علاّمہ فضل رسول عثمانی بدایونی، مزید تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيرًا۔

(سورۂ نساء: آیت ۱۱۵)

یعنی، اور چلے سب مسلمانوں کی راہ کے سوا۔ ہم اوس کو پھیریں گے جس طرف کو پھر گیا۔

اور پہنچاویں گے اوس کو ہم دوزخ میں۔ اور پہنچا بُری جگہ۔''

مولوی عبدالقادر (دہلوی) نے ترجمہ میں اِس آیت کا فائدہ یوں لکھا ہے:

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ:

''اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں پر۔ جس نے جُدا راہ پکڑی، وہ جا پڑا دوزخ میں۔''

پس جس بات پر اُمّت کا اِجماع ہو، وہی اللہ کی مرضی ہے اور مُنکِر ہو سو دوزخی ہے........

ابنِ ماجہ نے انس رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ سے روایت کی ہے کہ:

فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ نے:

اِتَّبِعُوْ االسَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔

یعنی سَوادِ اعظم کی پیروی کرو۔ کیوں کہ جو اکیلا ہوا اکثروں کی متابعت سے وہ اکیلا دوزخ میں گرایا جاوے گا۔''

شیخ عبدالحق (محدِّث دہلوی) عَلَیہِ الرَّحْمَۃ نے لکھا ہے کہ:

مقصود یہ ہے کہ جس جانب میں اکثر عُلما ہوں اوس کی پیروی کرو۔

ترمذی نے عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ سے روایت کیا کہ:

فرمایا رسولِ خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ نے:

یَدُ اللّٰہِ عَلیٰ الْجَمَاعَۃِ ۔مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔

یعنی جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ جو جماعت سے اکیلا ہوا، دوزخ میں پڑے گا اکیلا۔''

ابوداؤد اور امام احمد نے ابوذر رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ سے روایت کیا کہ:

فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ نے:

اِنَّ الشَّیطَانَ ذِئبُ الْاِنْسانِ کَذِئبِ الْغَنَمِ یَاْخُذُ الشَّاذَّۃَ وَالْقَاصِیَۃَوَالنَّاحِیَۃَ۔ وَاِیَّاکُمْ وَالشِّعَابَ۔وَعَلَیْکُم بِالْجَمَاعَۃِ وَالکَافَّۃِ۔

یعنی شیطان، آدمی کا بھیڑیا ہے۔ جیسے بکری کا، کہ پکڑ لیتا ہے جس کو کہ، اپنے بھائیوں سے نفرت اور بے اُنسی کے سبب اکیلے رہے۔ اور جس کو کہ گلّے سے اکیلی چلی جاوے۔ اور جس کو کہ اکیلی رَہ جاوے اپنی جماعت سے۔

گھاٹیوں میں مت جاؤ اور جماعت کو لازم پکڑو۔''

شیخ عبدالحق عَلَیہِ الرَّحْمَۃ نے لکھا ہے: مقصود یہ ہے کہ جماعت کو لازم پکڑو۔

شیخ عبدالحق عَلَیہِ الرَّحْمَۃ نے لکھا ہے: مقصود یہ ہے کہ جماعت سے باہر نہ ہو۔ اور اکثر عالم جس طرف ہوں اس کی پیروی کرو۔''

فائدہ: یہ بات قرآن وحدیث سے خوب ثابت ہوگئی کہ:

راہِ حق اور صراطِ مستقیم، راہ، انبیا اور صدّیقین اور شُھدا اور صالحین کی ہے۔ موافق جماعت اور سَوادِ اعظم کے۔ جو جماعت اور سَوادِ اعظم کے خلاف ہے، وہ دوزخی ہے۔''

(ص ۷ تا ص ۹۔ سیفُ الجبار۔ مؤلّفہ علاّمہ فضلِ رسول بدایونی، مطبوعہ بدایوں، یوپی)

آگے فرماتے ہیں:

''وہ جو فرقۂ ناجیہ، جمہور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ان کے اَتباع (متَّبِعین) کا ہے کہ جن کو اہلِ سُنّت وجماعت کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب سے اب تک اوسی صراطِ مستقیم پر ہیں اور جماعت اور سَوادِ اعظم اُمّت وہی ہیں۔

اور ہر وقت میں اکثر اَطراف میں اِظہارِ حق اور مددگاری، دین کی اونھیں سے ہوتی رہی اور سب بدمذہبوں کو تادیب اور تنبیہ لسانی اور سنانی کرتے رہے۔ اور بموجب وعدۂ الٰہی کے اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ، غلبۂ عام اوسی فرقہ کو رہا۔

اور وہ سَوادِ اعظم، عقائد میں اَشعری، ماتُرِیدی اور فقہ میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہیں۔

جو ان کے سِوا ہے وہ جماعت سے خارج اور سَوادِ اعظم کا تارِک اور دین کا مارِق ہے۔

اور جماعت کا تارِک اور سَوادِ اعظم کے مخالف جو فرقے اب تک ہوئے ہیں اور ان کے رَدّ وابطال اور دَفع وزَوال میں جو جو کہ پیش آیا اوس کا ذِکر کرنا بسبب شہرت کے، ضرور نہیں ہے۔''

(ص ۹ وص ۱۰۔ سیفُ الجبار۔ مؤلّفہ علاّمہ فضلِ رسول بدایونی۔ مطبوعہ بدایوں۔ یوپی)

فتنۂ وہابیت کے سَدِّ باب کے لئے مولانا رشید الدین خاں دہلوی وعلاّمہ فضلِ حق خیرآبادی اور شاہ مخصوص اللہ دہلوی وشاہ محمد موسیٰ دہلوی نبیرگانِ شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی ودیگر

عُلما و مشائخِ دہلی نے ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں شاہجہانی جامع مسجد دہلی میں شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی سے مناظرہ کیا۔

شاہ احمد سعید مجدّدی دہلوی و شاہ عینُ الحق عبدالمجید عثمانی بدایونی و علاّمہ فضلِ رسول عثمانی بدایونی و مولانا حیدر علی فیض آبادی و مولانا جمال الدین فرنگی محلی لکھنوی (نواسۂ بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی فرنگی محلی) و مولانا مُخلص الرحمٰن چاٹگامی و مفتی شرف الدین رام پوری و مولانا غلام مُحی الدین قصوری و مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی و سید عبدالفتاح گلشن آبادی و مولانا سید عبداللہ بلگرامی اور نہ جانے کتنے عُلما و مشائخِ اہلِ سُنّت نے زبانی و تحریری طور پر وہابیت کا تعاقب کیا۔

بعد کے اَدوار میں مولانا مفتی ارشاد حسین مجدّدی رام پوری (متوفی ۱۳۱۱ھ) و مولانا نقی علی قادری برکاتی بریلوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) و تاج الفحول، مولانا عبدالقادر عثمانی بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ) و حافظ بخاری، سید عبدالصّمد مودودی چشتی سَہسوانی ثُمّ پھپھوندوی (متوفی ۱۳۲۳ھ) و امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ) و مولانا غلام قادر بھیروی، پنجابی (متوفی ۱۳۲۷ھ) و مولانا غلام دستگیر قصوری پنجابی (متوفی ۱۳۱۵ھ) و مولانا عبدالسمیع بیدلؔ رام پوری سہارن پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ) و مولانا احمد حَسَن کان پوری (متوفی ۱۳۲۲ھ) و مولانا وکیل احمد سکندر پوری (متوفی ۱۳۲۲ھ) و مولانا خیرالدین دہلوی (متوفی ۱۳۲۶ھ) و مولانا عبدالعلی آسیؔ مدراسی لکھنوی (متوفی ۱۳۲۷ھ) و مولانا وصی احمد محدّث سورتی، پیلی بھیتی (متوفی ۱۳۳۴ھ) و مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکی (متوفی ۱۳۴۷ھ) وغیرھم رِضْوَانُ اللّٰهِ تعالیٰ علَیهِم اَجمَعِین کی خدماتِ جلیلہ اِس سلسلے میں نہایت روشن و تابناک اور ناقابلِ فراموش ہیں۔

اہلِ سُنّت و عُلمائے اہلِ سُنّت کے تعلق سے اپنی لاعلمی بلکہ عِناد و مخاصَمت کی وجہ سے مُعانِدین و مُخالِفین کی طرف سے بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔ جن میں سے ایک بات یہ بھی بار بار کہی اور لکھی جاتی رہی ہے کہ:

''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اپنی تحریروں کے ذریعہ ہندوستان کے اندر مسلکی اختلاف پیدا کیا اور اسے پَروان چڑھایا۔''

اِن ناواقفوں یا مخالفوں کو معلوم نہیں کہ ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں جب تقویۃُ الایمان (جس کی تالیف کئی سال پہلے ہی ہو چکی تھی اور نقل در نقل لوگوں تک پہنچتی رہی) منظرِ عام پر آئی تو سب سے پہلا اس کا تحریری جواب ۱۲۴۰ھ ہی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ) کے شاگردِ رشید، حضرت علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی (وصال ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) نے پہلے مرحلے میں اِجمال و اِختصار کے ساتھ ''تقریرِ اعتراضات بر تقویۃُ الایمان'' اور دوسرے مرحلے میں ''تحقیقُ الفتویٰ فِی اِبْطالِ الطَّغویٰ'' کے نام سے دیا۔ پھر رسالہ ''یک روزہ'' از شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی کا محقِّقانہ جواب ''اِمتناعُ النظیر'' کے نام سے سپردِ قلم فرمایا۔

۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء ہی میں تقویۃ الایمان کے پیدا کردہ مسائل کے خلاف، متعدد عُلمائے اہلِ سُنّت نے بھی جامع مسجد دہلی میں شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) سے مناظرہ کر کے اسے ساکت و عاجز اور لاجواب کیا۔

اور ساتھ ہی ساتھ یہ تاریخی حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیے کہ:

اِس سُنّی وہابی مناظرۂ جامع مسجد، دہلی میں نہ بدایوں کا کوئی شخص (عالمِ دین) تھا، نہ بریلی کا۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی پر ''مسلکی اختلاف پیدا کرنے کا اِلزام'' نہایت لغو اور باطل ہے جس کی تردید و تغلیط کے لئے اِس حقیقت کا اظہار کافی ہے کہ مناظرۂ جامع مسجد دہلی ۱۲۴۰ھ کے بتیس (۳۲) سال بعد ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں امام احمد رضا کی ولادت ہوئی۔ جب کہ خود آپ کے والدِ محترم، حضرت مولانا نقی علی قادری برکاتی بریلوی کی بھی اس مناظرہ (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) کے چھ (۶) سال بعد ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء میں ولادت ہوئی تھی۔

بدایوں و بریلی میں متعدد جلیلُ القدر عُلما تھے۔ ان کی بہت ساری دینی

وعلمی خدمات ہیں۔لیکن اِس تعلق سے جامع مسجد دہلی میں جو کچھ ہوا اُس میں صرف عُلماے دہلی شریک تھے اور انھوں نے وہابی اسمٰعیلی خیالات کا رَدّ واِبطال کیا۔

دوسرا تاریخی مناظرہ ''براہینِ قاطعہ'' مؤلّفہ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء) و مصدّقہ مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ/اگست ۱۹۰۵ء) کی ایک توہین آمیز عبارت کے خلاف بھاول پور میں ہوا۔

۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں بھاول پور، پنجاب (موجودہ پاکستان) کے اندر ہونے والے اِس مناظرہ میں ایک طرف سُنّی عُلماے پنجاب تھے اور دوسری طرف دیوبندی عُلماے سہارنپور۔ بدایوں اور بریلی کا کوئی عالم اِس سُنّی دیوبندی مناظرہ میں بھی شریک نہیں تھا۔

عُلماے پنجاب کی طرف سے حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری (وصال ۱۳۱۵ھ) اور عُلماے سہارن پور کی طرف سے مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء) مُناظِر تھے۔

مناظرۂ بہاول پور، پنجاب کی تفصیلی روداد ''تَقدِیسُ الوَکِیل عَنْ تَوْهِینِ الرَّشیدِ والخَلیل'' مؤلّفہ مولانا غلام دستگیر قصوری، پاک وہند سے شائع ہوچکی ہے۔

اہلِ سُنّت وجماعت کے درمیان مختلف اَدوار میں مختلف شخصیتیں، جلوہ گر ہوتی رہیں اور انھوں نے اپنے اپنے طور پر نمایاں دینی وعلمی خدمات انجام دیں۔

اِدھر آخری دَور میں سب سے نمایاں اور ممتاز خدمات، فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۱ء)

عَلَیْهِ الرَّحْمَةُ وَ الرِّضْوَان کی ہیں۔جن کی دینی وعلمی وفقہی خدمات کے بارے میں آپ بہت کچھ پڑھتے اور سنتے چلے آرہے ہیں۔

غیر مقلّدیت وندویت ودیوبندیت اِسی وہابیت کی مختلف شاخیں ہیں۔جو رفتہ رفتہ متحدہ ہندوستان کے مختلف خطوں اور علاقوں میں پھیلتی چلی گئیں۔

مدرسہ فیضِ عام، کان پور کے سالانہ جلسۂ دستار بندی ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء کی ایک تجویز کے مطابق ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں مشاہیر عُلماے ہند کا مدرسہ فیضِ عام، کان پور میں اجتماع ہوا جس میں متعدد عُلما ومشائخ اہلِ سُنّت اور امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی بھی شریک ہوئے۔

اور یہیں سے تحریکِ ندوہ کا آغاز ہوا۔ مگر اس کے اِس جلسۂ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں شیعہ مقرر و خطیب، غلام حسین کنتوری نے حضرت علي مرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ کی خلافت بلا فصل کا عیّارانہ انداز میں ذِکر کیا جس پر امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّهٗ نے بعض دیگر عُلماے اہلِ سُنّت سے گفتگو کر کے مولانا محمد علی مونگیری سے سخت احتجاج کیا اور انھوں نے وعدہ کیا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔مگر اس وعدے پر عمل نہیں ہوسکا اور رفتہ رفتہ دوسرے مفاسد بھی پیدا ہوتے رہے۔جن کی وجہ سے عُلماے اہلِ سُنّت ایک ایک کر کے ندوہ سے الگ ہوتے چلے گئے۔

ندوہ اُس وقت ایک تنظیم کی شکل میں اُبھرا جس کا کوئی مدرسہ ودارُ العلوم نہیں تھا۔ ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں لکھنؤ میں دارُ العلوم ندوۃُ العُلما کا قیام عمل میں آیا۔

ندوہ کے سالانہ اجتماعات، ہر سال کسی بڑے شہر میں ہونے لگے۔ جس کا اُس دَور کے اکابر عُلما ومشائخ اہلِ سُنّت بالخصوص تاج الفحول، مولانا عبد القادر عثمانی قادری برکاتی بدایونی (وصال ۱۳۱۹ھ) وامام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ) وحافظ بخاری، خواجہ سید عبد الصّمد مودودی سَہسوانی ثُمَّ پھپھوندوی (وصال ۱۳۲۳ھ) اور مولانا وصی احمد محدِّث سورتی، پیلی بھیتی (وصال ۱۳۳۴ھ) نے زبردست تعاقب کیا۔

اِس تحریکِ ندوہ کے خلاف مُحسنِ اہلِ سُنّت، قاضی عبد الوحید فردوسی عظیم آبادی (وصال ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) اور مُخیّرِ قوم ومِلّت، حاجی لعل محمد مدراسی (وصال ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء۔کلکتہ) خُلفاے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّهٗ نے اپنی نہایت گراں قدر مالی قربانی پیش

کی ۔اور بالآخر سالانہ اجتماعاتِ ندوہ کا سلسلہ اس کے سالانہ اجلاس واجتماعِ مدراس ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۲ء کے بعد بالکل موقوف اور بند ہوگیا۔ اور اہلِ ندوہ کی ساری توجّہ، دارُالعلوم ندوۃُ العُلما، لکھنؤ کی تعمیر وترقی کی طرف مبذول ہوگئی۔

اہلِ ندوہ نے خاموشی کے ساتھ تدریس وتعلیم وتصنیف وتالیف کا کام، جاری رکھا اور جب اپنے آپ کو ہرطرح مضبوط ومستحکم کرلیا تو مولانا ابوالحسن علی ندوی (متوفی دسمبر ۱۹۹۹ء) کی سربراہی میں دارُالعلوم ندوۃُ العُلما لکھنؤ نے ۱۹۷۵ء میں اپنا پچاسی (۸۵) سالہ جشن، دارُالعلوم ندوۃُ العُلما، لکھنؤ کے وسیع وعریض میدان میں اندر نہایت اہتمام کے ساتھ منایا جس میں کچھ عرب شیوخ بھی شریک ہوئے۔

تحریکِ ندوہ کی شدید مزاحمت ومخالفت کا اصل سبب بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ) ارشاد فرماتے ہیں:

''ندوہ، کھچڑی ہے۔ پہلے بعض اہلِ سُنَّت بھی دھوکے سے اس میں شامل ہوگئے تھے۔ جیسے مولوی محمد حسین صاحب الہ آبادی ومولوی احمد حَسَن کان پوری اور مولوی عبدالوہاب صاحب (فرنگی محلی) لکھنوی۔ اس کی شناعتوں پر اطلاع پا کر یہ لوگ علیٰحدہ ہوگئے۔

مولانا احمد حَسَن صاحب مرحوم، ندوۂ عظیم آباد کے بعد بریلی تشریف لائے۔ رمضان کا اَخیر عشرہ تھا۔ میں اپنی مسجد میں مُعتکِف تھا۔ میں نے خبر سُن کر ان کو خط لکھا جس میں یہ القاب تھے:

اَحْمَدُالسِّیْرَۃِ، حَسَنُ السَّرِیْرَۃِ، غَیرُشِرکَۃِ النَّدْوَۃِ الْمُبِیْرَۃ۔

اس میں ''احمد حَسَن'' ان کا نام بھی نکلا اور معنی یہ ہوا کہ:

آپ کی خصلت، محمود۔ اور طینت، مسعود۔ مگر ندوۂ تباہ کُن کی شرکت، مردود۔''

میری اُن کی دوستی تھی۔ اِن القاب کو دیکھ کر بہت ہنسے۔ اور میرے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا:

میں نے اِس سے توبہ کرلی ہے۔ اور عین جلسہ میں مولوی محمد علی (مونگیری) ناظم سے یہ کہہ کر اُٹھا ہوں کہ:

آپ اِس مجمع کو دیکھتے ہیں؟ یہ سب جہنم میں جائے گا۔ اور ان کے آگے مَیں اور آپ

ہوں گے۔ یہ نہیں جانتا کہ پہلے آپ جائیں گے کہ پہلے مَیں؟''

لکھنؤ کے جلسے میں ابراہیم آروی نے اپنے لکچر میں صرف لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہ پر مدارِ نجات رکھا۔ مولوی عبدالوہاب صاحب (فرنگی محلی) لکھنوی (مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے والد ماجد) مع ہمراہیان یہ فرما کر اُٹھ آئے کہ: یہاں تو رسالت بھی تشریف لے گئی۔''

اِسی طرح سنّیوں میں سے جو مطلع ہوتا گیا، جُدا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس میں بدمذہب، رہ گئے۔ یا تو کھلے مُرتدین۔ جیسے رافضی، وہابی وغیرُہُم۔ یا وہ نام کے سنّی جو اُن کو اراکینِ دین بتاتے اور ان سے اتحاد، مناتے۔

ندوہ کا عقیدہ ہے کہ:

نیچری، وہابی، قادیانی، رافضی، سب اہلِ قبلہ ہیں۔ لِہٰذا سب مسلمان ہیں۔ اہلِ قبلہ کی تکفیر، جائز نہیں۔

خدا سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ جیسے برٹش گورنمنٹ۔ کہ اسے اس کی رعیّت کے سب مذہب والے، ایک سے۔

ہم ایسے عقیدۂ واہیہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہہ سکتا۔''

(ص ۷۵ وص ۷۶۔ الملفوظ، حصہ دوم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

''صدیقِ اکبر وفاروقِ اعظم پر رافضی، تَبرَّا بکتے ہیں۔

ندوی کہتے ہیں: سنّی، شیعہ کا قطعیات میں اتفاق ہے۔ صرف ظَنّیات میں اختلاف ہے۔ ذرا ذرا سی بات، پہاڑ بنا کر کہاں تک نوبت پہنچائی ہے۔''

تو اَب نہ صدیق کی صحابیت، قطعی ٹھہری، نہ صدیق وفاروق کی خلافتِ راشدہ، قطعی ہوئی، نہ صدیق وفاروق کا جنّتی ہونا، قطعی رہا۔ سب ظَنّیات ہوگئے۔

روافض کا تبَرَّا بکنا، صدیق وفاروق کو گالیاں دینا، ایک ذرا سی بات ہوئی۔

وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔

(ص ۷۶۔ الملفوظ، حصہ دوم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

''جن عُلما نے میرے علم میں، ندوہ قائم کیا۔ جیسے مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا سید محمد علی

کان پوری (مونگیری) اور مولانا شاہ محمد حسین الہٰ آبادی مرحوم و مغفور اور اسی طرح اکثر شُرکا، ہرگز ہرگز مَعَاذَاللّٰہ، کافر نہ تھے۔ نہ انھیں کافر کہا گیا۔

ان سے اِس بات پر نزاع تھی کہ:

بد مذہبوں کو اپنی مجلس کا رُکن نہ بناؤ۔ نہ اُن سے وعظ کہلاؤ۔''

(ص ۶۵۳۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، مکمل۔ مؤلّفہ ملک العُلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی۔ مکتبہ نبویہ، لاہور)

علاّمہ فضلِ رسول عثمانی بدایونی کے چند رسائل کا ایک مجموعہ بنام ''مجموعۂ رسائلِ فضلِ رسول'' ۔۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء میں رضا اکیڈمی بمبئی کی طرف سے شائع ہوا۔ جس میں میرا، ایک تفصیلی مقدّمہ، شامل ہے۔ مضمون کی شکل میں یہ مقدّمہ، ماہنامہ جام نور، دہلی اور ماہنامہ، کنز الایمان، دہلی میں اِس ''مجموعۂ رسائلِ فضلِ رسول'' کی طباعت سے پہلے، کئی قسطوں میں شائع ہوا۔ جس کا ایک حصہ اِفادۂ عام کی غرض سے نذرِ قارئین ہے:

''اپنے قصیدہ دَر مدحِ مُحبِّ رسول، تاجُ الفحول، مولانا عبدالقادر عثمانی قادری بدایونی، بنام ''چراغِ اُنس'' (۱۳۱۵ھ) میں امامِ اہلِ سُنَّت، مولانا احمد رضا قادری برکاتی بریلوی فرماتے ہیں:

تیری نعمت کا شکر کیا کیجیے — تجھ سے کیا کیا مِلا، مُحبِّ رسول

اور تو اور ''شیخ'' تجھ سے ملا — اِس سے بڑھ کر ہے کیا؟ مُحبِّ رسول

شیخ بھی کون؟ حضرت ''آلِ رسول'' — خاتمُ الاَولیا، مُحبِّ رسول

اس کے دَر تک رسائی، تجھ سے ملی — تو ہُوا رَہنُما، مُحبِّ رسول

مجھ پہ واجب ہے تیرا شکرِ نِعَم — مجھ پہ لازم دُعا، مُحبِّ رسول

تجھ پہ ''فضلِ رسول'' کا سایہ
مجھ پہ سایہ ترا، مُحبِّ رسول

ایک اِستفتا کے جواب میں فقیہِ اسلام، امامِ اہلِ سُنَّت، مولانا احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت تاجُ الفحول، محبِّ رسول، مولانا مولوی عبدالقادر صاحب قادری بدایونی قُدِّسَ سِرُّہٗ الشَّرِیف۔ پچیس (۲۵) برسوں تک اِس فقیر کو اس جناب سے صحبت رہی۔

اُن کی سی وُسعتِ نظر و قوتِ حفظ و تحقیق اَنیق اُن کے بعد کسی میں نظر نہ آئی۔''

(ص ۱۳۱۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد دوازدہم (۱۲)۔ مطبوعہ لاہور و بمبئی)

اور مذکورہ قصیدہ ''چراغِ اُنس'' (۱۳۱۵ھ) میں حضرت مُحبِّ رسول، تاجُ الفحول بدایونی کے بارے میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی، مزید عرض کرتے ہیں:

آج قائم ہے دینِ حق کی بِنا — دَم قدم سے ترے، محبِّ رسول

ٹھیک ''مِعیارِ سُنّیت'' ہے آج — تیری حُبّ و ولا محبِّ رسول

سُنّیت سے پھرا، ہُدیٰ سے پھرا — اب جو تجھ سے پھرا، محبِّ رسول

مصطفیٰ کا ہُوا، خدا کا ہُوا — اب جو تیرا ہُوا، محبِّ رسول

رِفض و تفضیل و نجدیت کا گلا
تیرے ہاتھوں کٹا، مُحبِّ رسول

اپنے مشہور قصیدہ ''آمَالُ الْاَبْرَار وَ آلامُ الْاَشْرَار'' میں ندوہ اور فرقۂ وہابیہ کی تردید و ابطال کی مُہم میں مُحبِّ رسول، تاجُ الفحول، مولانا عبدالقادر عثمانی قادری برکاتی بدایونی (وصال ۱۳۱۹ھ) کی قیادت و سربراہی کا ذکر کرتے ہوئے امامِ اہلِ سُنَّت، مولانا احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ عرض کرتے ہیں:

وقُدْوَةُ جَمْعِهِم تاجُ الفُحُول — اِمامُ الْحَقِّ لَيْسَ لَهُ نَدِيْد

ومَا اَدْرَاکَ مَاتاجُ الفُحُول — بِفَضْلِ الْمَجْدِ فَضَّلَهُ الْمَجِيد

وتَوَّجَهُ بِتَاجِ الْفَضْلِ حَقاً — رسولُ اللّٰه ليسَ لهُ ضَدِيد

جَوَادُ جَيِّدُ جُودُ مُجادُ — مَجِيدُ ماجِدُ مَجْدُ مجيد

وذَافضلُ الرَّسول لِمُهْتَدِيهِ
فكيفَ يَنالهُ غاوٍ كَنُود

(ص ۱۲۰۔ ''بَسَاتِینُ الْغُفْرَان'' جمع و تحقیق اُلاُستاذ حازم محمد احمد عبدالرَّحیم اَلْمحفوظ۔ کُلِّیۃُ اللُّغاتِ والتَّرجمۃ۔ جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر۔ مکتبہ قادریہ، لاہور۔ ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء)

نیز تحریر فرماتے ہیں:

''چودھویں صدی ہجری کے عُلما میں باعتبار حمایتِ دین ونصرتِ سُنّت نیز باعتبارِ تفقُّہ، حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقادر بدایونی صاحب رحمۃُ اللّٰہ علیہ کا پایہ، اکثر معاصرین سے اَرفع تھا۔

ایامِ ندوہ میں اور اس کے بعد جب فقیر نے سرگرم حامیانِ دین کے خطاب تجویز کیے...... اُسی زمانے میں حضرت فاضلِ بدایونی قُدِّسَ سِرُّہٗ کو ''تاجُ الفُحول'' سے تعبیر کیا۔ جو آج تک ان کے اَخلاف میں منقول ومقبول ہے۔

اور بے شک وہ باعتبارات مذکورہ اس کے اہل تھے۔ رحمۃُ اللّٰہِ تعالیٰ علیہِ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔'' (ص ۳۶۶۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد ششم۔ مطبوعہ سنّی دارُالاشاعت، مبارک پور)

بدایوں اور بریلی، دونوں کا سلسلۂ بیعت وارشاد ''قادری برکاتی'' ہے۔

دونوں کا پیرخانہ اور مرکزِ عقیدت، خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہّرہ ہے۔

اور آج بھی اِن دونوں مراکزِ علم وفضل کے عُلما ومشائخ اور ان کے جُملہ وابستگان اپنے اسی مرکزِ عقیدت، مارہرہ مطہّرہ سے منسلک اور اس کے چشمۂ فیض سے سیراب ہورہے ہیں۔ گویا:

سلسلہ ایک ہے، ہم عشق کے دیوانوں کا
قد وگیسو سے چلے، دار ورَسَن تک پہنچے

(ص ۳۷ وص ۳۸۔ ''تقدیم'' بقلم یٰسٓ اختر مصباحی۔ مشمولہ ''مجموعۂ رسائلِ فضلِ رسول'' مطبوعہ ہند وپاک۔ ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)

مذکورہ وغیر مذکورہ بالا فِرَقِ باطلہ کے خلاف، خصوصیت کے ساتھ امام اہلِ سُنّت، مجدّدِ دین وملّت، مولانا الشاہ احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ) قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فتاویٰ کی شکل میں جتنا لکھا اس کی نظیر ومثال، متحدہ ہندوستان کے اندر پوری چودھویں صدی ہجری کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

یہ ایسی واضح ومسلّم حقیقت ہے جس کا انکار کوئی بدمذہب یا حاسِد ومُعانِد یا ناواقف وجاہل ہی کرسکتا ہے۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی دینی وعلمی وفقہی خدماتِ جلیلہ کے متعدد اَہم شعبے اور مختلف جہتیں ہیں جن پر بے شمار کتب ورسائل اور رسائل ومجلّات کے نمبروں میں بہت

سے اہلِ علم وقلم نے بہ شمول راقمِ سطور، بہت کچھ لکھا ہے۔ جن کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔

تحفظِ مذہبِ اہلِ سنّت وجماعت اور تردیدِ فِرَقِ باطلہ میں امام احمد رضا کے قلم سے نکلے ہوئے وقیع فتاویٰ ہی ایسی عظیم وجلیل خدمت کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں جو ہر انصاف پسند وحق پسند کو یہ باوَر کرانے کے لئے کافی ہیں کہ بلاشبہ آپ چودھویں صدی ہجری کے مُجدِّد ہیں۔ اور بقول پروفیسر منؔیر قصوری:

توڑی ہیں تری ضربتِ کاری نے چٹانیں
پگھلے ہیں تری آہِ سَحَر گاہی سے پتھر
تو میری نگاہوں میں ''مُجدِّد'' سے نہیں کم
زندہ ہوئے پھر تجھ سے فرامینِ پیمبر

متحدہ ہندوستان کے اکابر عُلمائے اہلِ سُنّت وجماعت نے ۱۹۲۵ء میں سُنّی کی تعریف کرتے ہوئے متاخر عُلمائے ہند میں سے جن مشاہیر اسلامی شخصیات کے مذہب ومسلک کو ''معیارِ سُنّیت'' قرار دیا ہے اُن کے اَسمائے گرامی کا آغاز، حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) سے اور اختتام، حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ) پر کیا ہے۔

کسی شخصیت کو کسی دَور میں معیارِ حق قرار دیا جانا، وہ بھی اُس دَور کے جلیلُ القدر نمائندہ عُلمائے اہلِ سُنّت کی جانب سے، یہ وہ اعزاز اور نصیبہ کی ایسی اَرجمندی ہے جو شاذ ونادر ہی کسی کے حصے میں آتی ہے۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

نصف صدی کے اندر کی بات ہے کہ ہندوپاک میں مذہبِ اہلِ سُنّت وجماعت کی تعبیر ''**مسلکِ اعلیٰ حضرت**'' کے ذریعہ کی جانے لگی جسے اب ایک اصطلاحی حیثیت حاصل ہوچکی ہے۔

ابھی ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء میں عُلمائے اہلِ سُنّت وجماعت کی جانب سے ایک ہدایت نامہ جاری ہوا جس پر مختلف مدارسِ اہلِ سُنّت کے عُلما واساتذہ کے ساتھ، متعدد عُلما واساتذۂ اشرفیہ مبارک پور کے بھی دستخط، ثبت ہیں۔

''**توضیحات وہدایات**'' کے عنوان سے یہ ہدایت نامہ کئی سُنّی رسائل ومجلّات اور راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) کی کتاب ''پیغامِ عمل'' مطبوعہ دارُالقلم، ذاکر نگر نئی دہلی میں بھی شائع

ہو چکا ہے۔جس کا ایک ضروری حصہ،قارئینِ کرام یہاں بھی ملاحظہ فرمالیں:

(۱) فقیہِ اسلام ،مجدّدِ دین وملّت ،اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی اور حضور مفتیِ اعظمِ ہند،مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّھُمَا کی دینی وعلمی خدمات کی وجہ سے بریلی شریف،مرکزِ سُنّیت ہے۔

سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت (برصغیر ہندوپاک) کے بیشتر عُلما وعوام اپنی تقریر وتحریر اور باہمی گفتگو کے وقت کبھی ''مذہبِ اہلِ سُنَّت'' اور کبھی ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کی اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں۔اور بلاشبہ یہ دونوں قدیم وجدید اِصطلاحیں،شرعاً جائز ودرست ہیں۔

''مذہبِ اہلِ سُنَّت'' سارے عالَمِ اسلام کی اصطلاحِ عام ہے۔جب کہ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' برِصغیر ہندوپاک کی اصطلاحِ خاص ہے۔اور کوئی لفظ کسی اصطلاحی حیثیت سے جہاں بھی رائج ہوجائے تو اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس اصطلاح کا مُوجِد کون ہے؟ اور کب، کس طرح اس کا آغاز ہوا؟

اس اصطلاح کا وہی معنی اُن سارے مقامات ومواقع پر مراد لیا جائے گا جہاں تک اس کا دائرہ اور اس کا رَواج ہے۔

اصطلاحِ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کا اِس زمانے میں ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ وہابیہ ودیابنہ سے اہلِ سُنَّت کا امتیاز ہوجاتا ہے۔

اگر جلسہ وجلوس میں اصطلاحاتِ ''مذہب اہلِ سُنَّت'' و''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کا استعمال کیا جائے اور حسبِ ضرورت وافادیت ان کا نعرہ لگایا جائے ۔اسی طرح ایسا کوئی بورڈ اور بینر آویزاں کیا جائے تو بلاشبہ یہ عمل،شرعاً جائز ودرست ہے۔

(۲) ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' بمعنی ''مسلکِ اہلِ سُنَّت'' کا ماننا، ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اور اگر کوئی شخص ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کی اصطلاح کو استعمال نہیں کرتا اور اس کے عقائد ومعمولات ،مذہبِ اہلِ سُنَّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت کے مطابق ہیں تو اس کا یہ عدمِ استعمال،شرعاً کوئی فِسق یا گمراہی نہیں۔اور نہ اس سے اصطلاحِ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی صحت پر کوئی حرف آتا ہے۔لیکن اگر کوئی شخص مسلکِ اعلیٰ حضرت کے مسلَّمہ عقائد سے انکار کرے تو مذکورہ بالا تفصیل کی

روشنی میں وہ مسلکِ اہلِ سُنَّت سے مُنحرف قرار پائے گا۔

یہ بھی واضح رہے کہ فروعی فقہی مسائل میں فُقہا ومُفتیانِ اَحناف کا علمی وتحقیقی اختلاف کوئی اَمرِ معیوب ومذموم نہیں۔صحتِ ایمانیات وعقائدِ اہلِ سُنَّت پر اِستقامت کے ساتھ مذکورہ اختلاف سے مذہبِ اہلِ سُنَّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ جب کہ وہ اخلاص ونیک نیتی پر مبنی ہو۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔''

(اٹھائیس (۲۸) عُلمائے اہلِ سُنَّت کا مشترکہ دستخطی بیان۔مطبوعہ ماہنامہ کنز الایمان دہلی۔شمارہ صفر المظفر وربیع الاول ۱۴۲۹ھ/اپریل ۲۰۰۸ء۔وماہنامہ اشرفیہ مبارک پور۔شمارہ اپریل ۲۰۰۸ء۔ودیگر مجلّات ورسائل)

ہندوپاک کے نجدی وکیل،شب وروز اپنی مُہم میں مصروف رہتے ہیں اور اپنی کارگذاریوں کی تفصیل سے اپنے آقایانِ نعمت کو برابر مطّلع کرتے رہتے ہیں۔حج وعمرہ اور زیارت کی نیت سے جو عُلما ومشائخ اہلِ سُنَّت حرمین طیبین کی حاضری دیتے ہیں، اُن کی تفصیلی رپورٹ اُن کے ایجنٹوں کے ذریعہ پہنچتی رہتی ہے اور اہلِ سُنَّت وجماعت کو ''بریلوی'' کہہ کر ایک نیا غیر سُنّی فرقہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔

اِس پس منظر میں آپ اُس حادثہ کی اصل روح سمجھ سکتے ہیں جو جانشینِ مفتیِ اعظمِ ہند، حضرت مفتی اختر رضا قادری رضوی ازہری بریلوی مُدَّظِلُّہُ الْعَالِی کے ساتھ مُورخہ ۳۱ راگست ۱۹۸۶ء کو مکّۂ مکرَّمہ میں پیش آیا۔اور انہیں زیارتِ مدینۂ منورہ سے محروم کرکے ہندوستان واپس کردیا گیا تھا۔

متحدہ ہندوستان کے مسلمانانِ اہلِ سُنَّت کو تقریباً ایک صدی پیشتر ''خیرآبادی'' اور ''بدایونی'' کہا جاتا تھا۔چنانچہ حضرت مولانا محمود احمد قادری رفاقتی مظفر پوری تحریر فرماتے ہیں:

''یہ حقیقت ہے کہ حضرت سیفُ اللہ المسلول (علاّمہ فضلِ رسول بدایونی) صفِ اول کے اُن ممتاز عُلما ومشائخ میں تھے جنھوں نے فتنۂ وہابیت کے سَدِّ باب کے لئے کوششِ بلیغ فرمائی۔

آپ کی اور علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی کی ذاتِ قُدسی صفات کی وجہ سے اہلِ باطل کے مقابل میں اہلِ حق ،دَورِ اوّل میں ''بدایونی'' اور ''خیرآبادی'' پکارے جاتے تھے۔''

(ص ۲۱۔تذکرۂ عُلمائے اہلِ سُنَّت۔مطبوعہ کان پور۔۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

اس کے بعد عُلماے دیوبند نے اہلِ سُنّت کو ''بریلوی'' کہنا شروع کیا جس سے اُن کی مُراد یہ ہُوا کرتی تھی اور اب بھی وہ اس سے یہی مُراد لیتے ہیں کہ ہم ''سنّی'' اور یہ ''بریلوی'' ہیں۔

سفرِ حج وزیارت کے موقع پر ۳۱/اگست ۱۹۸۶ء کو مکّہ مکرّمہ میں جانشینِ مفتیِ اعظم ،حضرت مولانا محمد اختر رضا قادری رضوی ازہری کی گرفتاری کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مولانا محمد شہاب الدین رضوی بریلوی اپنی کتاب ''حیاتِ تاج الشریعہ'' میں بزبانِ حضرت ازہری میاں، یہ تحریر کرتے ہیں کہ:

.........دس بجے پھر سی آئی ڈی سے گفتگو ہوئی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ:

ہندوستان میں کتنے فرقے ہیں؟

میں نے شیعہ، قادیانی وغیرہ چند فرقے گنائے۔ اور میں نے واضح کیا کہ امام احمد رضا فاضلِ بریلوی نے قادیانیوں کا رَد کیا ہے۔ اور ان کے رَد میں چھ(۶) رسالے ''جَزَاءُ اللّٰہ عَدُوَّہٗ ، قَھْرُالدَّیَّان، اَلسُّوءُ وَالْعِقَاب وغیرہ لکھے ہیں۔

ہم پر کچھ لوگ یہ تہمت لگاتے ہیں اور آپ کو بتایا ہے کہ ہم اور قادیانی ایک ہیں۔

یہ غلط ہے۔ اور وہی لوگ ہمیں ''بریلوی'' کہتے ہیں۔ جس سے وہم ہوتا ہے کہ ''بریلوی'' کسی نئے مذہب کا نام ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ہم ''اہلِ سُنّت وجماعت'' ہیں۔

سی آئی ڈی کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ:

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے کسی نئے مذہب کی بنیاد نہیں ڈالی، بلکہ اُن کا مذہب وہی تھا جو سرکار محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور صحابہ وتابعین اور ہر زمانے کے صالحین کا مذہب ہے۔

اور یہ کہ ہم اپنے آپ کو ''اہلِ سُنّت وجماعت'' کہلوانا ہی پسند کرتے ہیں۔ اور ہمیں اِس مقصد سے ''بریلوی'' کہنا کہ ہم کسی نئے مذہب کے پیَرو ہیں، ہم پر بہتان ہے۔''

(ص ۴۲۔ ''حیاتِ تاج الشریعہ'' مؤلّفہ مولانا شہاب الدین رضوی بریلوی۔ مطبوعہ اسلامک ریسرچ سنٹر۔ ۵۸ کسگران۔ سوداگران۔ بریلی شریف۔ طبع دوم صفر المظفر ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء)

''میں بارہا یہ کہہ چکا ہوں کہ:

''بریلوی'' کوئی مذہب نہیں ہے۔ اور اگر کوئی نیا مذہب بنام ''بریلوی'' ہے تو مَیں اس سے

بَری ہوں۔'' (ص ۴۳ وص ۴۴۔ حیاتِ تاج الشریعہ، مطبوعہ بریلی)

''اِقرار نامہ میں میرے مطالبہ پر اُس نے یہ اضافہ کیا کہ:

''بریلویت'' کوئی نیا مذہب نہیں ہے۔ اور ہم لوگ اپنے آپ کو ''اہلِ سُنّت وجماعت'' ہی کہلوانا پسند کرتے ہیں۔'' (ص ۴۴۔ حیاتِ تاج الشریعہ۔ مطبوعہ بریلی)

۱۹۸۵ء میں ''حجاز کانفرس'' لندن، انگلینڈ میں ہوئی تھی جس میں حضرت مولانا شاہ احمد نورانی وحضرت علاّمہ ارشد القادری وحضرت مفتی اختر رضا ازہری وحضرت مولانا قمر الزماں اعظمی وحضرت مولانا شاہد رضا نعیمی وغیرھُم شریک تھے۔ مختلف تجاویز کے ساتھ اس حجاز کانفرس میں ایک تجویز یہ بھی پاس ہوئی تھی کہ ''رابطۂ عالَمِ اسلامی، مکّہ مکرّمہ'' میں ہندوپاک وبرطانیہ کے عُلماے اہلِ سُنّت وجماعت کو بھی نمائندگی دی جائے۔ حضرت ازہری میاں فرماتے ہیں:

''سی آئی ڈی کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ:

لندن کے اس اجلاس میں جس میں مَیں شریک تھا، بنام ''بریلویت'' مسائل پر مباحثہ نہ ہوا۔ بلکہ اتحادِ اسلام اور تنظیم المسلمین پر تقاریر ہوئیں۔ اور اس جلسہ کا خرچ وہاں کے سنّی مسلمانوں نے اٹھایا۔ اور اس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ:

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے پیَرو اہلِ سُنّت وجماعت کو ''رابطۂ عالَمِ اسلامی'' میں نمائندگی دی جائے۔ جس طرح ندویوں وغیرہ کو رابطہ میں نمائندگی، حاصل ہے۔

سی آئی ڈی کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ: یہ تجویز باتفاقِ رائے پاس ہوئی تھی۔''

(ص ۴۴۔ ''حیاتِ تاج الشریعہ'' مؤلّفہ مولانا شہاب الدین رضوی بریلوی۔ مطبوعہ اسلامک ریسرچ سنٹر۔ ۵۸ کسگران۔ سوداگران۔ بریلی شریف۔ طبع دوم صفر المظفر ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء)

اِس سے چند ماہ پیشتر، سفرِ پاکستان کے موقع پر جناب ابو زاہد نظامی نے آپ سے ایک انٹرویو لیا تھا۔ دورانِ گفتگو، محمد صدیق زاہد صاحب نے بھی آپ سے ایک سوال کیا کہ:

"پاکستان میں بعض لوگ اپنے آپ کو "بریلوی" کہتے ہیں اور بعض اپنے آپ کو "دیوبندی" کہتے ہیں۔ کیا یہ اچھی بات ہے؟

آپ نے فرمایا:

"بریلوی" کوئی مسلک نہیں ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ اہلِ سُنّت وجماعت ہیں۔"

ہمارا مسلک یہ ہے کہ:

ہم حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کو آخری نبی مانتے ہیں۔ حضور کے صحابہ کا ادب کرتے ہیں۔ حضور کے اہلِ بیت سے محبت کرتے ہیں۔ حضور کی اُمّت کے اولیاء اللہ سے عقیدت رکھتے ہیں۔ فقہ میں ہم امامِ اعظم ابوحنیفہ کے مقلّد ہیں۔

ہم اپنے آپ کو "بریلوی" نہیں کہتے۔ ہمارے مخالف ہمیں "بریلوی" کہتے ہیں۔"

(ص ۱۴۔ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور۔ فروری ۱۹۸۶ء)

اَغیار و مخالفین ہی نے تقسیمِ ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد سے سنّی مسلمانانِ ہندوپاک کو بڑی چابک دستی کے ساتھ "بریلوی" کہنا اور لکھنا شروع کیا۔ جس پر عُلمائے اہلِ سُنّت نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کی مخالفت کی۔

چنانچہ حضور مفتیِ اعظمِ ہند، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی (وصال محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آغاز میں اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ہم وہی قدیم چودہ سو سالہ اہلِ سُنّت وجماعت ہیں اور وہابیہ دیابنہ مَلاعِنہ، اہلِ سُنّت کو "بریلوی" کہتے ہیں۔ اگر کوئی تم کو "بریلوی" کہے تو شِدّت سے انکار کرو۔" (مطبوعہ ماہنامہ پاسبان، الہ آباد)

مفتیِ اعظم کان پور، حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین مظفر پوری عَلَیہِ الرَّحمَۃُ وَالرِّضوَان کے فرزندِ اکبر، حضرت مولانا محمود احمد قادری رفاقتی مظفر پوری نے اپنی ایک مطبوعہ کتاب "اہلِ سُنّت میں اِختلاف وافتراق" میں اسے نقل کیا ہے۔

بعض الفاظ واصطلاحات کے معانی ومفاہیم میں زمان ومکان کے بدلنے سے تبدیلی ہوجایا کرتی ہے اور اَحوال واَماکن کے اِختلاف سے ان کے مستعمل یا متروک ہوتے رہنے کا عمل

بھی جاری رہتا ہے۔ ہر زبان ومذہب اور ہر قوم وملک میں صدیوں سے ایسا ہوتا چلا آرہا ہے۔

اِصطلاحات واَلفاظِ عُرفیہ کے بارے میں اسبابِ سِتّہ کی بحث کے ضمن میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

(عربی سے ترجمہ) اَقولُ: بتوفیقِ الٰہی، ہم نے اپنے مقرّرہ اصول اپنے مباحث میں ذکر کردیے ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

مسئلہ میں اسبابِ سِتّہ میں سے کوئی سبب پایا جائے گا یا نہیں؟

پہلی صورت میں حکم، سبب کے مطابق ہی ہوگا۔ جو امام کا قولِ ضروری اور وہی **مُعتمد عَلَی الاِطلاق** ہے۔ خواہ ان کا قولِ صوری، بلکہ ان کے اصحاب کا قول اور ترجیحاتِ مُرجّحین اس کے موافق ہوں یا نہ ہوں۔ کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ اگر ان کے زمانے میں ایسا ہوتا تو اسی کے مطابق حکم فرماتے۔

امام کا قولِ ضروری، ایسی اہم چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے نہ کوئی روایت نہ کوئی ترجیح دیکھنے کی کوئی ضرورت ہے۔ بلکہ مُرجّحین کے لئے بھی قولِ ضروری کی رعایت، ضروری ہے۔ یہی ضابطہ ہر عہد وعصر کے لئے عام ہے۔

شرحُ العُقُود میں فرمایا ہے کہ:

اگر یہ کہا جائے کہ عُرف میں تو بار بار تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اِس صورت میں زمانۂ سابق سے الگ کوئی عُرف وقوع پذیر ہوجائے تو کیا مفتی کے لئے یہ رَوا ہوگا کہ وہ نئے عُرف کے مطابق فتویٰ دے جو خلافِ منصوص ہو؟

قُلتُ: نَعَم۔ ہاں! ایسا ہی ہے۔ کیوں کہ جن متأخر فُقہا ومفتیانِ کرام نے اپنے عہد کے مسائل میں خلافِ منصوص کوئی فتویٰ دیا، اُنھوں نے عُرفِ جدید ہی کی وجہ سے ایسا کیا۔ جو عُرفِ جدید، زمانۂ امام کے بعد وقوع پذیر ہوا۔

مفتی کے لئے لازم ہے کہ عُرفی الفاظ میں عُرفِ جدید کی رعایت واتباع کرے۔

اسی طرح ان مسائل میں جو کسی مجتہد نے اپنے زمانہ کے عُرف کے مطابق بیان کیے تھے اور وہ عُرف اب بدل گیا تو مفتی کو عُرفِ جدید پر مبنی فتویٰ دینا چاہیے۔

مگر مفتی ایسا ہو جو صاحبِ فکر ونظر ہو۔ جسے قواعدِ شریعت کا پورا علم ہو اور اچھی طرح سمجھتا ہو کہ کس عُرف پر کون سا حکم متفرَّع کیا جا سکتا ہے۔ اور کس پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔''

(رسالہ ''اَجلیٰ الْاِعْلام اَنَّ الْفتویٰ مُطلقاً عَلٰی قولِ الْاِمام۔ مشمولہ در آغازِ فتاویٰ رضویہ، جلدِ اول۔ مطبوعہ بریلی و بمبئی)

متحدہ ہندوستان کے اندر، ڈیڑھ دو صدی پیشتر لفظِ ''مُلَّا'' نہایت باوقار تھا۔ بڑے بڑے معقولی عُلما کے نام کے ساتھ ''مُلَّا'' کا سابقہ اُن کے تبحُّرِ علمی کی علامت بلکہ ضمانت ہوا کرتا تھا۔ جب کہ آج کوئی ادنیٰ درجہ کا مولوی بھی اپنے نام کے ساتھ ''مُلَّا'' کہنا، بولنا، لکھنا اپنی سخت توہین محسوس کرتا ہے۔ تقریباً یہی حال اب ''مولوی'' کا بھی ہو چکا ہے۔ جب کہ ایک صدی پہلے، بڑے بڑے عُلما کے نام کے ساتھ ''مولوی'' لکھا ہوا ملتا ہے۔

تحریکِ وہابیت کا ہندوستان میں جب آغاز ہوا تو ہندوستانی وہابی اپنے آپ کو ''محمدی'' کہا اور محمدی لکھا کرتے تھے۔ ایک عرصہ بعد وہ اپنے آپ کو ''اہلِ حدیث'' کہنے اور کہلانے لگے۔ وہ اب اپنے آپ کو وہابی کہنا کہلانا، سخت ناپسند کرتے ہیں۔

قادیانی اور مرزائی اپنے آپ کو دنیا بھر میں ''احمدی'' کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو بحیثیتِ جماعت ''احمدی'' کہنا کہلانا کہیں بھی اور کبھی بھی پسند نہیں کرتے ہیں۔

عنایت اللہ مشرقی کی تحریک ''خاکسار'' سے وابستہ ہونے والوں نے جب اپنے نام کے ساتھ ''خاکسار'' لکھنا شروع کیا تو مسلمان اپنے نام کے ساتھ ''خاکسار'' لکھنے سے پرہیز کرنے لگے۔ یہی حال آج کل ''طالبان'' کا بھی ہے۔

صوبہ سندھ کے بڑے بڑے وڈیرے اور سیکڑوں ہزاروں ایکڑ زمین کے مالکان ''سائیں'' کہے جاتے ہیں اور سندھ میں ''سائیں'' ہونا بڑے اعزاز اور فخر کی بات ہے۔ جب کہ ہندوستان میں ''سائیں'' فقیر اور گداگر کو کہا جاتا ہے۔

ایک صدی پیشتر، متحدہ ہندوستان کے اہلِ سُنَّت کو ''خیر آبادی'' اور ''بدایونی'' بھی کہا جاتا تھا جس کی جگہ اب لفظ ''بریلوی'' کا استعمال ہونے لگا ہے۔ اور اب خیر آبادی و بدایونی کا سابقہ مفہوم بدل چکا ہے۔

عُلمائے دیوبند نے سب سے پہلے اہلِ سُنَّت کو ''بریلوی'' کہنا شروع کیا اور کبھی کبھی ''رضا خانی'' بھی کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں۔

''بریلوی'' کو عامَّۂ اہلِ سُنَّت نے اِمتدادِ زمانہ کے ساتھ گوارا اور پھر قبول کرنا شروع کیا۔ مگر ''رضا خانی'' کہنے کو اہلِ سُنَّت، کسی گالی سے کم نہیں سمجھتے۔ جب کہ دونوں الفاظ کے درمیان اِس کے علاوہ کوئی فرق نہیں کہ ایک کی نسبت، شہر کی طرف اور دوسرے کی نسبت، نام کی طرف ہے۔

اس لئے اس طرح کی نسبتوں اور ایسے مسائل کے بارے میں محض جذبات کے مظاہرہ سے سخت پرہیز کرتے ہوئے ان کی معنویت، ان کے حقائق، اور ان کی عُرفی تبدیلی کے ہر پہلو کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہی کوئی رائے قائم کرنی چاہیے اور اس کا مہذَّب و معقول انداز میں علمی و تاریخی حیثیت سے جائزہ لے کر مناسب و مفید فیصلہ کرنا چاہیے۔

آج کل ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کو ''مذہبِ اہلِ سُنَّت'' کی مُترادف اصطلاح کہنے اور لکھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ:

فرعی اعتقادی اختلاف کے باوجود ہر صحیحُ العقیدہ اَشعَری و ماتُرِیدی اور فرعی فقہی اختلاف کے باوجود ہر صحیح العقیدہ سُنّی حنفی، ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کا ماننے والا بلکہ ہر صحیح العقیدہ شافعی یا مالکی یا حنبلی ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' سے وابستہ سمجھا جائے گا۔

اِسی طرح ہر صحیح العقیدہ قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، رفاعی، شاذلی اور کسی بھی صحیح سلسلۂ طریقت سے وابستہ یا عام سنّی مسلمان ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کا ماننے والا ہی سمجھا جائے گا۔ خواہ وہ اِس اصطلاح کا استعمال کرے یا نہ کرے اور اِس سے واقف ہو یا نہ ہو۔

مذکورہ حقیقت کو مندرجہ ذیل، واضح وصریح فتویٰ کی روشنی میں اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے:

''شافعی، ہمارے بھائی، سُنّی مسلمان ہیں۔ہم میں اُن میں کچھ فرعی اختلافات ہیں۔ہم، امامِ اعظم کے مقلِّد ہیں۔وہ امامِ اعظم کے شاگرد کے شاگرد، حضرت امام شافعی کے مقلِّد ہیں۔

وہ دونوں اہلِ حق وہدایت ہیں۔دونوں باہم، اصولاً متحد ہیں''۔اِلٰی آخِرِہٖ۔

(ص ۲۱۲۔فتاویٰ مصطفویہ۔از مفتیِ اعظمِ ہند، مولانا الشاہ محمد مصطفیٰ رضا نوری بریلوی۔مطبوعہ رضا اکیڈمی۔بمبئی۔ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)

اِسی فتویٰ میں ہے کہ سنّی حنفی مسجد میں آمِین بِالْجَھْر اور رَفْعِ یَدَین، شوافع کریں تو اُن کی ممانعت نہ کی جائے۔

واضح رہے کہ عام طور پر، اَحناف، اِعتقاداً ''ماتُرِیدی''، اور شوافع، اِعتقاداً ''اَشْعَرِی'' ہوتے ہیں۔

تصوف سے وابستہ بعض حضرات، سَماع مع مزامیر کے قائل بلکہ اس پر عامل ہوتے ہیں۔

بعض حضرات، پیر کے لئے سجدۂ تعظیمی کے جواز کے قائل اور اس پر عامل ہوتے ہیں۔

یہ دونوں اُمور ہمارے یہاں شرعاً ناجائز وحرام ہیں۔مگر حکمِ فسق (حکمِ ضلالت وکفر تو بے حد سنگین معاملہ ہے) کسی مسلمان پر عائد کرنا اتنا اہم معاملہ ہے کہ حضور مفتیِ اعظم ہند، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری (وصال محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ تحریر فرماتے ہیں:

''قوالی مع مزامیر، ہمارے یہاں ضرور حرام وناجائز وگناہ ہے۔اور سجدۂ تعظیمی بھی ایسا ہی۔

اِن دونوں مسٔلوں میں بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے۔اگرچہ وہ لائقِ التفات نہیں۔

مگر اس نے اُن مبتلاؤں کو حکمِ فسق سے بچادیا ہے جو، ان مخالفین کے قول پر اعتماد کرتے اور جائز سمجھ کر مُرتکب ہوتے ہیں۔

اگرچہ شرعاً ان پر دوہرا اِلزام ہے۔ایک اِرتکابِ حرام کا۔دوسرا اُسے جائز سمجھنے، خلافِ قولِ جمہور چلنے کا۔وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَم۔ (ص ۴۵۶۔فتاویٰ مصطفویہ۔رضا اکیڈمی، بمبئی۔۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)

مولانا مفتی نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''واضح ہو کہ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کوئی نیا مسلک نہیں، بلکہ وہی مسلکِ اہلِ سُنَّت ہے جو ہمیشہ سے تمام مسلمانوں کا مسلک رہا ہے اور چاروں مذاہب کے امام بھی، باہم بہت کچھ فقہی

فروعی اختلافات رکھنے کے باوجود ہمیشہ اسی مسلک کے حامی وعامل مانے گئے۔

اب اِس مقام پر مجدِّدِ اعظم، امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کا درج ذیل ارشاد (در فتاویٰ رضویہ۔جلد ۷۔ص ۴۸۱ تا ص ۴۸۲۔مطبوعہ سنّی دارُالاشاعت، مبارک پور) ٹھنڈے دل سے بغور پڑھیے:

''اِتباعِ سَوادِ اعظم'' کا حکم اور ''مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّار'' (جو جماعت سے الگ ہُوا وہ جہنم میں گیا) کی وعید، صرف دربارۂ عقائد ہے، مسائلِ فرعیہ فقہیہ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں۔

صحابۂ کرام سے ائمہ اربعہ تک (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِین) کوئی مجتہد، ایسا نہ ہوگا جس کے بعض اقوال، خلافِ جمہور نہ ہوں۔

سیدنا ابوذر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا مطلقاً ''جمعِ زَر'' (مال جمع کرنے) کو حرام ٹھہرانا۔

ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا ''نَوم'' (سونے) کو حدث (ناقضِ وضو) نہ جاننا۔

عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا مسئلۂ رِبا۔

امام اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا مسئلۂ مدّتِ رضاع۔

امام شافعی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا مسئلۂ مَتْرُوکُ التَّسمِیۃ عَمداً۔

امام مالک رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا مسئلۂ طہارتِ سورِ کلب وتعبُّدِ غسلاتِ سبع۔

امام احمد رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا مسئلۂ نَقضِ وضو بِلَحمِ جزور۔وغیر ذٰلک مسائلِ کثیرہ کو جو اِس وعید کا مورِد جانے، وہ خود ''شُذَّفِی النَّار'' (جہنم میں جانے) کا مستحق بلکہ اِجماعِ اُمَّت کا مخالف اور ''نُوَلِّہٖ مَاتَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّم وَسَآءَتْ مَصِیْراً'' (ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے) کا مستوجب (حقدار) ہوگا''

فتاویٰ رضویہ (جلد ہفتم۔ص ۴۸۱ تا ۴۸۲۔مطبوعہ سنّی دارُالاشاعت، مبارک پور) کی اِس عبارت سے چند باتیں بہت کُھل کر سامنے آگئیں:

الف: ''اِتباعِ سَوادِ اعظم'' کا تعلق، صرف عقائد سے ہے، فقہی، فرعی مسائل سے نہیں (اور واضح ہو کہ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' ''مسلکِ سَوادِ اعظم'' سے ہی عبارت ہے)

ب: صحابۂ کرام سے لے کر ائمۂ اربعہ تک کوئی مجتہد، ایسا نہیں جس کا کوئی قول، جمہور کے خلاف نہ ہو۔پھر بھی وہ حضرات، سَوادِ اعظم سے ہیں۔

مثلاً امام شافعی رَحْمَةُ اللّٰہ عَلَیہ کا مذہب ہے کہ:

کوئی شخص جان بوجھ کر جانور ذبح کرتے وقت ''بِسْمِ اللّٰہِ، اللّٰہُ اکبر'' نہ پڑھے تو بھی وہ جانور، حلال ہے۔ جب کہ اُن کے سوا دوسرے ائمہ وفُقَہا اُسے مُردار وحرام کہتے ہیں۔

مگر اس قولِ شاذ کے باوجود بِالْاِتفاق وہ سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت سے ہیں۔

ج: جو شخص ایسے اقوال پر ''جماعت'' سے اِنحراف یا ''شُذَّفِی النَّار'' واِستحقاقِ جہنم کا حکم لگائے وہ خود اِجماعِ اُمَّت کا مخالف اور جہنّمی ہے۔

قرآنِ پاک میں اُس کے لئے فرمایا گیا: وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ۔

ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے۔''

واضح ہو کہ: دیوبندی، وہابی، قادیانی، نیچری، صلحِ کلّی اور چکڑالوی جماعت کے عُلمانے اہلِ سُنَّت وجماعت سے اصولِ عقائد میں اختلاف کیا ہے اِس لئے وہ سَوادِ اعظم سے مُنحرِف اور شُذَّ فِی النَّار کے مصداق قرار پائے اور درحقیقت یہی لوگ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کے مخالف ہیں۔

مگر جو لوگ عقائد میں اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَة کے ساتھ ہیں مگر فروع میں کہیں بھی اُن کی رائے الگ ہوگئی ہے۔ جیسے حضرت سیدی اشرفی میاں کچھوچھوی رَحمةُ اللّٰہ عَلَیہِ کا قوالی کو جائز ماننا، تو وہ ہرگز سَوادِ اعظم یا مسلکِ اعلیٰ حضرت سے باہر نہیں۔ بلکہ وہ تو اپنے دَور میں سَوادِ اعظم کے سچے عَلَم بردار وناشر ومبلّغ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ساتھ اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَة کے تعلقات بہت اچھے رہے۔

جواب میں اِن چند سطور کا اضافہ اپنے اُن بھائیوں کی رہنمائی اور خیر خواہی کے لئے کیا ہے جو بات بات پر، مسلکِ اعلیٰ حضرت سے اِنحراف کے فرمان جاری کر دیتے ہیں اور اُنھیں اِس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ اس کا تعلق، مسلکِ اعلیٰ حضرت سے نہیں جس سے اِنحراف، کفر وگمراہی ہے۔ بلکہ خالص فروع سے

ہے اور ان میں اختلاف جیسا کہ بیان ہوا، رحمت ہے۔

ارشاد ہے: اِخْتِلَافُ اُمَّتِی رَحْمَةٌ۔ میری اُمّت کا اختلاف، رحمت ہے۔''

(ص ۲۸ تا ص ۳۱۔ ''عصرِ حاضر میں مسلکِ اہلِ سُنَّت کی مترادف اصطلاح! مسلکِ اعلیٰ حضرت'' مؤلّفہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی۔ مکتبہ برہانِ مِلَّت۔ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی۔ طبعِ اول۔ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء)

مذکورہ بالا عبارت میں دی گئی مثالوں کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی اِس طرح تحریر فرماتے ہیں:

● عبداللہ بن عباس کا مسئلہ رِبا۔

حضرت عبداللہ بن عباس کا مذہب، سُود کے بارے میں یہ تھا کہ:

جنس کی بیع جنس کے بدلے میں کمی، بیشی کے ساتھ جائز ہے، سود نہیں ہے۔ جیسے چاندی یا سونے کے ایک سکّے کی، بیع دو سکّے کے بدلے میں۔ یا مثلاً: ایک کیلو کھجور یا گیہوں یا جَو یا نمک کی بیع، دو کیلو کھجور یا گیہوں یا جَو یا نمک کے بدلے میں۔

یہی مذہب، حضرت عبداللہ بن عمر کا بھی تھا۔ جب کہ عامّۂ صحابۂ کرام کا مذہب اِن حضرات کے برخلاف یہ تھا کہ یہ معاملہ، سُود حرام ہے۔

امام نووی نے بعد میں دونوں حضرات کا رُجوع بھی نقل کیا ہے۔ جیسا کہ اُن کی شرح صحیح مسلم، ص ۲۷۔ ج ۲، میں ہے۔ مگر جب تک یہ حضرات وہ موقف رکھتے تھے اُس وقت تک وہ جمہور صحابہ کے خلاف ہی تھا۔ ۱۲ نظام۔

● امامِ اعظم کا مسئلۂ مدّتِ رضاع۔

امامِ اعظم ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ:

''مدّتِ رضاع، ڈھائی سال ہے''

یعنی ڈھائی سال کی عمر تک بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو وہ اُس کی ماں ہو جائے گی اور یہ اُس کا بیٹا۔

اِس کے برخلاف فقہائے صحابہ وتابعین وعلمائے اَمصار کا مذہب یہ ہے کہ:

''مدّتِ رضاع'' دوسال ہے۔ امام نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم میں ایسا ہی لکھا ہے۔ دیکھیے ص ۴۶۹۔ ج ۱، کتاب الرّضاع مجلسِ برکات، مبارک پور۔ ۱۲ نظام۔

● امام شافعی کا مسئلہ مَترُوکُ التَّسمِیَۃِ عَمداً۔

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ:

جانور ذبح کرنے والے نے قصداً ذبح کے وقت ''بِسمِ اللّٰہ'' نہ پڑھی تو بھی جانور، حلال ہے۔

اس کے برخلاف عامۂ فقہاے اَمصار وصحابہ وتابعین کا مذہب یہ ہے کہ قصداً ''بِسمِ اللّٰہ'' چھوڑ دینے کی وجہ سے جانور، مُردار وحرام ہوجائے گا۔ ۱۲ نظام۔

● امام مالک کا مسئلہ طہارتِ سورِ کلب وتعبُّدِ غسلاتِ سبع۔

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ کتّے کا جوٹھا، پاک ہے۔

جب کہ اُن کے سِوا دوسرے فقہاے اُمّت کا مذہب یہ ہے کہ ناپاک ہے۔

نیز امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ کتّے کا جوٹھا برتن، سات بار دھونے کا حکم، بطورِ عبادت ہے، تطہیر کے لئے نہیں۔

یعنی سات کا عدد، تعبُّدی ہے۔ اور قولِ طہارت پر یہ مذہب، جمہور فقہا کے خلاف ہے۔ ۱۲ نظام۔

● امام احمد کا مسئلہ ''نقضِ وضو بلحم جزور''

امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

جب کہ جمہور فقہا کا مذہب یہ ہے کہ وہ ناقضِ وضو نہیں ہے۔

ایسا ہی شرح صحیح مسلم۔ ص ۱۵۸۔ ج ۱ میں ہے۔ ۱۲ نظام۔

وغیر ذالک مسائلِ کثیرہ۔ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود کا رُکوع میں ''تطبیق'' کا قول۔

یعنی دونوں ہتھیلیوں کو باہم ملا کر دونوں رانوں کے بیچ میں کر دینا۔

● اور دو مقتدی ہوں تو امام کا دونوں کے برابر بیچ میں کھڑا ہونا۔

● گھر میں جماعت سے نماز پڑھے تو بغیر اذان واقامت کے پڑھنا، جیسا کہ صحیح مسلم اور اس کی شرح نووی۔ ص ۲۰۲۔ ج ۱ مجلسِ برکات، مبارک پور میں ہے۔

اور اِس طرح کے مسائل بہت ہیں جو مذاہبِ فقہا کا مطالعہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ ۱۲ نظام غُفِرَ لَہٗ۔

(حاشیہ ص ۲۸ وص ۲۹۔ ''مسلکِ اہلِ سُنَّت کی مترادف اصطلاح! مسلکِ اعلیٰ حضرت'' مؤلّفہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی۔ مطبوعہ مبارک پور۔ طبع اول۔ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء)

مقلّدینِ ائمۂ اربعہ اور اصحابِ تصوف جو اہلِ سُنَّت وجماعت ہیں وہ دنیا کے جس کے گوشے میں آباد ہیں، حکماً ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کے متبعین میں شامل ہوں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اِس اصطلاح کا دائرہ اور حلقہ محدود ہے، اِس لئے کسی ایسے ملک ومقام کے سنّی حضرات سے اِس کے استعمال کا مطالبہ ہی بے جا ہوگا جہاں کے لوگ اِس اصطلاح سے واقف ہی نہیں ہیں۔ اور واقف ہونے کے بعد بھی اِس کا استعمال کوئی فرض وواجبِ شرعی نہیں ہے۔

''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کے عنوان سے نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند، شارحِ بخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی، سابق صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا ایک مضمون ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ اپریل ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا تھا۔

اِسی طرح استاذِ گرامی، بحر العلوم، مفتی عبد المنان اعظمی، سابق شیخ الحدیث دارُ العلوم اشرفیہ، مبارک پور کا ایک جامع مضمون شائع ہوا جسے مختلف مجلّات وکتب میں نقل کیا گیا۔

مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی، صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا مضمون اِسی موضوع پر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے شمارہ جولائی ۲۰۰۳ء اور شمارہ اپریل ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔

مزید برآں دیگر عُلماے اشرفیہ مبارک پور کی تحریرات بھی مدتوں سے ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کی تائید وحمایت میں شائع ہورہی ہیں۔

اس موقع پر نسبت کا ایک اور پہلو واضح رہے کہ ''رضویت اور رضوی'' کی نسبت، اہلِ سُنَّت کے ایک سلسلۂ بیعت کی طرف ہے۔ ہند وپاک کا ہر رضوی، یہی جانتا اور سمجھتا ہے۔

دنیا میں کہیں بھی کوئی سنّی اِس رضوی نسبت کو سنّی کا ہم معنی اور مترادف کبھی نہیں سمجھتا۔ رضوی

کا جہاں بھی استعمال ہوتا ہے اُس سے ہر سنّی اور ہر رضوی، یہی سمجھتا ہے کہ یہ سلسلۂ عالیہ رضویہ کی طرف نسبت ہے۔ جو سلسلۂ عالیہ برکاتیہ قادریہ، مارہرہ مطہّرہ کی ایک شاخِ ثمر بار ہے۔

اب ایسی صورت میں اس نسبتِ رضوی پر جبر و اکراہ کرتے ہوئے اس کا کوئی نیا مفہوم و معنی، مراد لینا اور اسے سنّی کا مترادف سمجھنا، سمجھانا کہ جو رضوی نہیں وہ سنّی نہیں، اسے ''ایجادِ بندہ'' کے سوا کچھ اور نہیں سمجھا جائے گا۔ اور یہ ''ایجادِ بندہ'' غلط اور نہایت غلط ہے۔

ابھی ''توضیحات وہدایات'' میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ فروعی فقہی مسائل میں فُقہا و مفتیانِ اَحناف کا علمی و تحقیقی اختلاف کوئی اَمرِ معیوب و مذموم نہیں۔

یہ صدیوں کا مسلّمہ و متفقہ اصول ہے۔ اور صِرف، فُقہا و مفتیانِ اَحناف کا باہمی اختلاف نہیں بلکہ صدیوں قدیم فقہی کتب میں جابجا اَحناف و شوافع کا اختلاف جہاں مذکور ہے، وہاں آپ کو صرف یہ لکھا ہوا ملے گا کہ: **خِلافاً لِلشَّافِعی**۔

اس کے بعد کتبِ فقہِ حنفی میں حنفی دلائل کی تقویت اور حنفی مذہب کی ترجیح کے اسباب، مذکور ہوتے ہیں۔ بحث صرف دلائل کی قوت و ضعف پر ہوتی ہے۔

کہیں بھی امام شافعی یا فُقہا و مفتیانِ شوافع کی ذاتیات پر کوئی حملہ اور کوئی طَعن و تشنیع نہیں، کوئی تجہیل و تحمیق نہیں۔ صدیوں سے یہی طریقۂ علم و فضل رائج رہا کہ بحث کا محور علمی و فقہی رہا۔

اب پندرہویں صدی ہجری کے ''بعض مولویانِ ہند و پاک'' کی یہ ''بدعتِ سیئہ'' ہے کہ وہ:

دلائل و اسبابِ ترجیح سے کم اور طَعن و تشنیع و تجہیل و تحمیق سے زیادہ دل چسپی رکھنے لگے ہیں۔''

یہ طریقہ صرف غلط ہی نہیں بلکہ فقہ و اُصولِ فقہ کی تضحیک و تمسخر کے سوا کچھ نہیں۔ اور ایسی حرکت کرنے والا شخص، فقیہ و مفتی نہیں بلکہ عالمِ دین کہے جانے کے بھی لائق نہیں ہے۔

امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کی دینی و علمی و فقہی خدماتِ جلیلہ، بے حد وقیع و ممتاز ہیں اور عشق و محبتِ رسول کا پیغام، عام کرنے میں آپ کی پوری زندگی گذری۔

اور جب بعض حلقوں سے عقائد و معمولاتِ اہلِ سُنَّت کے خلاف آواز اُٹھی، تقدیسِ اُلُوہیّت اور عظمتِ رسالت کے خلاف ناپاک حملے شروع ہوئے تو آپ نے اُن کے خلاف مسلسل قلمی جہاد کر کے ان حملوں کو پسپا کیا اور ان کا رُخ موڑ دیا۔

فِرَقِ باطلہ کی تردید و اِبطال میں آپ کے سیکڑوں فتاویٰ آج بھی ہمارے سامنے کہیں فتاویٰ کہیں رسائل کی شکل میں موجود ہیں۔

اس کے ساتھ ہی آپ نے جن پانچ (۵) افراد کی نامزد تکفیر اُن کے عقائدِ کفریہ کی بنیاد پر کی ہے جس کی تفصیل **حُسَامُ الْحَرَمَین عَلٰی مَنْحَرِ الکُفْرِ والْمَین** (۱۳۲۴ھ) مطبوعہ بریلی وغیرہ میں مسطور و مذکور ہے اور عُلماے عرب و عجم نے اس تکفیر کی تصدیق کی ہے۔ یہی اصل بنیاد ہے اصطلاح ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کی، اور یہی اس کی اِفادیت کی اصل وجہ بھی ہے۔ ورنہ عقائد و معمولاتِ اہلِ سُنَّت و جماعت وہی قدیم ہیں جو صدیوں سے مسلسل و متواتر و متوارث چلے آرہے ہیں۔

تحذیر الناس و براہینِ قاطعہ وحفظ الایمان کی بعض صریح عبارات کا کفرِ صریح ہونا اور ان کی بنیاد پر ان کے مؤلّفین و مُصدِّقین کی تکفیر کیا جانا، یہ دونوں اُمور (یعنی بعض بدنصیب افراد کی طرف سے کفر وضلال کا صُدور اور ان کے خلاف عُلما و فُقہا کی طرف سے شرعی مؤاخذہ) بھی قدیم اصول و ضوابط کے مطابق ہی ہیں۔ امام احمد رضا نے ان کفریات کو طشت از بام کر کے اُن کے خلاف شرعی مؤاخذہ کیا اور ان کے قائلین کے خلاف، حکمِ شرع عائد کرتے ہوئے اُن کی تکفیر کی۔

گویا عقائد و معمولاتِ اہلِ سُنَّت کی تصدیق و توثیق کے ساتھ اِسی مسئلۂ تکفیر کی تصدیق و تائید، اصل مقصود ہے اِس اصطلاح ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کی ترویج سے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اہلِ سُنَّت کے سبھی عقائد و معمولات، متوارث و قدیم ہیں اور صدیوں سے نسلاً بعد نسلٍ چلے آرہے ہیں۔

اور آئندہ اگر نئے حوادِث و وَقائع و اَحوال ایسے پیدا ہوں کہ اُس دَور کے ایک یا چند عُلما اُن کی بیخ کنی میں نمایاں کردار ادا کریں تو اُس دَور کے لئے وہی ''معیارِ سُنّیت'' قرار پائیں گے۔ اور مسلک کی اضافت ان کی طرف کی جاسکتی ہے۔ بلکہ انھیں کی طرف کی جائے گی۔

یہاں یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ:

خانقاہِ قادریہ برکاتیہ مجیدیہ، بدایوں شریف اور خانقاہِ قادریہ برکاتیہ رضویہ، بریلی شریف، دونوں کے بانیان واکابرِ سلسلہ کو سادات ومشائخِ مارہرہ مطہّرہ کی بارگاہ میں درجۂ اعتبار وسندِ قبول حاصل ہے۔

اپنے ایک رسالہ ''سوادِ اعظم'' جس کی متعدد اِشاعتیں، مختلف مقامات سے ہوچکی ہیں، اُس کے تہدیہ میں راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) نے لکھا ہے کہ:

(۱) خلیفۂ شمسِ مارہرہ، حضرت مولانا شاہ عینُ الحق عبدالمجید قادری برکاتی بدایونی (وصال محرمُ الحرام ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ۔

جن کے بارے میں آپ کے مُرشدِ برحق، شمس العارفین، حضرت سید شاہ آلِ احمد اچھے میاں قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ نے ارشاد فرمایا کہ:

حضرت نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمایا تھا کہ:

خداوند تعالیٰ نے اگر مجھ سے پوچھا کہ:

''نظام الدین! میرے لئے دنیا سے کیا لایا ہے؟''

تو مَیں اس اَوَدھی نوجوان، نصیر الدین محمود (چراغ دہلی) کو پیش کردوں گا۔''

اِسی طرح آلِ احمد سے بروزِ قیامت اگر سوال ہوا:

تو مولوی عبدالمجید بدایونی کو پیش کردوں گا۔''

(۲) چشم وچراغِ خاندانِ برکات، فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۲۵؍صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) فرزندِ گرامی، حضرت مولانا نقی علی قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) قُدِّسَ سِرُّھُمَا۔

جن کے بارے میں آپ کے مُرشدِ برحق، خاتم الاکابر، سید شاہ آلِ رسول احمدی قادری برکاتی مارہروی (وصال ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ نے ارشاد فرمایا کہ:

''اگر خدائے بزرگ وبرتر نے قیامت کے روز مجھ سے سوال فرمایا کہ:

آلِ رسول! میرے لئے کیا لائے ہو؟

تو مولوی احمد رضا کو پیش کردوں گا۔''

(تہدیہ ''سوادِ اعظم'' از یٰسٓ اختر مصباحی۔ مطبوعہ ہند وپاک)

''تذکرۂ نوری'' طبعِ جدید کی تقریظ میں شرفِ مِلّت، حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی مارہروی دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ العَالِیہ تحریر فرماتے ہیں:

''مارہرہ مطہّرہ سے نعمتوں کا یہ سلسلہ، شمسِ مارہرہ کے وقت میں بدایوں شریف گیا۔ اور حضرت خاتم الاکابر کے وقت میں بریلی شریف پہنچا۔ اور کچھ بعد میں حضرت اشرفی میاں نانا (کچھوچھوی) کے حوالہ سے کچھوچھہ مقدسہ پہنچا۔

بدایوں کا ''مولوی'' یعنی حضرت عینُ الحق عبدالمجید جب بیعت ہوئے اور مُرشد کے ہاتھوں جب دل کا سَودا کرلیا تو اس کے بعد کسی بازار کا رُخ نہ کیا۔

بازار تو ایک طرف، پھر تو اپنے گھر جانے پر بھی راضی نہ ہوتے تھے۔ البتّہ جب ان کی متأہّلانہ زندگی شروع ہوئی تب شمسِ مارہرہ نے انھیں حُکماً، گھر (بدایوں) جانے کو کہا۔

بریلی سے بائیس (۲۲) برس کا نوجوان اپنے محترم والد کے ساتھ مارہرہ مطہّرہ کی چوکھٹ پر آیا تو مُریدی اور خلافت کے ساتھ علم وروحانیت کی دولت دے کر رخصت کیا گیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کو دین کی عظیم خدمت کرنے کی روحانی طاقت اُسی پہلے لَمس میں محسوس ہوئی ہوگی جب مُرید اپنا ہاتھ اپنے مُرشد کے ہاتھ میں پہلی بار، دیتا ہے۔

حضرت اشرفی میاں نانا (کچھوچھوی) مارہرہ تشریف لاتے ہیں اور گذارش فرماتے ہیں کہ: مجھے آپ کے خاندان کی کچھ مخصوص اجازتوں کی طلب ہے۔''

مُرشد نے فرمایا: ابھی وقت آنے دو۔''

اشرفی نانا، ملول ہوکر رخصت ہوتے ہیں۔

مُرشد کو یہ کہاں گوارا تھا۔ مولانا روم یاد آگئے ہوں گے۔ ع

تو برائے وصل کردن آمدی

پیغام بھیج کر واپس بلایا۔ فرمایا: آؤ تمہارے لئے ہم محفل سجائے منتظر ہیں۔''

اشرفی میاں نانا آئے اور اپنا حصہ لے کر سرشار واپس ہوگئے۔

حضرت اشرفی میاں نانا کا یہ سفر، مارہرہ اور کچھوچھہ، دونوں کے رشتے کی استواری کی بنیاد کا مضبوط پتھر تھا۔

صاحبُ البرکات (حضرت سید شاہ برکتُ اللہ قادری مارہروی) کے گھرانے، نے علم واہلِ علم اور طریقت واہلِ طریقت کو جوڑنے اور جوڑے رکھنے کا حسین وجمیل قرینہ وضع کیا تھا جس کے نتیجے میں دنیا نے دیکھا کہ اس خانقاہ کے عظیم خُلفا کے ہاتھوں پر ایک عالَم نے سَودا کر رکھا ہے۔

یہ حضرات، بلاتشبیہ مجسّم سونا تھے۔ نسبت ملی تو کندن بن گئے۔ اور جب عقیدت ومحبت بڑھی تو پارس بن گئے کہ جس کو چھولیں وہ سونا بن جائے۔

بعد کے بزرگوں میں نورُ العارفین، حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری ملقّب بہ میاں صاحب قبلہ کی ذات ایسی مَرجِع خلائق تھی اور شخصیت میں ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ جسے دیکھیے اُن کے پاس کھنچا چلا آ رہا ہے۔ ع

وہ مَردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ

(ص ۱۴ وص ۱۵۔ تقریظ۔ بقلم سید محمد اشرف قادری برکاتی مارہروی ''تذکرۂ نوری'' بقلم مولانا غلام شبّر قادری برکاتی بدایونی۔ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ رجب ۱۴۳۴ھ/مئی ۲۰۱۳ء)

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ اور آپ کی طرف منسوب ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' دونوں، بارگاہِ برکات وآلِ برکات وسجادگان ومحبوبانِ بارگاہِ برکات میں مقبول ہیں اور انھیں خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہّرہ سے سندِ قبول حاصل ہے۔

سیدُ العلما، حضرت مولانا سید شاہ آلِ مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) ارشاد فرماتے ہیں:

حفظِ ناموسِ رسالت کا جو ذِمّہ دار ہے
یا اِلٰہی! مسلکِ احمد رضا خاں، زندہ باد

شرفِ مِلّت، حضرت سید شاہ محمد اشرف قادری برکاتی مارہروی دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیَہ کی ایک تالیف ''یادِ حَسَن'' اِس وقت پیشِ نظر ہے جو حضرت احسنُ العلما، سید شاہ حیدر حَسَن قادری برکاتی مارہروی (وصال شبِ سہ شنبہ ۱۵/ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ/ ۱۱/ستمبر ۱۹۹۵ء) کی اِجمالی

سوانحِ حیات ہے۔ اس سے ماخوذ کچھ دستاویزی حقائق حاضرِ خدمت کیے جا رہے ہیں جو اِس سلسلے میں معزّز قارئین کی ہدایت کے لئے کافی ہیں۔

تاجُ العُلما، حضرت مولانا سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۳۷۵ھ) نے احسنُ العلما، حضرت مولانا سید شاہ مصطفیٰ حیدر حَسَن قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء) کو جو خلافت نامہ عطا فرمایا تھا اُسے شرفِ مِلّت نے ''یادِ حَسَن'' کے ص ۲۵ تا ص ۲۷ پر دَرج کر دیا ہے۔ اِس خلافت نامہ (محرَّرہ ۲۹ محرم۔ ۱۳۶۲ھ) کے آخر میں اِس مضمون کی تحریر ہے کہ:

''جُملہ کفّار ومُشرکین ومُرتدین ومُبتدِعین کے رَدّ وطَرد کو اپنا شِعار بنائیں۔ ظاہر وباطن کو احکامِ شریعت وآدابِ طریقت سے آراستہ کریں۔

اور عقائدِ قدیم مذہبِ مہذّب اہلِ سُنّت پر اس خاندانِ عالی کے اکابر کی کتب وتحریرات، مثل سبعِ سنابل وبہجۃ الاسرار وتصانیفِ عُلماے اہلِ سُنّت وتصانیفِ اعلیٰ حضرت، مجدّدِ دین ومِلّت، وعقائد نامۂ منظومہ از سید شاہ غلام محی الدین فقیرِ عالم ومفاوضاتِ طیبہ وشوکتِ اسلام وغیرہ تصانیفِ مُرشدِ برحق سید شاہ محمد اسمٰعیل حَسَن قُدِّسَ سِرُّھُمُ الْعَزِیْز وخطبۂ صدارت جماعتِ انصارُ الاسلام وغلبۂ فئہ قلیلہ الٰہیہ وغیرہ تحریراتِ فقیرِ حقیر سے ظاہر وروشن ہیں، اُن پر مضبوطی ویک سوئی سے قائم رہیں۔ اور اسی پر اپنی اِتباع والوں اور مُسترشِدین کو قائم رکھنے میں حتی الوسع، ساعی رہیں۔''

فقیر اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی ابوالقاسمی غُفِرَ لَہٗ۔ بِقَلَمِہٖ۔

(ملخصاً از ص ۲۵ تا ص ۲۷۔ یادِ حَسَن۔ مؤلّفہ سید محمد اشرف قادری برکاتی مارہروی۔ مطبوعہ برکاتی دارُ الاشاعت، خانقاہِ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہّرہ۔ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء)

حضرت اَحسنُ العُلما مارہروی نے زندگی بھر اِن ہدایات ونصائحِ مبارکہ پر عمل کیا۔ مرضِ وصال کی وصیت میں بھی اس کا پورا خیال رکھا۔ جیسا کہ حضرت شرفِ مِلّت تحریر فرماتے ہیں:

''وصال سے چند روز قبل اپنے بیٹوں کو وصیت کی:

''میرا کوئی مُرید، اگر ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' سے ہٹ جائے تو پھر مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔''

وہ اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو مذہبِ مہذّب اہلِ سُنّت کے بزرگوں کی تعلیمات کا ایک روشن باب سمجھتے تھے۔ اور وقتِ وصال بھی انھیں اندازہ تھا کہ:

اُن کے مُرید تک جب یہ وصیت پہنچے گی تو وہ یہ سمجھ لے گا کہ اعلیٰ حضرت، عظیمُ البرکت کی تعلیمات ''خاندانِ برکات'' کی ہی تعلیمات ہیں۔'' (ص ۲۷۔ یادِ حَسَن)

''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' سے اُن (احسنُ العلما) کا لگاؤ اِس قدر گہرا تھا کہ اپنے وصال سے کچھ دن پہلے انھوں نے اپنے بیٹوں کو اپنی جائداد کے بارے میں نہیں بلکہ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کے تحفظ اور ترویج کی وصیت کی۔

وہ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کو اُسوۂ صحابہ، ارشاداتِ امامِ اعظم، طرزِ غوثِ پاک اور طریقۂ صاحبُ البرکات سے جُدا تصور نہیں کرتے تھے۔'' (ص ۶۔ یادِ حَسَن)

''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کی اَساس، اُلفتِ رسول اور عظمتِ رسول پر قائم ہے۔ اسی لئے تو حضور احسنُ العُلما علَیہِ الرَّحْمَۃ نے وقتِ آخر سے دو تین روز پہلے اپنے بچوں کو جو وصیت کی وہ یہ ہے:

''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' پر مضبوطی سے ڈٹے رہنا۔ میرا جو مُرید اِس مسلک سے ہٹ جائے۔ مَیں اس کا ذِمّہ دار نہیں ہوں۔''

وہ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کو عشقِ رسول، عظمتِ نبی اور اپنے بزرگوں کے اَقوال سے جُدا نہیں جانتے تھے۔

خدا گواہ ہے کہ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کا نعرۂ شیرانہ، جس دلیری، اِستقامت، مداوَمت اور تسلسل سے خانوادۂ برکات کے اِن دو بزرگوں یعنی حضور سیدُ العُلما علَیہِ

الرَّحْمَۃ اور حضور احسنُ العُلما علَیہِ الرَّحْمَۃ نے لگایا اُس کی سعادت اُن کے زمانے میں شاید ہی کسی دوسرے کے حصے میں آئی ہو۔

دراصل ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کے پردے میں وہ اُلفتِ رسول کا نعرہ لگاتے تھے اور عظمتِ نبی کا پرچار کرتے تھے۔'' (ص ۱۲۱۔ یادِ حَسَن۔ مؤلّفہ سید محمد اشرف قادری برکاتی مارہروی)

حضرت احسنُ العلما کی مذکورہ وصیت اپنے صاحب زادگان کو اور ان کے ذریعہ جملہ مُریدین و مخلصین بلکہ عامّۂ اہلِ سُنّت کو بھی تھی۔ اور وصال سے دو ہفتہ پہلے بھی حضرت احسنُ العُلما نے حضرت علاّمہ ارشد القادری کو (بوقتِ ملاقات بتاریخ ۲۴؍ اگست ۱۹۹۵ء در ''جے بی پنت ہاسپٹل'' نئی دہلی) بموجودگی امینِ مِلّت، حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی مارہروی و ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم قادری برکاتی، ٹھیک اسی طرح وصیت فرمائی۔ جیسا کہ حضرت علاّمہ تحریر فرماتے ہیں:

.........اس کے بعد حضرت احسنُ العُلما نے اس کمترین کو اپنی دعاؤں اور حوصلہ اَفزا کلمات سے سرفراز کیا۔ دَمِ رخصت ارشاد فرمایا: ''مسلکِ اعلیٰ حضرت پر ڈٹے رہیے۔''

آج سوچتا ہوں تو کلیجہ پھٹنے لگتا ہے کہ:

اُن (احسنُ العلما) کے ایمان کی حِس کتنی بیدار تھی کہ موت کا فرشتہ ان کے سرہانے کھڑا تھا اور اس عالَم میں بھی انھیں اپنے خاندان کی نہیں، صرف ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کی فکر، دامن گیر تھی۔

اعلیٰ حضرت! ناز کرو اپنے مقدّر پر کہ تمہارے ''عشقِ رسول'' کے احترام میں خانوادۂ نبوت کا ایک فرزندِ جلیل، تمہاری یاد کو اپنے کفن میں چھپا کر لے گیا۔

ہزاروں رحمتیں نازل ہوں تم پر بھی اور عالَمِ جاوید کے اس فیروزمند مسافر پر بھی جس کا عشق، موت کی ہچکیوں میں بھی زندہ سلامت رہا۔'' (ص ۲۵۴۔ یادِ حَسَن)

اپنے وصال سے تقریباً پانچ (۵) سال پیشتر، منشی عبدالقدیر خاں قادری برکاتی مرحوم و مغفور کو حضرت احسنُ العُلما نے خلافت عطا فرمائی۔ اُس وقت کی ہدایت و نصیحت کا ذکر کرتے ہوئے منشی عبدالقدیر عُرف پھول خاں قادری برکاتی مرحوم و مغفور لکھتے ہیں:

''خلافت ۲۷؍ شعبان ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۵؍ مارچ ۱۹۹۰ء میں مُرشدانِ کالپی شریف کے عُرس میں کالپی شریف میں عطا ہوئی۔

خلافت نامہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

میری نصیحت ووصیت ہے کہ:

دینِ اسلام قدیم ومذہبِ مہذّب اہلِ سُنَّت قدیم پر حتّی الوسع نہایت مضبوطی سے خود بھی ثابت قدم رہیں اور اپنے دَست گرفتگان کو بھی اسی لائحۂ عمل پر چلنے کی تعلیم، قولاً وفعلاً دیتے رہیں۔ اپنے ظاہر وباطن کو حتّی الامکان اَحکامِ شریعت سے آراستہ اور پیراستہ رکھیں۔

دِکھاوے اور نمائشی نام ونمود سے علیٰحدہ اور بے زار رَہیں۔

جُملہ بدمذہبوں کا رَدّ وطَرد اپنے اِمکان بھر کرتے رہیں۔ اس کو اپنا شِعار بنانے کی کوشش کریں۔'' الخ (ص ۲۷۹۔ یادِ حَسَن۔ مطبوعہ برکاتی دارُالاشاعت، مارہرہ مطہّرہ)

خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہّرہ کے مستند ومقبول مذہبِ مہذّب اہلِ سُنَّت اور اصطلاحِ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' جس کے ذریعہ، خصوصی طور پر ترجمانی ونمائندگی ہے، سُنَّتِ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ومذہبِ امامِ اعظم ابوحنیفہ وطریقتِ غوثِ اعظم سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی ومسلک وطریقتِ صاحبُ البرکات سیدشاہ برکت اللّٰہ قادری مارہروی کی، وہی مذہب ومسلک، متحدہ ہندوستان کے سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کے نزدیک بھی مقبول ومحبوب ہے۔ اور اسے ہی اختیار کرنا اور لازم پکڑنا چاہیے۔

اور حسبِ نصیحت ووصیتِ حضرت احسنُ العُلما:

''دِکھاوے اور نمائشی نام ونمود سے علیٰحدہ اور بیزار رَہیں۔''

(ص ۲۷۹۔ یادِ حَسَن۔ مؤلّفہ سید محمد اشرف قادری برکاتی۔ مطبوعہ برکاتی دارُالاشاعت، مارہرہ مطہّرہ۔ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء)

''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کے سلسلے میں اپنی کسی ذاتی خواہش ونمائش سے سخت پرہیز کرنا، لازم ہے۔ اور ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کا نام لے کر اس کے کسی اصول وضابطہ کی خلاف ورزی کرنا اور نفسانیت کے زیرِ اثر کچھ کرنا، بولنا، لکھنا، شرعاً سخت معیوب ومذموم ہے۔ جس کا اِرتکاب آج کل بعض لوگوں کی طرف سے سننے دیکھنے میں

آرہا ہے، مثلاً:

(۱) فسقِ عمل اور فسقِ عقیدہ کا فرق وامتیاز ملحوظ نہ رکھتے ہوئے کسی صحیح العقیدہ سُنّی مسلمان کو ''صلحِ کلّی'' کہنا۔ اور اُس سے اسی بنیاد پر نفرت وبے زاری کا اظہار کرنا۔

جب کہ امام اہلِ سُنَّت، مجدّدِ دین ومِلَّت، مولانا الشاہ احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فتاویٰ رضویہ (ص ۲۸۷ وص ۲۸۸۔ جلد نہم، نصف آخر۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی) میں ایک اِستفتا کا جواب دیتے ہوئے اُس عَمر و کو ''سُنّی مسلمان'' تحریر فرمایا ہے:

جو، زید، وہابی کافرِ مُرتد کے مکان پر آتا جاتا اور اس سے ہم کلام ہوتا ہے اور اس کے یہاں کھاتا پیتا ہے۔ لیکن زید مذکور کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا اور نہ مناکحت کرتا ہے۔ بلکہ اس سے عقیدۃً نفرت رکھتا ہے اور اس کے کفر میں شک نہیں کرتا۔''

البتّہ اس عَمر و کو فاسق وگنہگار تحریر فرمایا ہے۔ کیوں کہ وہ ایک مُرتد سے میل جول رکھتا ہے۔

(۲) شرعی وفقہی ضابطہ یہ ہے کہ:

فسقِ عملی، موجبِ فسق وگناہ۔ اور فسقِ اعتقادی، موجبِ بدمذہبی وگمراہی ہے۔

ایسی صورت میں فسقِ عملی کے کسی مُرتکب سُنّی کو اگر کوئی شخص صلحِ کلّی بمعنی بدمذہب کہتا ہے تو وہ خود ضابطہ شکنی کر کے شرعی مؤاخذہ کا اپنے آپ کو مستحق بنا رہا ہے۔ اور مذہبِ اہلِ سُنَّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت کی صریح خلاف ورزی کر رہا ہے۔

اور جب فسقِ عمل کے مُرتکب کو امامِ اہلِ سُنَّت قُدِّسَ سِرُّہٗ نے محض، فاسق گنہگار کہا ہے تو آج کے کسی مولوی کو یہ کیسے اور کہاں سے اختیار مل گیا کہ وہ کسی فاسقُ العمل ''سُنّی مسلمان'' کو ''صلحِ کلّی'' کہے؟

بڑی بے باکی سے بعض لوگ آج کل یہ کہتے نظر آرہے ہیں کہ:

ہم صلحِ کُلِّیت کی نسبت کسی سنّی کی طرف کرتے ہیں تو اس سے مُراد، فسقِ عملی ہے، فسقِ اعتقادی نہیں ہے۔''

کیا ایسے لوگ یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ:

اسلاف و اکابر اہلِ سُنّت میں سے کس نے اور کہاں اِس طرح کسی سنّی کو صلح کلّی کہا ہے؟

اور جب فسقِ عملی کے مُرتکب کی طرف، فقیہِ اسلام، امام احمد رضا نے بد مذہبی و صلح کلّیت کی کوئی نسبت نہیں فرمائی ہے تو آج کے کسی مولوی کو اِس ''ایجادِ بندہ'' کی کیا ضرورت پیش آگئی؟

کیا اپنا شوق پورا کرنے کے لئے انھیں ایسی کوئی سَند ہاتھ آگئی ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی اصطلاح کا کوئی مفہوم و مراد، وضع کرلیں اور کسی بھی سنّی پر اسے چسپاں کردیں؟

حدیثِ نبوی میں منافق کی بیان کردہ علامتوں میں سے چند علامتیں یہ بتلائی گئی ہیں:

(۱) امانت میں خیانت (۲) بحث وتکرار کے وقت بدکلامی وبدزبانی (۳) وعدہ خلافی، وبدعہدی۔

کیا صلحِ کلّیت کے اپنے وضع کردہ مفہوم و مراد کی تشہیر کرنے والے مولوی، نفاقِ عملی کے مُرتکب کے بارے میں بھی اِس کی اجازت دیں گے کہ جس شخص یا جس مولوی کے اندر، مذکورہ علامات میں سے کوئی علامت پائی جائے اسے کوئی شخص اپنی تحریر وتقریر میں بے دھڑک ''منافق'' کہہ کر اُس کے نفاق کی تشہیر کرتا رہے اور جب کوئی اس کے بارے میں سوال کرے تو وہ یہ جواب دے دیا کرے کہ:

میں اِس سے منافقِ عملی مراد لیتا ہوں، منافقِ اعتقادی نہیں مراد لیتا۔''

صَدرِ اوّل میں خوارج ومُعتزلہ، دو فرقے پیدا ہوئے تھے اور پھر ان کے اندر بھی فرقہ دَر فرقہ کئی درجن فرقے ہوگئے تھے۔

سب سے پہلا مُعتزلی، واصل بن عطا (متولد ۸۰ھ متوفی ۱۳۱ھ) تھا۔ مُرتکبِ کبائر کے بارے میں اس کا قول اور مسلک یہ تھا کہ:

''گناہِ کبیرہ کرنے والا شخص، نہ مومن ہے نہ کافر۔ مُرتکبِ کبیرہ کے لئے مَنْزِلَۃٌ بَیْنَ الْمَنْزِلَتَین ہے کہ وہ ایمان وکفر کے درمیان معلّق ہے۔''

اس سے پہلے کی بات ہے کہ حضرت علیِ مرتضیٰ وحضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمَا نے جب جنگِ صفّین سے پہلے مصالحت کے لئے اپنا اپنا حَکَم مقرر کیا تو ایک جماعت جس

کی تعداد بارہ ہزار تھی اس نے یہ کہہ کر حضرت علی پر خُروج کیا کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ حُکم تو صرف اللہ کا ہے۔'' ایسی صورت میں علی نے کسی انسان کو حَکَم کیوں مانا؟ یہ تحکیم، کفر ہے۔

حضرت علیِ مرتضیٰ نے ابوموسیٰ اَشعری کو اور حضرت امیر معاویہ نے عَمرو بن عاص کو اپنی اپنی جانب سے حَکَم مقرر کیا تھا۔ اسی مسئلۂ تحکیم کو بنیاد بنا کر خارجی فرقہ وجود میں آیا۔ اور یہ وہ فرقہ ہے جس نے سب سے پہلے خروج کر کے اُمّتِ مسلمہ و جماعتِ مسلمین سے اپنے آپ کو علیٰحدہ کیا۔

خوارج کے فرقۂ اباضیہ (عبداللہ بن اباض متوفی ۸۶ھ بانیِ فرقۂ اباضیہ) کا مسلک وعقیدہ ہے کہ:

''گناہِ کبیرہ کرنے والا شخص، موَحِّد تو ہے مگر مومن نہیں۔''

خوارج کا ایک فرقہ یزیدیہ ہے جس کا مسلک وعقیدہ ہے کہ:

ہر گناہ، خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، شرک ہے۔''

کسی سُنّی کو صلح کلّی کہنے والا شخص یکلخت خارجی یا معتزلی تو نہیں قرار دیا جائے گا۔ مگر اس کی ذہنیت اور رَوِش کچھ ایسی ہی باقی اور جاری رہی تو اس کا امکان ضرور پایا جاتا ہے کہ خدانخواستہ وہ انھیں دونوں میں سے کسی ایک کے زُمرے میں کسی حیثیت سے کبھی شامل ہوجائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تعالیٰ۔

(۳) روابط وتعلقات کے باب میں شرعی وفقہی ضابطہ ہے کہ:

(الف) کسی کافر وبدمذہب اور فاسق وفاجر سے دوستانہ میل جول، ناجائز ہے۔

(ب) اِنفرادی یا اجتماعی ضرورت وحاجت ومصلحت کے تحت، موَدَّت وموالات کے بغیر ملاقات وگفتگو اور اسی طرح کا کوئی عمل، مشروط ومحدود دائرے میں مباح اور جائز ہے۔

(ج) مشترکہ اُمور ومعاملات کے حل کے سلسلے میں کسی مخلوط اجلاس، کانفرس، میٹنگ میں اُن عُلما کی شرکت، حسبِ ضرورت وحاجت ومصلحت، جائز ہے جو مستند ومعتمد ہونے کے ساتھ بیدار مغز، معاملہ فہم، موَثر ومقتدر اور اپنے موقف ومسلک کے اِظہار واِثبات کی مطلوبہ صلاحیت کے حامل اور اہلِ سُنّت وجماعت کی باوقار نمائندگی کے اہل ہوں۔

یہ اصول وضوابط، مسلّماتِ مذہبِ اہلِ سُنّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت سے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار، محض جہالت وکج فکری اور کج رَوِی ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہ پہلے مرحلے میں ''پیغامِ عمل'' نے اور دوسرے مرحلے میں ''عرفانِ

مذہب ومسلک'' نے مذہب اہلِ سُنّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت کے اِن مسلّمہ حقائق کو مدلّل ومستند طور پر پیش کر کے بہت سے لوگوں کی جہالت یا تذبذب یا اِنکار کا بخوبی اِزالہ وعلاج کر دیا ہے۔

اہلِ سُنّت نے دیا ہے جو بھی ''پیغامِ عمل''
ہے حقیقت میں وہی ''پیغامِ حق'' ''راہِ عمل''
رُشد واِرشاد وہدایت کا ہے اسلامی پیام
علم وفضل وفکر ودانش، ہے یہ ''پیغامِ عمل''

حجۃ الاسلام، مولانا شاہ محمد حامد رضا قادری برکاتی بریلوی (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) خلفِ اکبر، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے اپنے رسالہ مَظَاھِرُ الْحَقِّ الْاَجْلیٰ (مطبوعہ ۱۹۴۰ء) میں تحریر فرمایا ہے کہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی لکھنوی کی دعوت پر اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ نے مجھے اور اپنے بعض دیگر خُلفاے کرام کو لکھنؤ کی اُس مِٹنگ میں شرکت کے لئے بھیجا تھا جس کے دعوت نامہ ہی میں روافض ووہابیہ کی شرکت کا ذکر تھا۔

حضرت حجۃ الاسلام کی یہ تحریر ''فتاویٰ حامدیہ'' مطبوعہ بریلی (ص ۴۲۴ تا ص ۴۴۶) میں بھی شامل ہے۔ اور یہ واقعہ ۱۹۱۷ء کا، یعنی امام احمد رضا کے وصال (۱۹۲۱ء) سے چار، ساڑھے چار سال پہلے کا ہے۔

حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی (متوفی ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) کی دعوت پر فرنگی محل، لکھنؤ میں منعقد ہونے والے اجلاس کا سال (۱۹۱۷ء) خود حضرت حجۃ الاسلام کی تحریر سے واضح ہے جس کی حیثیت ایک نہایت قابلِ وثوق داخلی شہادت کی ہے۔ جیسا کہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''حضور پُر نور، اعلیٰ حضرت، رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے مجھے مولوی عبد الباری صاحب کی دعوت پر اُس جلسے میں بھیجا تھا جس کے دعوت نامے میں مولانا عبد الباری وغیرہ عُلماے فرنگی محل کے ساتھ مجتہدینِ روافض کے بھی نام تھے۔

اور یہ وہ وقت ہے جب مانٹی گو وزیر، ہندوستان آیا تھا اور سیلف گورنمنٹ کا ہندوستان میں ایک شور وغوغا مچا ہوا تھا۔

مولانا عبد الباری صاحب نے تحریر فرمایا تھا کہ:

اِس وقت اگر ہماری آواز کوئی وزن نہ رکھے گی تو دیو بندی، تمام مسلمانوں کے نمائندے بن کر اہلِ سُنّت کو مضرّت پہنچانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے۔

میرے ہمراہ، حضرت مولانا ظہور حسین رام پوری، صدر (مدرس) دارُ العلوم (منظرِ اسلام، بریلی) اور جناب مولانا رحم الٰہی صاحب (منگلوری) اور صدرُ الشریعہ، مولانا امجد علی صاحب (اعظمی رضوی)، خُلفاے اعلیٰ حضرت بھی تھے۔

اور ہمیں اُس جلسے میں جانا پڑا تھا جس میں روافض ووہابیہ بھی شریک تھے۔

تو کیا تحفظِ حقوق کے لئے، اعلیٰ حضرت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا ہمیں اجازتِ شرکت دینا عَیَاذاً بِالْمَولیٰ تعالیٰ گمراہی وفِسق کہا جاسکتا ہے؟

اور کیا ہم سب شریک ہونے والے، کسی گمراہی وفِسق کے مُرتکب ہوئے تھے؟

حاشا! اَلْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِھَا۔ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وِلکُلِّ امْرِءٍ مَانَوَیٰ۔

(رسالہ مَظَاھِرُ الْحَقِّ الْاَجْلیٰ۔ مشمولہ فتاویٰ حامدیہ۔ مطبوعہ بریلی)

ہندو پاک کے سارے مؤرخین اِس تاریخی حقیقت سے دو دو، چار کی طرح واقف ہیں کہ:

متحدہ ہندوستان میں سیلف گورنمنٹ، یعنی حکومتِ خود اختیاری کا مطالبہ، ہندوستانی زُعَما وقائدین نے ۱۹۱۷ء میں زور وشور کے ساتھ اُس وقت کی انگریزی حکومت سے کیا اور جب اِس تحریک کی شدت ووُسعت کو ہندوستان کی انگریزی حکومت نظر انداز کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہ گئی تو اُس نے اس کی طرف سنجیدگی کے ساتھ توجہ دی۔

اِسی سلسلے میں برطانیہ کا ایک انگریز وزیر، مسٹر ماٹیگو، ہندوستانی دورے پر ۱۹۱۷ء میں آیا اور ہندوستان کے متعدد زُعَما وقائدین سے ملاقات کر کے ان کا نقطۂ نظر اچھی طرح سمجھا۔ اور اپنے تجربات وتجاویز وسفارشات پر مشتمل ایک کتاب ''اصلاحاتِ ہند'' کے نام سے اس نے لکھی۔

اِسی تحریک کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ لکھنؤ میں بہ سرکردگی، حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی، ۱۹۱۷ء میں ایک نہایت اہم مٹنگ ہوئی جس میں مختلف طبقات کے نمائندہ عُلما وزُعَما وقائدین، شریک ہوئے۔

۱۹۱۷ء کی اِس میٹنگ کی شرکت کے لئے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی دعوت پر فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے اپنا ایک نمائندہ وفد لکھنؤ بھیجا جس میں حجۃ الاسلام، مولانا حامد رضا بریلوی وصدرُ الشریعہ، مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی اور حضرت مولانا ظہور حسین فاروقی رام پوری، صدرُ المدرسین دارُ العلوم منظرِ اسلام، بریلی شریف وغیرھُم جیسے اکابر عُلماے اہلِ سُنّت شامل تھے۔ اور ان سبھی حضرات نے لکھنؤ کی اس میٹنگ منعقدہ ۱۹۱۷ء میں نمایاں طور پر شرکت فرمائی۔

حضرت حجۃ الاسلام کی مذکورہ تحریر میں لکھنؤ کی جس میٹنگ کا ذِکر ہے اُس کا موضوع سیلف گورنمنٹ یعنی حکومتِ خود اختیاری ہے اور یہ واقعہ ۱۹۱۷ء کا ہے۔

اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے لکھنؤ کی پہلی ملاقات کے وقت مصافحہ نہ کرنے کا جو واقعہ ہے وہ ۱۹۲۴ء و۱۹۲۵ء میں حرَمین شریفَین پر نجدیوں کے حملہ اور بم باری سے متعلق ہے۔ جس کا تعیُّن، تاریخِ ہند کی اِس مسلَّمہ شہادت سے ہو جاتا ہے کہ تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) وتحریکِ تَرکِ موالات (۱۹۲۰ء) کے دَور میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (متوفی ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) سے کچھ لغزشیں ہو گئی تھیں جن پر امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے تنبیہ وہدایت فرمائی اور اس سلسلے میں دونوں حضرات کے درمیان طویل مُراسلت بھی ہوئی جسے سیدی ومُرشِدی، حضور مفتیِ اعظمِ ہند، مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی (متوفی محرم ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) خَلفِ اصغر امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے ''اَلطَّارِیُّ الدَّارِی لِھَفَوَاتِ عبدِالباری'' کے نام سے ۱۹۲۱ء میں حَسَنی پریس، بریلی سے تین حصوں میں شائع کر دیا تھا۔

۱۹۱۹ء سے پہلے مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے اِس طرح کی کسی غلطی اور اُس پر شرعی موَاخذہ کی کوئی ادنیٰ سی بھی روایت نہیں ہے۔

امام احمد رضا کے وصال (۱۹۲۱ء) کے تقریباً چار سال بعد بھی حضرت حجۃ الاسلام مع بعض دیگر خُلفاے امام احمد رضا بریلوی، ایک اہم اجلاس میں شرکت کے لئے لکھنؤ تشریف لے گئے تھے اور آپ نے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (وصال ۱۳۴۴ھ/جنوری

۱۹۲۶ء) سے اُس وقت تک مصافحہ نہیں کیا جب تک کہ رُجوع وتصفیہ کی صورت نہ نکل آئی۔

تاریخ، شاہد ہے کہ ۱۹۲۴ء و۱۹۲۵ء میں نجدیوں نے حَرمین شریفَین پر حملہ کر کے مقاماتِ مقدسہ پر بم باری کی، جنت المعلیٰ مَکّہ مکرَّمہ وجنتُ البقیع مدینہ منورہ کے متبرک آثار ومزارات کو شہید کیا۔ جس کے نتیجے میں سارے عالَمِ اسلام میں نجدیوں کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف سے اُن کے خلاف اِحتجاج ومظاہرہ ہونے لگا۔

متحدہ ہندوستان میں بھی اس کا شدید ردِّعمل ہوا جسے منظّم کرنے میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے پیش قدمی کی اور ''خُدَّامُ الحرمین'' (تشکیل ۱۹۲۵ء) کے نام سے لکھنؤ میں ایک انجمن، قائم کر کے نجدیوں کے خلاف پورے ملک میں ایک زبردست تحریک شروع کی۔

مولانا محمد جلال الدین قادری (تحصیل کھاریاں۔ ضلع گجرات۔ صوبہ پنجاب۔ پاکستان) نے محدّث اعظم پاکستان، حضرت مولانا سردار احمد قادری رضوی لائل پوری (وصال ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) تلمیذِ صدرُ الشریعہ، مولانا محمد امجد علی اعظمی وحجۃ الاسلام، مولانا حامد رضا بریلوی ومفتیِ اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی عَلَیھِمُ الرَّحْمَۃُ والرِّضْوَان کے اَحوال وخدمات پر مشتمل اپنی مشہور سوانحی کتاب ''محدّثِ اعظم پاکستان'' (دو حصوں پر مشتمل) میں لکھا ہے کہ:

''جب نجدیوں نے مدینہ طیبہ پر بم باری کی تھی اور مقابر ومآثر کے اِنہدام کا سلسلہ شروع کیا تھا، اُس وقت لکھنؤ میں ''خُدَّامُ الحرمین'' کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی تھی جس کے سربراہ، مولانا عبدالباری فرنگی محلی (متوفی ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ تھے۔

اُس وقت مسلمانوں میں بہت زیادہ ہیجان واضطراب تھا۔ حَرمین شریفَین کی حفاظت وصیانت کے لئے ایک بڑا اِجتماع، لکھنؤ میں بلایا گیا۔ اس میں بریلی سے ''جماعتِ رضاے مصطفیٰ'' (تشکیل ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) کا، عُلما پر مشتمل بہت بڑا وفد، زیرِ قیادت حضرت حجۃ الاسلام، لکھنؤ پہنچا۔ وفد کے چند حضرات یہ تھے:

حضرت حجۃ الاسلام، مولانا حامد رضا بریلوی، حضرت مفتیِ اعظم، مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، حضرت مولانا سید محمد میاں مارہروی، حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی ودیگر اراکینِ جماعتِ رضاے مصطفیٰ، بریلی۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے لکھنؤ میں اپنے مال دار و رؤسا مُریدین و معتقِدین کے ہمراہ، حضرت حجۃ الاسلام کے شان دار اِستقبال کا اِہتمام کیا۔

جب حجۃ الاسلام، ٹرین سے اُتر رہے تھے تو مولانا عبدالباری نے مصافحہ کی کوشش کی۔ مگر آپ نے ہاتھ روک لیا اور مصافحہ نہ کیا۔ بلکہ فرمایا کہ:

''مصافحہ ہوگا۔ مگر پہلے وہ مسئلہ، شرعی طریقہ سے طے ہوجانا چاہیے جس کی وجہ سے آپ کی اور ہماری علیحدگی ہوئی ہے۔

مسئلہ طے ہونے تک آپ کے یہاں قیام نہ کروں گا۔

میرے ایک دوست یہاں پر ہیں، اُن کے یہاں میرا قیام ہوگا۔''

یہ واقعہ ایک عظیم استقبال کے موقع پر ہوا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، ناکام واپس آگئے۔ اُن کے لئے یہ صورتِ حال انتہائی ناخوش گوار تھی۔

اِس واقعہ کا پس منظر یہ تھا کہ:

تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) اور تحریکِ تَرکِ موالات (۱۹۲۰ء) کے دَور میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، ہندو لیڈر گاندھی سے بہت متأثر ہوئے۔ اُسی دَور میں اُن سے کچھ ایسے کلمات وحَرکات صادر ہوئے جو ایک مسلمان کی شان کے خلاف تھے۔

امام احمد رضا نے انھیں توجہ دلائی کہ آپ ان کلمات سے توبہ کریں۔

دونوں حضرات کے درمیان، مُراسلت جاری رہی مگر معاملہ طے نہ ہوسکا۔ اس بنا پر عُلمائے اہلِ سُنّت اُن سے خوش نہ تھے۔

مولانا عبدالباری کی ناگواری دیکھ کر صدرُ الافاضل، حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور مولانا عبدالقدیر بدایونی اُن کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ:

مولانا! آپ کو ناگوار، نہ ہو۔ اس میں ناراضی کی کوئی بات نہیں۔

چوں کہ امام احمد رضا کا شرعی فتویٰ آپ کے خلاف موجود ہے۔ آپ نے اُن کے اِنتباہ کے باوجود اپنی غیر شرعی حرکات سے (بِالکلّیہ) رجوع نہ کیا اِس لئے حضرت حجۃ الاسلام نے اِس شرعی ذِمّہ داری کی بنا پر محض، دین کی خاطر ایسا کیا ہے۔

اگر انھیں دنیا رکھنی منظور ہوتی تو لکھنؤ میں آپ کی وجاہت اور آپ کے ساتھیوں کی کثرت کو دیکھ کر ضرور آپ سے مصافحہ فرمالیتے۔ مگر انھوں نے اس کی قطعاً کوئی پروانہ کی۔ بلکہ شرعی فتویٰ کا احترام کیا اور حکمِ شرعی پر علانیہ عمل کر کے دکھایا ہے۔''

حضرت صدرُ الافاضل کی اِس تقریر پُر تاثیر کا مولانا عبدالباری پر گہرا اثر ہوا۔ انھوں نے اس سے متأثر ہو کر نہایت اِخلاص سے توبہ نامہ تحریر فرمادیا۔

جب یہ توبہ نامہ، حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مفتیِ اعظم اور اُن کے رُفقا کے پاس پہنچا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ سب کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو چھلکنے لگے۔

ادھر مولانا عبدالباری نے فوراً کاروں کا اِہتمام فرمایا اور حجۃ الاسلام، مفتیِ اعظم اور اُن کے رُفقا کو نہایت محبت واحترام کے ساتھ اپنے دارالعلوم میں لائے۔

اِس موقع پر حضرت حجۃ الاسلام اور مولانا عبدالباری کا آپس میں مصافحہ ومعانقہ ہوا تو وہ منظر نہایت ہی پُر کیف، ایمان افروز اور قابلِ دید تھا۔

حضرت حجۃ الاسلام کی اِستقامت علیٰ الشریعہ، حضرت صدرُ الافاضل کی پُر خلوص مساعی اور مولانا عبدالباری کی لِلّٰھیت نے مل کر ایک عجیب نورانی سماں باندھ دیا۔

بعد اَزاں مولانا عبدالباری کے زیرِ اہتمام محفلِ میلاد منعقد ہوئی۔ حضرت حجۃ الاسلام کے ہمراہ، دارالعلوم منظرِ اسلام، بریلی کے طالبِ علم (جو بعد میں شیخ الحدیث بنے) مولانا محمد سردار احمد بھی تھے۔

حضرت حجۃ الاسلام کے ارشاد پر حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد سردار احمد) نے مولانا عبدالباری کی خدمت میں فتاویٰ رضویہ کی جلدِ اول پیش کی۔ جسے مولانا عبدالباری نے نہایت مسرت واحترام کے ساتھ قبول کیا۔''

(الف) ص ۷، ہفت روزہ ''رضائے مصطفیٰ''، گوجرانوالہ، پنجاب (پاکستان)

شمارہ ۱۸۔ جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۷۹ھ۔

(ب) مکتوبِ حضرت مولانا تقدس علی بریلوی ۔بنام محمد جلال الدین قادری ۔محرَّرہ یکم صفر المظفر ۱۴۰۷ھ۔

(ص ۱۰۵ تا ص ۱۰۷۔ "محدثِ اعظم پاکستان" جلدِ اول۔ مؤلَّفہ مولانا محمد جلالُ الدین قادری، مطبوعہ۔ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ۔ اندرونِ لوہاری دروازہ۔ لاہور۔ طبعِ اول ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء)

مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے پہلے مرحلے میں مصافحہ نہ کرنے اور بعدِ رجوع وتصفیہ، مصافحہ وغیرہ کرنے کا واقعہ، امام احمد رضا کے وصال (۱۹۲۱ء) کے بعد کا ہے اور حجۃ الاسلام کی تحریر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء کی ہے۔ جس کے آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ:

"بِحَمدِہٖ تعالیٰ میری اِس رَوِش سے اُنھیں متأثر ہونا پڑا اور انھوں نے صدرُ الافاضل، مولانا مولوی نعیم الدین مرادآبادی کے بِالمشافہہ، توبہ نامہ تحریر فرمایا۔ اُس کے بعد میں اُن سے مِلا۔

عزیزی مولوی حشمت علی صاحب اِس کے شاہد ہیں۔" الخ

(مَظاھِرُ الْحَقِ الاَجْلیٰ، مؤلَّفہ حجۃ الاسلام۔ مشمولہ فتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ بریلی)

پہلے کے سفرِ لکھنؤ ۱۹۱۷ء تک حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی جانب سے کسی ایسی شرعی لَغزش کے صدور وظُہور اور اس پر کسی شرعی مؤاخذہ ومطالبۂ رجوع وتوبہ کا کوئی واقعہ اور کسی طرح کی زبانی یا تحریری روایت کا وجود ہی نہیں ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام کے دونوں اَسفارِ لکھنو کے درمیان تقریباً آٹھ (۸) سال کا وقفہ ہے۔ اوران میں سے ایک سفر (۱۹۱۷ء میں) حیاتِ امام احمد رضا میں بحکمِ امام احمد رضا ہے۔ اور دوسرا سفر (۱۹۲۵ء میں) بعدِ وصالِ امام احمد رضا (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) بہ مشورۂ خُلفاے امام احمد رضا ہے۔

ابوالفیض، مولانا محمد عبدالحفیظ حقّانی، سابق خطیب وامام شاہی جامع مسجد، آگرہ (متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔ کراچی) لکھتے ہیں کہ:

"میں خود فرنگی محل، مدرسہ نظامیہ کا ادنیٰ طالبِ علم ہوں۔ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے خاص طور سے "شرح چغمینی" پڑھی ہے۔ مگر زمانۂ (تحریکِ) خلافت (۱۹۱۹ء) میں کچھ باتیں اُن سے سَرزد ہوگئیں جن پر اعلیٰ حضرت

(مولانا احمد رضا قادری بریلوی) نے گرفت فرمائی۔

آخر کار وصال (مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔ متوفی ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) سے کچھ پہلے "خُدَّامُ الحرمین" (لکھنؤ) کے جلسے میں عُلماے بریلی شریک ہوئے۔

اُس وقت حُجۃ الاسلام، مولانا حامد رضا خاں صاحب نے مولانا عبدالباری سے مصافحہ نہ کیا اور اُن کے یہاں قیام سے بھی انکار کردیا۔ اور فرمایا کہ:

اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا بریلوی) رحمۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے آپ پر جو اعتراضات کیے ہیں اُن باتوں سے رُجوع کیجیے۔"

چنانچہ صدرُ الافاضل، حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی کوشش سے (مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے) تحریر دی۔

اس کے بعد حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب رحمۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، فرنگی محل (لکھنؤ) گئے۔ دونوں میں مصافحہ ومعانقہ ہوا۔

حضرت مولانا حامد رضا نے حضرت مولانا عبدالباری کے ہاتھ چومے۔ اِس لئے کہ وہ صحابی کی اولاد ہیں۔ اور وہیں قیام فرمایا۔

فقیر (محمد عبدالحفیظ حقّانی) اس موقع پر حاضر تھا۔ اِس خوشی میں دارُ الشفا (لکھنؤ) کی برفیاں آئیں۔ با قاعدہ فاتحہ ہوا۔ اور تقسیم ہوئیں۔"

(ص ۹۳ وص ۹۴۔ شمعِ ہدایت۔ از مولانا محمد عبدالحفیظ حقّانی۔ مطبوعہ کراچی)

تحریکِ تَرکِ موالات (۱۹۲۰ء) کے ہنگامہ خیز دَور میں جب کہ انگریزوں سے ہر طرح کے مقاطعہ کے پہلو بہ پہلو کفّار ومشرکین کے ساتھ، حد سے زیادہ اِختلاط کا سلسلہ شروع ہوا اور احکام وشعائرِ مذہبی بھی اس کی زد میں آگئے تو امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے "اَلْمَحَجَّۃُ الْمُؤْتَمَنَۃُ فِی آیَۃِ الْمُمْتَحِنَۃِ (۱۳۳۹ھ۔ مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء۔ ومشمولہ فتاویٰ رضویہ جلد ۱۴۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور) تحریر فرمایا۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی سے مسئلۂ خلافت وموالات پر طویل مراسلت کی جسے سیدی ومُرشدی، حضور مفتیِ اعظمِ ہند نے تین حصوں میں مرتَّب کرکے "اَلطَّارِیُ الدَّارِی

لِهَفْوَاتِ عَبْدِ الْبَارِی ''کے نام سے حَسَنی پریس، بریلی سے ۱۹۲۱ء میں شائع کیا۔

حضرت مولانا سید سلیمان اشرف علی گڑھی (متوفی ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) جو اِن مسائل میں امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کے موقف کے مؤیِّد تھے۔ انھوں نے ''اَلنُّور'' کے نام سے ایک وقیع کتاب لکھی جو مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی اور اسے رضا اکیڈمی بمبئی نے ''معاملات و موالات کا شرعی حکم'' کے نام سے ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء میں شائع کر دیا ہے۔

صدرُ الافاضل، مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی (وصال ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) نے ''موالات'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا جو اُسی دَور میں شائع ہوا اور اب ''فتاویٰ صدرُ الافاضل''۔ مطبوعہ بمبئی میں شامل ہے۔

اِن کتب و رسائل کے مطالعہ سے تحقیقی طور پر موالات و معاملات کا ہر پہلو، واضح ہوجاتا ہے اور سارے حقائق، آئینہ کی طرح روشن ہوجاتے ہیں۔

کفّار و مُبتدِعین سے اگر قلبی موالات ہو تو یہ کفر کی سرحد میں داخل ہوجاتا ہے۔ اور اگر ظاہری موالات ہو تو یہ بھی ممنوع و ناجائز ہے۔ البتّہ معاملات کے جواز کی مختلف صورتیں ہیں۔

تفصیل، مذکورہ کتب و رسائل میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

صدرُ الافاضل، مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی کے رسالہ ''موالات'' کے بعض اِقتباسات مع خلاصہ، ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

''خلاصہ یہ ہوا کہ موالات کی مَسطورہ بالا صورتیں، ممنوع ہیں جن کے احکام مع دلائل، مفصَّل مذکور ہو چکے۔ اور جن کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ:

کفّار کو دوست بنانا، یا اِن کو رازدار ٹھہرانا، ان کو مددگار سمجھنا، ان کو اپنے اُمور کا والی اور دَخیلِ کار، قرار دینا، اُنھیں قوت پہنچانا، ان سے بے ضرورت، دوستانہ میل جول، اِختلاط و اِرتباط کی رسمیں برتنا، مسلمانوں کے مقابلے میں امداد کرنا۔ یہ سب باتیں ممنوع اور داخلِ موالات ہیں۔ اور قرآن پاک میں ان کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

لیکن شریعتِ مطہّرہ کے جملہ اَحکام، سراسر حکمت و مصلحت ہیں۔ اور مسلمانوں کی صحیح حکمتیں اُن میں ملحوظ۔

جہاں کفّار کا غلبہ ہو۔ یا وہ حاکم و والی ہوں اور مجانبتِ کلّیہ و اِنقطاعِ تام سے مسلمانوں کے ضرر کا اندیشہ ہو، وہاں اُن کے ساتھ ایسے امور میں شرکت جو ممنوع نہیں ہیں اور اُن سے اسلام و اہلِ اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا ہے، جائز ہے۔ قلب، کفر و کفار کی محبت سے فارغ ہونا چاہیے۔''

(ص ۲۷۳ و ص ۲۷۴۔ فتاویٰ صدرُ الافاضل۔ جمع و ترتیب: ۔ مولانا نور محمد نعیم القادری۔ مطبوعہ، تنظیم افکارِ صدرُ الافاضل۔ خانقاہِ نعیمیہ۔ مالونی، ملاڈ (ویسٹ) بمبئی ۹۵۔ رجب ۱۴۲۸ھ/جولائی ۲۰۰۷ء)

''جو تعلق، مذکورہ بالا باتوں سے خالی ہو، یعنی نہ وہ حقیقت میں محبت کی بنا پر ہو، نہ اس کی علامت و دلیل، نہ اس سے اسلام یا مسلمانوں کو ضرر و نقصان متصور ہو، نہ کفار کا فائدہ و نفع مقصود۔ اور اس میں مسلمانوں کی کوئی حاجت و ضرورت یا مقصدِ صحیح ہو تو جائز ہے۔ اور وہ موالاتِ مُحرَّمہ میں داخل نہیں۔'' (ص ۲۷۵۔ فتاویٰ صدرُ الافاضل۔ مطبوعہ تنظیم افکارِ صدرُ الافاضل۔ بمبئی)

''تفسیرِ احمدی میں ہے: اِنَّ الْقَومَ الظَّالِمِیْنَ ،یَعُمُّ الْمُبْتَدِعَ وَالْفَاسِقَ وَالْکَافِرَ۔ وَالْقُعُوْدُ مَعَ کُلِّهِم مُمْتَنِعٌ۔'' (تفسیرِ احمدی۔ ص ۳۰۸)

قومِ ظالم، مُبتدِع اور کافر و فاسِق، سب کو عام ہے۔ اور سب کے ساتھ بیٹھنا، ممنوع ہے۔''

جَب کہ مُبتدِع و فاسق و فاجر کے ساتھ بھی موالات ممنوع ہے تو کافر کے ساتھ ممنوع ہونے میں کیا تأمُّل؟

کافر و غیر محارِب تو کافر ہے، اس سے تَرکِ موالات، کوئی تعجب کی بات نہیں۔ شریعتِ مطہّرہ، فاسق مومن کے ساتھ بھی تَرکِ موالات کا حکم فرماتی ہے۔ اور ہنود تو مُشرک و بُت پرست ہونے کی وجہ سے بدترین کفّار میں سے ہیں۔''

(ص ۲۹۴ و ص ۲۹۵۔ فتاویٰ صدرُ الافاضل۔ مطبوعہ تنظیم افکارِ صدرُ الافاضل۔ بمبئی۔ ۲۰۰۷ء)

بددین و بدمذہب کی صحبت، کافر کی صحبت سے بھی بدتر اور نقصان دِہ ہے اِس لئے کسی بدمذہب سے ہرگز اِختلاط اور دوستانہ معاملات نہ رکھے جائیں اور بلا ضرورت و مصلحت و مقصدِ صحیح کے اُن سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ بالخصوص عوام کے لئے یہ سخت ممنوع ہے۔

فاسقوں ، فاجروں کی صحبت بھی ضرر رَساں ہے اور ان کی صحبتِ بد کے بُرے اثرات بھی کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اسی لئے فُسّاق وفُجّار کی صحبت ومخالطت بھی ممنوع وناجائز وحرام ہے۔ اور ان سے دور رہنے ہی میں ہر طرح کی عافیت ہے۔

ہاں! اگر کوئی دعوتی واصلاحی پہلو پیشِ نظر ہو تو اس کا حکم ، الگ ہے۔

حضرت برہانِ مِلّت ، مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری (متوفی ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۴ء) خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی اور رئیس القلم حضرت علاّمہ ارشدالقادری (متوفی ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء) نے دسمبر ۱۹۷۲ء کے مسلم پرسنل لا کنونشن ، بمبئی میں شرکت کے ساتھ اُسے خطاب بھی کیا تھا۔ اِس کنونشن کے داعی وشُرکا میں قاری محمد طیب مہتممِ دارالعلوم دیوبند ومولانا مِنّتُ اللہ رحمانی مونگیری اور مولانا ابوالحسن علی ندوی وغیرہ تھے۔

حضرت برہانِ مِلّت نے اِس کنونشن میں اپنی شرکت وتقریر کی تفصیل اپنے ایک مضمون ، مطبوعہ مفتیِ اعظم نمبر (استقامت ڈائجسٹ ، کان پور۔ شمارہ مئی ۱۹۸۳ء) میں بیان کردی ہے۔

جس کے مطابق وہ اس کنونشن میں حضرت مفتیِ اعظمِ ہند کے حکم پر شریک ہوئے تھے۔

اور شرکت کے بعد مفتیِ اعظمِ ہند نے آپ کے نام مبارک بادی کا خط تحریر کیا اور ملاقات کے وقت بھی مبارک بادی سے نوازا۔ اور شرکتِ کنونشن کی تائید وتحسین کی۔

حضرت علاّمہ ارشدالقادری (متوفی ۱۵/صفر ۱۴۲۳ھ/ ۲۱/ اپریل ۲۰۰۲ء) نے بھی اِس سلسلے میں ایک مضمون لکھ کر اُس میں اپنی شرکت وتقریر کا ذکر کیا ہے۔ جو ماہنامہ قاری ، دہلی ۱۹۸۶ء اور ماہنامہ حجازِ جدید ، دہلی ۱۹۹۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت برہانِ مِلّت اپنے مضمون میں مسلم پرسنل لا کنونشن ، بمبئی ، دسمبر ۱۹۷۲ء کی دعوتِ شرکت اور اُسے قبول نہ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے آگے کا حال اِس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"حضور مفتیِ اعظم ، اُنھیں دنوں بالا گھاٹ (مدھیہ پردیش) تشریف لائے ہوئے تھے۔ اور فقیرزادہ محموداحمد ، حضور کی خدمت میں شرفِ زیارت اور فیوض وبرکات کے حصول کے لئے حاضر ہوا۔

حضرت والا سے محمود میاں نے پرسنل لا اور اس کے اجتماع میں میری شرکت کے بارے

میں دریافت کیا۔ اور فقیرزادہ نے میری شرکت سے معذرت کے اسباب ، حضور کے سامنے عرض کیے اور اپنے طور پر جو کچھ بھی کارروائی کی جارہی تھی اُس کا بھی تذکرہ کردیا۔

حضور نے سارے معروضات سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

"بُرہان میاں سے جاکر کہو کہ:

ہرگز ہرگز اس جلسے میں شرکت سے انکار نہ کریں اور چوں کہ اِس سلسلے میں سب سے پہلے اُنھیں کا اِحتجاج اور اِقدام ہے اور اِحتجاج بھی باقوت احتجاج ہے اِس لئے اُنھیں اپنا کام جاری رکھنا اور اسے آگے بڑھانا ہے۔

مخلوط اجتماع اور غیروں کے زیرِ اہتمام وصدارت یہ جلسہ ہونے کے باعث اُنھوں نے جو معذرت کی اور شرکت سے اِحتراز فرمایا ہے ، اُسے تَرک فرمادیں اور ضرور ضرور شرکت فرمائیں۔"

اِدھر ممبئی سے داعیانِ جلسہ ، برابر مراسلات وفون سے مجھ سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے کہ ضرور ضرور ہر حالت میں جلسہ میں شرکت کروں۔

فقیرزادہ محمود میاں نے بالا گھاٹ (ایم ، پی) سے آکر مجھے حضرت کا پیغام وحکم سنایا تو مَیں نے حضرت اَقدس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اُن کے ارشاد پر شرکت کا ارادہ کرلیا۔

جلسہ میں شرکت کے لئے مَیں بمبئی پہنچا مگر منتظمینِ جلسہ کا مہمان نہ ہوا۔ اور اپنے ایک برادرِ طریقت ، خلیل احمد صاحب کے یہاں میں نے قیام کیا۔"

(مفتیِ اعظم نمبر۔ استقامت ڈائجسٹ ، کان پور۔ شمارہ مئی ۱۹۸۳ء)

اپنی تقریر کے چند نِکات اور کنونشن سے واپسی کا ذکر کرنے کے بعد حضرت بُرہانِ مِلّت تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اِس جلسہ میں عُلماے اہلِ سُنّت میں سے کسی نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ جب کہ مَیں حضور مفتیِ اعظمِ ہند علَیہِ الرَّحْمَة کے ارشاد اور حکم کے مطابق ہی شریکِ جلسہ ہوا تھا۔

صبح، جب جلسہ کی کارروائی میری تقریر کے ساتھ اخبارات میں جلی حرفوں میں شائع ہوئی تو علماے اہلِ سُنّت نے میرے لئے دعائیں کیں اور کامیابی پر مبارک باد، دی۔

دوسرے دن کے جلسہ میں چوں کہ حضرت ارشدالقادری صاحب حج وزیارت کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور بمبئی ہی میں تھے، میں نے ان سے جلسہ میں شرکت کرنے اور تقریر کرنے کے لئے کہا۔ وہ فقیر کے ساتھ دوسرے دن جلسہ میں تشریف لے گئے اور اپنی تقریر میں میرے بیان کی تائید وحمایت فرمائی۔

حضور مفتیِ اعظمِ ہند عَلَیہِ الرَّحمَۃ کو جب جلسہ کی مکمل رپورٹ ملی تو انھوں نے میری کامیابی پر دعائیہ کلمات کے ساتھ مبارک باد تحریر فرما کر والا نامہ سے نوازا۔

جب میں بریلی شریف حاضر ہوا تو حضور نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

اگر تم شریکِ جلسہ نہ ہوتے اور اظہارِ حق واعلانِ حق نہ کیا ہوتا تو بڑی کمی رہ جاتی۔ تم نے اِس سلسلے میں جو احتجاجی کارروائی میں پہل کی تھی اُس کی تائید میں یہ جلسہ بڑا کامیاب رہا۔ اور یہ جلسہ تمہاری شرکت سے تمہارا جلسہ ہوگیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ وَنَوَالِہٖ وَاَفْضَالِہٖ۔

(مفتیِ اعظم نمبر۔ استقامت ڈائجسٹ، کان پور، مئی ۱۹۸۳ء)

قائدِ اہلِ سُنّت، رئیس القلم، علاّمہ ارشدالقادری (متوفی ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء) اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ واضح رہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ پر کسی ایک مکتبِ فکر کی اِجارہ داری نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تاسیس وقیام اور تشکیل واستحکام میں ہر مکتبِ فکر کے رہنماؤں نے کھل کر حصہ لیا ہے۔

چنانچہ دسمبر ۱۹۷۲ء میں بمبئی کے ساحل پر مسلم پرسنل لا بورڈ کا جو سب سے پہلا کنونشن ہوا تھا اُس میں تاجدارِ اہلِ سُنّت، حضور مفتیِ اعظمِ ہند کے حکم پر تین حضرات، جماعتِ اہلِ سُنّت کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔

جبل پور سے بُرہانِ مِلّت، حضرت علاّمہ مفتی بُرہان الحق صاحب قبلہ، بمبئی سے حضرت مولانا نصرتُ اللہ عباسی، اور جمشید پور سے یہ خاکسار ارشدالقادری۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے بھرے مجمع میں جہاں قاری طیب صاحب، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا منت اللہ رحمانی وغیرہ سبھی موجود تھے، تقریر کرتے ہوئے صاف صاف کہا تھا کہ:

"اسٹیج پر جو چہرے نظر آرہے ہیں اِن حضرات کے ساتھ ہمارے سنگین اختلافات، کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم صرف اِس جذبہ میں آج یہاں دوش بدوش بیٹھے ہوئے ہیں کہ حکومتِ ہند کو یہ باوَر کرادیں کہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے جہاں دیو بند اور لکھنؤ سینہ سپر ہیں وہاں بریلی نے بھی سر سے کفن باندھ لیا ہے۔"

حضرت علاّمہ مفتی بُرہان الحق صاحب قبلہ اور مولانا نصرتُ اللہ عباسی، خدا کو پیارے ہوگئے۔ یہ لوگ جب تک بقیدِ حیات تھے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر اور جوائنٹ سکریٹری کی حیثیت سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے تحفظ کے لئے ہمیشہ سرگرمِ عمل رہے۔"

(مطبوعہ۔ ماہنامہ قاری، دہلی۔ شمارہ جون ۱۹۸۶ء۔ وماہنامہ حجازِ جدید، دہلی۔ شمارہ محرم الحرام۔ ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء)

حضرت برہانِ مِلّت سے ایک بار، بریلی شریف میں کئی گھنٹے کی ملاقات وگفتگو کی سعادت، راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) کو حاصل ہوئی۔ یہ ملاقات حضرت مولانا ریحان رضا خاں عُرف رحمانی میاں، بریلی شریف (متوفی ۱۹۸۵ء) کے دولت کدہ پر ہوئی تھی۔ جس میں صدیقِ محترم مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی بھی شریک تھے۔ ارادہ تھا کہ اسے انٹرویو کی شکل میں ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور میں شائع کردیا جائے۔ گفتگو کے بعض مَراحل میں بعض دیگر علما بھی شریک ہوتے رہے۔

گفتگو کے دَوران ہی اپنے اپنے طور پر راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) اور نعمانی صاحب نے کچھ نوٹ بھی تیار کرلیا تھا۔ مبارک پور واپسی کے بعد ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے قارئین کے لئے یہ تحریری خوشخبری بھی شائع کرادی گئی تھی۔

مگر افسوس صد افسوس کہ ہم لوگوں کی غفلت وسستی کی وجہ سے یہ کام آج کل پر ٹلتا رہا اور یہ عظیم سرمایۂ گفتگو، جمع وترتیب اور طباعت واِشاعت کی منزل سے نہ گذر سکا۔

امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کی حیاتِ مبارکہ کے دینی وعلمی اَحوال، تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء)

وتحریکِ تَرکِ موالات (۱۹۲۰ء) و مسلم پرسنل لا کنونشن، دسمبر ۱۹۷۲ء بمبئی وغیرہ کی بہت ساری تفصیلات آپ نے ہم لوگوں کے سوالات کے جوابات میں بیان فرمائیں۔

حضرت علاّمہ ارشدالقادری (متوفی ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء) سے نہ جانے کتنی بار، جماعتی مسائل اور آپ کی سابقہ سرگرمیوں اور خود مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی کے بارے میں راقمِ سطور کی گفتگو ہوئی۔

ہر دو حضرات میں سے کسی نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ مسلم پرسنل لا کنونشن، دسمبر ۱۹۷۲ء بمبئی کے خطاب میں مَیں نے دیگر مسالک کے عُلما سے اُن کے عقائد و افکارِ باطلہ سے رُجوع و توبہ کا مطالبہ یا تکفیر کی کی کوئی بات کہی۔

اِن دونوں حضرات کی زبانی مَیں نے جو کچھ سنا وہ وہی ہے جو اِن حضرات کی تحریروں میں موجود و مذکور ہے۔

۱۹۸۵ء میں شاہ بانو تحریک، زور شور کے ساتھ چلی۔ بعض عُلمائے اہلِ سُنّت نے مخلوط اجتماعات میں اس وقت بھی شرکت کی۔ اِسی دَوران کسی خاص موقع پر بمبئی میں عُلمائے اہلِ سُنّت کی ایک بڑی مِٹنگ ہوئی جس میں اِس طرح کی شرکت کے بارے میں تبادلۂ خیال اور غور و خوض کیا گیا۔

اِس مِٹنگ میں حضرت علاّمہ مشتاق احمد نظامی اِلٰہ آبادی (متوفی ۱۹۹۰ء) اور استاذِ گرامی، بحرالعلوم، حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی (متوفی ۱۴ محرم ۱۴۳۴ھ/ ۲۹ نومبر ۲۰۱۲ء) جیسے ذِمّہ دار عُلما بھی شریک تھے۔

کسی بھی عالم نے اِس مِٹنگ میں اِس کا ذکر نہیں کیا کہ بُرہانِ مِلّت یا علاّمہ ارشدالقادری نے اپنی تقریر میں کسی کی تکفیر کا مسئلہ چھیڑا یا کسی سے توبہ و رجوع کا مطالبہ کیا تھا۔

۲۰۰۱ء کی ایک ملاقات میں استاذِ گرامی، حضرت بحرالعلوم اعظمی (متوفی ۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ/ ۲۹ نومبر ۲۰۱۲ء) عَلَیہِ الرَّحمَة سے راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) نے اِس مِٹنگ کی تفصیلات معلوم کی تھی۔ انھوں نے بھی اِس مِٹنگ کے اندر اِس طرح کی کسی بات کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا۔

۱۹۷۲ء میں میڈیا (ذرائعِ ابلاغ) کے اندر بھی کوئی ایسی بات نہیں آئی۔ اور نہ اِس طرح

کا کوئی چرچا، سامعین و حاضرینِ کنونشن یا بعد میں عوام و خواص کے درمیان ہوا۔

تقریباً آٹھ، دس، سال پہلے ذاکر نگر، نئی دہلی میں جانشینِ مفتیِ اعظم، حضرت مولانا مفتی محمد اختر رضا قادری رضوی ازہری بریلوی اور محدِّثِ کبیر، حضرت علاّمہ ضیاء المصطفیٰ قادری سے اِس موضوع پر اتفاقیہ گفتگو ہوئی۔ اِن حضرات میں سے کسی نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ:

میرے سامنے کسی نے اِس طرح کا کوئی بیانِ واقعہ کیا کہ حضرت برہانِ مِلّت یا علاّمہ ارشدالقادری نے اپنی تقریر میں کسی کی تکفیر کی یا رجوع و توبہ کا کوئی مطالبہ کیا۔''

حضرت برہانِ مِلّت یا علاّمہ ارشدالقادری کی حیات میں ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ نہ اِن حضرات نے بیان کیا، نہ لکھا۔

ایسی صورت میں اگر بلا ثبوت و گواہی کے، کوئی شخص اِس کنونشن میں کسی کی تکفیر یا توبہ کے مطالبہ کی بات کہتا ہے تو وہ صرف اپنی بات پالنے اور مطلب برآری کے لئے ایسا کر رہا ہے اور اس کا اِنتساب ان حضرات کی طرف کر رہا ہے جو اس کنونشن کے ان کے خطاب سے متعلق بالکل بے بنیاد اور خلافِ واقعہ بات ہے۔

آج بھی ایسی کوئی روایت و سماعت و شہادت نہیں۔ ایسی صورت میں اِس خود ساختہ بیان اور اِلحاق کو کیا کہا جائے؟ اور عوامی زبان میں ''سفید جھوٹ'' کے علاوہ اسے کیا کہا جائے؟ اِس کا فیصلہ قارئینِ کرام خود فرمالیں تو بہتر ہے۔

مجاہدِ مِلّت، حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری اڑیسوی (وصال ۶ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ/ ۱۳ مارچ ۱۹۸۱ء) عَلَیہِ الرَّحمَةُ وَالرِّضوَان جیسا عالم و مناظر و قائدِ اہلِ سُنّت آپ کے دَور سے آج تک کون پیدا ہوا ہے؟

اپنے ایک مکتوبِ گرامی (بنام مولانا محمد اسمٰعیل صدر جمعیۃ العُلما، صوبہ اڑیسہ) میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

......مختصر یہ کہ فقیر اُن اُمور میں جو مسلمانانِ ہند کے تحفظِ دین و مذہب و جان و مال کے متعلق، گورنمنٹ سے مطالبہ ہے، اُس میں محض اِشتراکِ عمل کے لئے اِس شرط پر تیار ہے کہ:

اپنے عقائد پر قائم رہتے ہوئے ہی نہیں بلکہ عُلمائے دیوبند کی عباراتِ قطعیہ مُتعیَّنہ مُتبیَّنہ کے متعلق ہم لوگوں کی جو تحقیق ہے، اُس کا بالکل وضاحت سے، تقریراً و تحریراً، بلا روک ٹوک، ہر موقع پر ظاہر کرنے کا اختیار رہے گا۔

اور عُلمائے دیوبند کو بھی، ہم لوگوں کے متعلق جو خیالات رکھتے ہیں، اُن کو بے روک ٹوک ظاہر کرنے کا اُنھیں اختیار ہوگا۔

تاکہ عوام کو دھوکا نہ ہو اور دین میں فتنہ نہ واقع ہو۔''

فقط۔ محمد حبیب الرحمٰن۔ خادمِ منصبِ صدارت آل انڈیا تبلیغِ سیرت۔ ۱۹؍ ذوالقعدہ ۱۳۸۹ھ/ ۱۹؍ فروری ۱۹۶۸ء۔ بروز دوشنبہ مبارکہ۔

(ص ۱۷۸۔ مجاہدِ ملّت نمبر۔ پندرہ روزہ ''نوائے حبیب'' کلکتہ۔ جنوری ۱۹۸۶ء)

ایک تازہ ترین تحریر ملاحظہ فرمائیں جو ۱۵/۱۶ جمادی الآخرہ ۱۴۳۵ھ/ ۱۶/۱۷ اپریل ۲۰۱۴ء کو اِنعقاد پذیر ہونے والے، دینی سیمینار، انجمن جامعہ حبیبیہ، الہ آباد کی طرف سے بہ صورتِ دعوت نامہ مع موضوعات و نظام الاوقات شائع ہوئی ہے۔

''حضرت مجاہدِ ملّت رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے ۴؍ رمضان مبارک ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۰؍ فروری ۱۹۶۱ء کو حفظ الرحمٰن صاحب (سابق) ناظمِ عمومی جمعیۃ عُلمائے ہند کے نام لکھے ہوئے اپنے خط میں یہ لکھا تھا کہ:

اب سے کچھ دنوں پہلے بعض اراکینِ جمعیۃ عُلمائے ہند نے اشتراکِ عمل کے لئے فقیر کی طرف پہل کی اور گفتگو بھی ہوئی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اس کی طرف بھی جناب کی خصوصی توجہ چاہتا ہوں۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کٹکی صدر جمیۃ العلما، اڑیسہ نے کٹک میں مجھ سے ملاقات کی اور یہ کہا کہ:

اس وقت بھارت کے مسلمان، خوف و ہراس، امید و بیم کے جس بحرانی دور سے گذر رہے ہیں اور آئے دن، مسائلِ دینیہ سے متعلق جو قانون بن رہے ہیں، ان کی اصلاح اور شر پسند عناصر کا مقابلہ بغیر اتحاد و اشتراک کے ناممکن ہے۔

اگر کسی موقع پر گورنمنٹ کسی فریق کے مطالبے پر دست اندازی کرے اور دوسرا فریق، بیٹھ کر مذاق اُڑائے اور اس پر ہنسے تو کیسے کام چل سکتا ہے؟

اور فیروز آباد میں اتفاقاً مولوی ابوالقاسم صاحب شاہجہاں پوری، ناظم جمعیۃ العُلما، اتر پردیش سے ملاقات ہوگئی تو انھوں نے مسلمانوں کی تباہی و بربادی، پولیس اور حُکّام کی زیادتیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اِسی قسم کی گفتگو کی۔ تو دونوں سے فقیر نے قریب قریب یہی کہا کہ:

اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے آپ پولیس اور حُکّام اور حکومت کے جن مظالم کے متعلق بھی کوئی اِقدام کریں گے، فقیر اپنی جماعت ''آل انڈیا تبلیغِ سیرت'' کے ساتھ اشتراک کرے گا۔

مولوی اسمٰعیل صاحب کٹکی نے تو اسے منظور کر لیا مگر مولوی ابوالقاسم صاحب کو اس پر تامُّل رہا۔

ابھی بہرائچ شریف میں سید سالار مسعود غازی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے آستانہ پر مولوی ابوالقاسم صاحب سے ملاقات ہونے پر پھر اس کا تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ:

اگر میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تو ارکانِ جمعیۃ سے مشورہ کر لیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایوانِ جمعیت میں اس کا حل، تلاش کر لیا جائے۔ اور مشترکہ طور پر کوئی کام ہو جائے۔ لیکن اب تک اس کی کوئی اطلاع، موصول نہ ہوئی۔''

حفظ الرحمٰن صاحب مذکور نے حضرت مجاہد ملّت کے اُس خط کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس طرح، مظالم کے خلاف اِقدام کرنے کے لئے اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے عمل میں اشتراک کی اجازت آج تک حضراتِ اہلِ سُنَّت کو وہابیہ کی طرف سے نہ ملی۔

اس کے برخلاف وہابیوں کی تنظیمیں یہ چاہتی ہیں کہ عمل میں اشتراک تو ہو لیکن اہلِ سُنَّت کو اپنے مسلک کی وضاحت کرنے کی اجازت نہ ہو۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۲۔ عنوان ۲۔ اُمَّتِ مسلمہ پر تحقیقاتِ جدیدہ کے اثرات۔ (ایک موضوعِ سیمینار) از (دعوت نامہ) دینی سیمینار، انجمن جامعہ حبیبیہ۔ الہ آباد۔ بقلم، مولانا غلام جیلانی نوری۔ مدرسِ جامعہ حبیبیہ۔ الہ آباد۔ اتر پردیش)

جب کبھی عُلمائے اہلِ سُنَّت نے حاجت و مصلحت سمجھی ہے، مخلوط اجتماع و نشست میں

شرکت کی ہے اور آئندہ بھی جب وہ ایسا مناسب خیال کریں گے اُس کے مطابق عمل کریں گے۔

مَیں خود اپنے موقف کی وضاحت کر دوں کہ:

"جب بھی کوئی ضرورت وحاجت ومصلحت ، داعی ہو، اِس طرح کی محتاط ومشروط شرکت، جائز ہے۔ مذہبِ اہلِ سُنَّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت کے مطابق ہے۔ شریعت وفقہِ اسلامی کی طرف سے اِس کی ،صراحت کے ساتھ اجازت ہے۔ بشرطے کہ شریک ہونے والا عالم ،مستند ومعتمد ہو۔ حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کی اس کے اندر صلاحیت اور جرأت بھی ہو۔"

اِس طرح کی نشست یا وفد میں خود راقمِ سطور (یٰسٓ اخترؔ مصباحی) نے اپنی صواب دید کے مطابق شرکت کی ہے۔ اور کوئی ضرورت وحاجت ومصلحت آئندہ بھی سامنے آئے گی تو اس کے مطابق کوئی مناسب فیصلہ اور عمل ہوگا۔

اِس سلسلے کے تین اہم اور نئے واقعات ،قارئین بھی جان لیں تو اس مسئلہ کی نوعیت وحقیقت سمجھنے میں اُنھیں بہت آسانی ہوگی:

(۱) ۱۹۸۹ء میں فقہ اکیڈمی، نئی دہلی کا فقہی سمینار ہوا جو قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی سربراہی میں ہوتا چلا آ رہا تھا۔ اس ۱۹۸۹ء کی دعوتِ شرکت، حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی پورنوی کو ملی ۔آپ نے اِس سلسلے میں جانشینِ مفتیِ اعظمِ ہند، حضرت مفتی محمد اختر رضا قادری رضوی ازہری بریلوی دَامَتْ بَرَکَاتُھُم سے اِستصوابِ رائے کیا۔

حضرت جانشینِ مفتیِ اعظمِ ہند نے ارشاد فرمایا کہ:

"آپ کے لئے شرکت جائز ہے۔"

فقہ اکیڈمی، نئی دہلی کے اِس سمینار ۱۹۸۹ء میں حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی پورنوی اور آپ کی گذارش وتحریک پر خواجۂ علم وفن، حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی (متوفی ۱۴؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ/۲۰؍اکتوبر ۲۰۱۳ء) شریک ہوئے۔ اِن حضرات کے ساتھ مولانا انوار احمد امجدی بھی تھے۔ (روایتِ حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی پورنوی)

(۲) ۱۹۹۰ء میں جب کہ چندر شیکھر، ہندوستان کے وزیر اعظم تھے، اُنھوں نے مسئلۂ بابری مسجد،

حل کرنے کی کوشش کی۔ اور اِس سلسلے میں اُن کے اِیما پر دہلی میں مختلف اداروں، تنظیموں، اور شخصیتوں کو مدعو کیا گیا اور بہت سے لوگ اِس جلسہ (مِٹنگ) میں شریک ہوئے۔ اس کی کمان، مولانا مِنَّتُ اللہ رحمانی وقاضی مُجاہدُ الاسلام قاسمی وغیرہ کے ہاتھ میں تھی۔

عُلمائے اہلِ سُنَّت کی طرف سے شریک ہونے والے حضرات میں یہ نام، نمایاں ہیں:

مجاہدِ دَوراں، مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی (متوفی ۱۹۹۷ء) ومحدِّثِ کبیر، علاَّمہ ضیاءالمصطفیٰ قادری ومفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی ومولانا محمد ادریس بستوی۔

نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند، شارحِ بخاری، حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی (متوفی ۶؍صفر ۱۴۲۱ھ/۱۱؍مئی ۲۰۰۰ء) نے زور دے کر عُلمائے اشرفیہ کو دہلی بھیجا تھا۔

منتظمین کی طرف سے دعوت مجھے بھی ملی تھی مگر دہلی سے باہر کسی کام سے گیا ہوا تھا اِس لئے میری شرکت نہ ہو سکی۔

(۳) ۱۹۹۷ء میں مسلم کنونشن، اتر پردیش کی جانب سے لکھنؤ کے ایک بڑے ہال "گنّا سَنستھان" میں پروگرام ہوا۔ اسٹیج پر مولانا غلام عبدالقادر علوی ومولانا محمد ادریس بستوی ومولانا محمد اقبال قادری وراقمِ سطور یٰسٓ اخترؔ مصباحی کے علاوہ ملائم سنگھ یادو اور محدِّثِ کبیر، علاَّمہ ضیاء المصطفیٰ قادری بھی تھے۔

بروز اتوار بتاریخ ۳؍اگست ۱۹۹۷ء کو منعقد ہونے والا یہ پروگرام بہت کامیاب رہا۔ اور ۴؍اگست کے اردو، ہندی، انگریزی اخبارات میں اس کی نمایاں رپورٹ شائع ہوئی۔ مولانا محمد اقبال قادری (دارُالعلوم وارثیہ لکھنؤ) کے پاس اخبارات کا ریکارڈ موجود ہے۔

ذہن نشین رہے کہ اصول وضابطہ الگ حقیقت ہے اور کسی کا ذاتی قول وعمل اُس سے بالکل علیحدہ مسئلہ ہے۔ اور کسی چیز کے جواز کا قائل ضروری نہیں کہ اُس کا فاعل وعامل بھی ہو۔

کسی کے ذاتی قول وعمل کو بنیاد بنا کر کسی قاعدہ وضابطہ کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اِسے اچھی طرح سمجھنا ہے تو ذیل کی روشن تحریرات وبیانات ملاحظہ فرمائیں:

فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ اَحکامِ فقہ میں نہ تشدّد کو رَوا رکھتے تھے اور نہ ہی تورُّع وتقویٰ کے نام سے کسی حرج وتنگی کو راہ دیتے تھے۔ بلکہ فُقہاے اسلام کی اُس رَوِش پہ تاحیات قائم رہے جس کا ذکر آپ کی مندرجہ ذیل تحریر میں ہے:

"مقاصدِ شرع سے ماہر، خوب جانتا ہے کہ:
شریعت، رِفق وتیسیر کو پسند فرماتی ہے۔ نہ معاذَ اللّٰہ تضییق وتشدید۔
لِھٰذا جہاں ایسی دِقّتیں واقع ہوئی ہیں، عُلماے کرام انہیں روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بنا پر مسلمان، تنگی سے بچیں۔"

(ص ۱۰۷۔ جلد پنجم۔ فتاویٰ رضویہ۔ مطبوعہ سُنّی دارُالاشاعت، مبارک پور)

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی خدمت میں ایک اِستفتا محرَّرہ ماہ ذوالقعدہ ۱۳۰۳ھ از شیخ عبدالجلیل پنجابی (نواب گنج۔ بارہ بنکی۔ اَوَدھ) آیا جس میں سوال تھا کہ:

"رَوسَر کی شکر، ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے۔ اور صاف کرنے والوں کو کچھ احتیاط اِس کی نہیں کہ وہ ہڈیاں پاک ہوں یا ناپاک؟ حلال کی ہوں یا مُردار کی ہوں؟
اور سُنا گیا ہے کہ اُس میں شراب بھی پڑتی ہے۔ اور اِسی طرح کی وہ کُل چیزیں جن میں شراب کا لگاؤ، سُنا جاتا ہے، شرعاً کیا حکم رکھتی ہیں؟

اِس سوال کے جواب میں فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے "اَلْاَحْلیٰ مِنَ السُّکَّر لِطَلَبۃِ سُکَّرِ رَوسَر" کے نام سے اڑتالیس (۴۸) صفحات پر مشتمل ایک رسالہ لکھا۔ جو مطبع حنفیہ، پٹنہ میں رسالہ "مخزنِ تحقیق" معروف بہ "تحفۂ حنفیہ" پٹنہ کے ضمن میں چھپا۔ پھر دوسری مرتبہ فتاویٰ رضویہ، جلدِ دوم میں ص ۹۵ تا ص ۱۴۳ شائع ہوا۔ اور اب حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلدِ دوم، مولفہ ملک العلما، مولانا ظفرالدین قادری رضوی عظیم آبادی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی۔ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء میں ص ۳۷۰ تا ص ۳۹۲ شامل ہے۔

اِس رسالہ کے آغاز میں دس (۱۰) مقدمات اور ایک قاعدۂ کلیہ کے بعد بیانِ مسئلہ ہے۔ اور آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"فقیر غَفَرَلَہُ الْمَولٰی الْقَدِیر نے آج تک اِس شکر کی صورت نہ دیکھی، نہ کبھی اپنے یہاں منگائی، نہ آگے منگائے جانے کا قصد، مگر بایں ہمہ ہرگز ممانعت نہیں مانتا۔
نہ جو مسلمان استعمال کریں، انھیں آثم، خواہ بے باک جانتا ہے۔ نہ تورُّع واِحتیاط کا نام، بدنام کر کے عوام مومنین پر طَعن کرے۔ نہ اپنے نفسِ ذلیل مہین، رَذیل کے لئے اُن پر ترفُّع وتعلّی رَوا رکھے۔" اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۳۹۱۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلدِ دوم۔ مؤلّفہ مولانا محمد ظفرالدین قادری رضوی عظیم آبادی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء)

بیانِ ضابطہ وبیانِ حقیقت پر حضرت حجۃُ الاسلام کو کیا کچھ سننا اور جھیلنا پڑا؟! اسے جاننے کے لئے آپ کی ۱۹۳۹ء کی وہ تحریر پڑھیں جو ۱۹۴۰ء میں "مَظاھِرُ الْحقِّ الْاَجْلیٰ" کے نام سے مطبع نابھ/راسٹیم پریس، پنجاب سے شائع ہوئی تھی اور ص ۴۲۴ تا ص ۴۴۶، فتاویٰ حامدیہ (مطبوعہ ادارہ اشاعتِ تصنیفاتِ رضا۔ محلّہ سوداگران، بریلی شریف) میں بھی شامل ہے۔

حجۃُ الاسلام اُس دَور کے حالات اور اپنے خلاف ہونے والے بے جا حملوں اور متشدِّدانہ اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"میں لیگ کی شرکت کو بحالتِ موجودہ کہ اس کے اندر بہت سے گمراہ، بددین شریک ہیں، نظرِ استحسان سے نہیں دیکھتا۔ اور اِسی بنا پر میں نے آج تک کسی کو اس کی شرکت کی اجازت نہیں دی۔ مگر اِس کے ساتھ جو لوگ اس میں خالص سُنّی رضوی شریک ہو گئے ہیں، اُن پر سخت حکم دینے کو بھی اچھا نہیں سمجھتا کہ جب اُن کی شرکت کسی شرعی نقطۂ نظر سے ہو تو تکفیر کیا معنی؟ تضلیل وتفسیق کا بھی شرعاً حکم نہیں دیا جا سکتا۔
اعلیٰ حضرت، رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا فتویٰ ہے کہ اگر کفّار کے کسی مذہبی میلے میں مسلمان بغرضِ تجارت چلا جائے تو شرعاً جائز ہے۔.........
اَلْغَرَض مَیں اپنوں کو جو خالصُ العقیدہ سچے سُنّی ہیں اُنھیں کافر، فاسق، گمراہ کہنا، شرعی نقطۂ نظر سے ہرگز جائز نہیں رکھتا۔
جو اِس کے خلاف ہو، میرے خیال میں وہ فقہ سے نابلد ہے۔

جو مجھے اور دارُالعلوم (منظرِ اسلام) اور جماعت (رضائے مصطفیٰ) کو لیگی کہے، وہ مُفتری کذّاب ہے۔ کسی تحریر سے وہ ہرگز ثابت نہیں کرسکتا۔

مَنْ آنچہ شرطِ بلاغ ست باتو می گویَم
تو خواہ از سُخنم پند گیر وخواہ مَلال

فقیر محمد حامد رضا قادری غُفِرَلَہٗ۔ خادمِ آستانہ رضویہ وگدائے سجادۂ عالیہ۔ بریلی شریف

(ص ۲۰۔ مَظَاھِرُ الْحَقِّ الْاَجْلیٰ (۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء) طبع اول نابھ اسٹیم پریس۔ نابھ۔ پنجاب۔ کتب خانہ اہلِ سُنّت۔ محلّہ بھورے خاں۔ پیلی بھیت۔ وص ۴۴۱ و ۴۴۲۔ فتاویٰ حامدیہ، ناشر: ادارہ اشاعت تصنیفاتِ رضا، محلّہ سوداگران، بریلی شریف۔ صفر المظفر ۱۴۲۴ھ/اپریل ۲۰۰۳ء)

اِس سے پہلے حضرت حجۃ الاسلام لکھ چکے ہیں کہ:

''بلاشبہ بحالتِ موجودہ، لیگ قابلِ اصلاح ہے۔ اس میں بہت سی شرعی خامیاں ہیں۔

میں نے آج تک کسی کو اس میں شرکت کو نہ کہا۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا۔

ہاں! بعض اوقات جب مجھ سے اس کے متعلق سوال ہوا تو میں نے اس کے شرعی نقائص پر روشنی ڈالی۔

ہاں! اتنا ضرور ہے کہ جو سُنّی رضوی اس میں کسی غرضِ شرعی یا محض ناواقفی سے شریک ہوگئے ہیں، اُن کی نسبت، مَیں کوئی سخت حکم نہیں لگاتا۔

اور یہ شرعی نقطۂ نظر سے کہتا ہوں۔ اس کے لئے میرے ذہن میں دلائل ہیں۔

اس سے مجھے لیگ کی حمایت، مقصود نہیں۔ بلکہ اپنے سُنّی رضوی بھائیوں کو تکفیر و تضلیل و تفسیق سے بچانا، مقصود ہے۔

میرے سامنے حضور پُرنور، اعلیٰ حضرت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی رَوِش ہے۔

مدرسہ (منظرِ اسلام، بریلی) بحیثیت تعلیم دین اور جماعت (رضائے مصطفیٰ) بہ حیثیت تبلیغ عقائدِ اہلِ سُنّت بِفَضْلِہٖ تَعَالٰی اسی رَوِش اور اُسوۂ حَسَنۂ اعلیٰ حضرت، رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر ہیں۔

حضور پُرنور، اعلیٰ حضرت، رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مجھے مولوی عبدالباری صاحب کی دعوت پر اُس جلسے میں بھیجا تھا جس کے دعوت نامے میں مولانا عبدالباری صاحب وغیرہ

عُلمائے فرنگی محل (لکھنؤ) کے ساتھ مجتہدینِ روافض کے بھی نام تھے۔

اور یہ وہ وقت ہے جب مانٹی گو وزیر، ہندوستان آیا تھا اور سیلف گورنمنٹ کا، ہندوستان میں ایک شور وغوغا مچا ہوا تھا۔

مولانا عبدالباری صاحب نے تحریر فرمایا تھا کہ:

''اِس وقت اگر ہماری آواز کوئی وزن نہ رکھے گی تو دیوبندی، تمام مسلمانوں کے نمائندے بن کر اہلِ سُنّت کو مضرّت پہنچانے میں کوئی دَقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے۔''

میرے ہمراہ، حضرت مولانا ظہور حسین رام پوری، صدر دارُالعلوم (منظرِ اسلام، بریلی) اور جناب مولانا مولوی رحم الٰہی صاحب (منگلوری) اور صدرُالشریعہ مولانا امجد علی صاحب (اعظمی رضوی)، خُلفائے اعلیٰ حضرت بھی تھے۔ اور ہمیں اُس جلسہ میں جانا پڑا تھا جس میں روافض ووہابیہ وغیرہ بھی شریک تھے۔

تو کیا تحفظِ حقوق کے لئے اعلیٰ حضرت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ہمیں اجازتِ شرکت دینا عَیَاذاً بِالْمَولیٰ تَعالیٰ گمراہی وفسق کہا جاسکتا ہے؟

اور کیا ہم سب شریک ہونے والے، کسی گمراہی وفسق کے مُرتکب ہوئے تھے؟

حاشا۔ اَلْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِھَا۔ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ وَلِکُلِّ امْرِءٍ مَانَوٰی۔

عزیزم! اِن افتراءات کا سبب صرف اور صرف یہی ہے کہ:

میں نے اس مسئلہ کے متعلق بطور اِفہام وتفہیم، تبادلۂ خیالات کرنا چاہا تھا۔ میں اہلِ سُنّت میں تفریق اور رضویوں پر فتوائے تضلیل ہرگز پسند نہ کروں گا۔

میرے نزدیک، اعلیٰ حضرت، رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے جو سچے حلقہ بگوش ہیں وہ اگر کسی غرضِ شرعی سے شریک ہوگئے ہیں تو اُن پر میری فقہی نظر میں کوئی شرعی اِلزام نہیں۔

ہاں! جن کے عقائد فاسد ہوں، جیسے عقائد رکھتے ہوں، ویسے ہی حکم تکفیر یا تضلیل یا تفسیق کے مستحق ہوں گے۔'' اِلٰی آخِرِہٖ۔

(مَظَاھِرُ الْحَقِّ الْاَجلیٰ از حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی۔ طبع اول ۱۹۴۰ء۔ نابھ، پنجاب۔ وص ۴۳۱ وص ۴۳۲۔ فتاویٰ حامدیہ۔ مطبوعہ بریلی۔ ۲۰۰۳ء)

اہلِ سُنَّت و جماعت کی اپنی تنظیم بنا کر حالات کا مقابلہ کرنے، مسلمانانِ ہند کی صحیح رہنمائی کرنے اور ان کے مسائل کا حل تلاش کرنے کی حجۃ الاسلام نے کوشش کی مگر آپ پر افترا پردازی والزام تراشی کی بوچھار کرنے والوں نے یہ کام بھی نہ ہونے دیا۔ جس کا ذکر بڑے قلق واضطراب کے ساتھ کرتے ہوئے حجۃ الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

"عزیزم! میں نے تو اس بلائے عظیم کو دیکھتے ہوئے چاہا تھا کہ:

اہلِ سُنَّت کی تشکیل ہو جائے اور عُلمائے کرام ایک تنظیم کے تحت اپنی وہ آوازِ حق بلند کریں جو حضور پُر نور اعلیٰ حضرت، رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنۂُ کی آواز تھی۔

یعنی کفّار ومشرکین سے موالات، حرام ہونا۔ اور یہ آواز حضور پُر نور ہی کی آواز نہیں، اللہ ورسول جَلَّ جَلَالُہٗ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی صدائے برحق ہے۔

ہماری آواز پر اہلِ سُنَّت لبیک کہیں گے اور ہماری منظّم جماعت کی آواز ملک وقوم میں اپنے سر کے کانوں ہی تک نہیں، دلوں کی گہرائیوں تک اُتر جائے گی۔

مسلمان، لیگ وغیرہ کی رَو میں نہ بہیں گے، بلکہ ہمارے ساتھ ہم آواز ہوں گے۔ اِس طرح ہم، لیگ کے نہ سمجھے جائیں گے بلکہ لیگ، ہماری آواز اٹھانے والی ہوگی۔

اس منظّم جماعتِ عُلما کی ہدایات، لیگ اور تمام اِداراتِ اسلامیہ کو مذہباً ماننا پڑیں گی۔

مسلمان، اُن مفاسدِ شرعیہ سے محفوظ ہو جائیں گے جن کا خطرہ اب محسوس کیا جا رہا ہے۔

عُرسِ سراپا قُدس امامِ اہلِ سُنَّت، رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنۂُ میں جو اکابر عُلمائے اہلِ سُنَّت تشریف لائے تھے، میں نے انھیں جمع کر کے اس تنظیم کی تحریک کی تھی۔ مگر شومیِ قسمت سے بعض حضرات کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ مجلسِ مشاورت سے انھوں نے اس تفریق کو نظرِ استحسان سے دیکھا۔

پیارے عثمٰن! کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ:

میں نے جو یہ راہِ عمل نکالی تھی، اس میں کوئی شرعی نَقص تھا؟ یا کوئی کفر وگمراہی کا، راستہ تھا؟ جس کی یوں تخریب، رَوا رکھی گئی؟

مجھے اِس کی ان صاحبوں سے ضرور شکایت ہوئی اور ہے۔ جب یہ سب بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا تو مجبوراً مَیں اور دوسرے صاحبان بھی اٹھ کر چلے گئے۔

زمانہ شناسی، اگر ہوتی تو اس وقت دیوبندیوں پر بُری بنی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ انھیں ذِلّت ورُسوائی کا سامنا تھا۔ مسلمان اُن سے متنفّر ہو رہے تھے۔

اگر یہ تنظیم عُلمائے اہلِ سُنَّت ہو جاتی تو ہماری آواز نہ صرف کانگریس کے لئے زلزلہ اَفگن ہوتی، بلکہ اَحرار، جمعیۃ العُلما دہلی اور تمام کانگریسی دیوبندی مولوی، سب سے، مسلمان جُدا ہو کر اہلِ سُنَّت کے ساتھ ہوتے اور اعلیٰ حضرت، رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنۂُ کی آوازِ حق بلند کرتے۔ ان کی سچی غلامی کا دَم بھرتے۔ مَیں ضرور اس کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔

اور اس وقت جو مہلکے کی حالت، مسلمانوں کے لئے ہے، وہ کھلی آنکھوں کے سامنے ہے۔

مُشرکین، ہمارے دین اور مساجد کی توہین کر رہے ہیں۔ قربانی اور اذان جیسے شعائرِ دین بند کیے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی جان ومال وعزت وآبرو، سخت خطرے میں ہے۔

اسلام کے نام لیوا، محض اس جُرم میں کہ مسلمان ہیں، ذبح کیے جا رہے ہیں۔

کیا اب بھی ضرورتِ شرعی کا تحقُّق نہیں ہوتا؟" اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(مَظَاھِرُ الْحَقِّ الْاَجْلیٰ۔ مولّفہ حجۃ الاسلام، مولانا حامد رضا بریلوی۔ مطبوعہ نابھہ، پنجاب۔ ۱۹۴۰ء۔ وص ۴۳۲ و ۴۳۳۔ فتاویٰ حامدیہ۔ مطبوعہ بریلی)

دَورِ حاضر کے نامور عالمِ اہلِ سُنَّت، شہزادۂ صدرُ الشریعہ، مُحدِّث کبیر، علاّمہ ضیاء المصطفیٰ قادری، "مُبتدِعین کی مجالست ومشارکت کی مستثنیٰ صورتیں" اِس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"(۱) رَدّ ومناظرہ کی مجالست (۲) مصالحِ شرعیہ کی وہ صورتیں جن میں صرف اہلِ حق کی قیادت ہو۔ اور انھیں عملاً، غلبہ حاصل ہو (۳) مصالحِ شرعیہ کی وہ صورتیں جن میں اگرچہ قیادت، مشترک ہو مگر شرکت کرنے والے اہلِ حق، مؤثر شخصیت کے حامل ہوں۔ جن کے آگے، گمراہ فرقے سر اُبھارنے کی جرأت نہ کر سکیں اور نہ کارنامہ اپنے نام ریزرو کریں۔

(۴) وہ ضرورتِ شرعیہ جو بے اِشتراکِ عمل پوری نہ ہو سکے (۵) وہ ضرورتِ شرعیہ یا مصلحتِ شرعیہ جس میں اِشتراک نہ ہو تو بدمذہبوں کو قوت حاصل ہونا، مظنون ہو۔

لیکن اِن تمام اِستثنائی صورتوں میں ایک شرطِ مشترک یہ ہے کہ:

موالات کا کوئی عمل نہ برتا جائے۔"

(ص ۸۔ سہ ماہی "امجدیہ" قصبہ گھوسی، ضلع مئو۔ اتر پردیش۔ شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۹ء)

”اِستثنائی حکم، صرف اِسی صورت میں دیا جا سکتا ہے کہ:

اشتراکِ عمل کے بغیر، مسلمانوں کے بنیادی حقوق کا حصول، ناممکن ہو۔

تو اِس شرط کے ساتھ مشترکہ کوششیں جائز ہیں کہ:

وہاں نہ میل جول ہو، نہ وہاں دوستانہ تعلقات کا اِرتکاب ہو، نہ اہلِ سُنّت کے دینی وقار کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔

جب کہ اِن شرطوں کا فُقدان، موجودہ حالات میں نہ صرف مظنون، بلکہ واقع ہے۔“

(ص۹۔ سہ ماہی ”امجدیہ“ قصبہ گھوسی ضلع مئو۔ اتر پردیش۔ شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۹ء)

”ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اہلِ سُنّت کو تمام کلمہ گو جماعتوں کے بِالمقابل، اکثریت حاصل ہے۔ اِس لئے ضروری ہے کہ:

سُنّیوں میں باہمی اتحاد کی کوشش کی جائے۔ اور اِس طرح اپنے اِعتقادی تشخُّص کے ساتھ، مسلمانوں کے مذہبی سیاسی مفادات کے لئے جدوجہد کی جائے۔“

(ص۹۔ سہ ماہی ”امجدیہ“ قصبہ گھوسی ضلع مئو۔ اتر پردیش۔ شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۹ء)

مُشترکہ مقاصد کے حصول کی مُشترکہ جِدّ وجُہد کے سلسلے میں مُعتمد و مُستند عُلما کی صواب دید کے مطابق کوئی اِقدام وعمل کیا جا سکتا ہے جس میں شرعی اصول وحُدود کا پاس ولحاظ اور مِلّی وجماعتی وقار ومعیار کا تحفُّظ والتزام ضروری ہے۔

اِس سلسلے میں ”اَمِیرُ الْمُؤمِنِین اور اُولُوْ الْاَمْر کی اجازت“ کی قید لگانا اور اِس اجازت کو شرط قرار دینا ایک ایسی نکتہ آفرینی ہے، خواہ یہ کسی علّامۃُ الدَّہر ہی کی نکتہ آفرینی کیوں نہ ہو، اسے اُس وقت تک ”نکتہ بعد الوقوع“ اور اُس وقت تک ”ایجادِ بندہ“ ہی سمجھا جائے گا جب تک کہ اِس کے مدّعی، اپنی اِس شرط کی تائید میں کوئی قدیم یا جدید مستند فقہی جُزئیہ نہ پیش کر دیں۔

غیروں کی مجالس ومحافل میں مشروط شرکت یا کسی مخلوط تنظیم وجماعت کے ساتھ مشروط اِشتراکِ عمل کی مختلف صورتیں اور ان کے مختلف احکام ہیں۔ اور ایسی مجالس ومحافل میں شرکت کے خطرات بھی بہت ہیں۔ اس لئے بلاضرورت وحاجت ومصلحت ایسی مجالس ومحافل میں ہرگز شریک نہیں

ہونا چاہیے۔

لیکن خود اہلِ سُنّت کی تنظیم بننے بنانے اور اسے چلانے میں بھی بعض افراد کو نہ صرف یہ کہ کوئی دل چسپی نہیں بلکہ ایسی کوشش کو سبوتاژ اور درہم برہم کرنے میں انھیں ایک خاص قسم کی لذّت محسوس ہوتی ہے۔

ایسے کرم فرما حضرات، کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔

ماضی کی داستان آپ سُن چکے۔ **اب حال کی بدحالی** ملاحظہ فرمائیں:

عرسِ قاسمی برکاتی، مارہرہ شریف کی تقریبات میں چند سال پہلے ایک نہایت اہم تقریب کا اضافہ ہوا ہے اور وہ ہے: ”فکر وتدبیر کانفرنس“ جس میں عُلمائے اہلِ سُنّت ودانشورانِ قوم ومِلّت، اِس کانفرنس کے ایجنڈے کے مطابق، اظہارِ خیال، تبادلۂ خیال اور غور وفکر کرتے ہیں اور اسے عملی شکل دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہّرہ کی جانب سے حسبِ دستورِ سابق، عرسِ قاسمی برکاتی میں ہونے والی ”فکر وتدبیر کانفرنس“ (مؤرخہ، یکم ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۹/اکتوبر ۲۰۱۱ء) کا موضوع تھا: **”اہلِ سُنّت وجماعت کی شیرازہ بندی“**

بعض کرم فرمایانِ جماعت ویارانِ طریقت کو نہ یہ موضوع پسند آیا اور نہ کانفرنس کا اِس موضوع پر اِنعقاد، اور نہ ہی کانفرنس کی تجاویز وتفصیلات اُن کے حلق کے نیچے اُتر سکیں۔

بڑی بے چینی کے ساتھ تبصرے شروع ہو گئے۔ زبانی بھی اور تحریری بھی۔

گویا خود اہلِ سُنّت وجماعت کی شیرازہ بندی کا کوئی کام تو دور کی بات ہے، شیرازہ بندی وتنظیم کا نام سنتے ہی اُنھیں اپنا خودساختہ مسلک (غلط فکر وخیال) یا مفاد خطرے میں پڑتا ہوا نظر آتا ہے۔

کیا کیا جائے اور کیا کہا جائے ایسے حضرات کو؟ اور کیا تبصرہ کیا جائے اُن کی ذہنیت اور اُن کی رَوِش پر؟ اُن کے حق میں بس دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُنھیں شعورِ حق کے ساتھ فہمِ حالات ومعاملات کی صلاحیت اور مثبت فکر وخیال رکھنے کی سچی ہدایت اور عقلِ سلیم سے نوازے۔

آمین۔ بِجَاہِ حبیبِکَ سیّدِالمُرسَلین علَیہِ وعلیٰ آلِہٖ واَصحابِہٖ الصَّلوٰۃُ والتَّسلیم۔

کچھ لوگوں کی ذہنیت، کتنی فاسد اور طرزِ عمل کتنا شر انگیز وفتنہ خیز ہو چکا ہے، اِس کا کسی حد تک صحیح اندازہ مندرجہ ذیل اِستفتا کے نمبر وَار سوالات سے کیا جاسکتا ہے۔

واضح رہے کہ یہ سوالات اُسی غالی ومتشدِّد طبقہ کے افراد سے متعلق ہیں جو صبح وشام، اعلیٰ حضرت، اعلیٰ حضرت کا وظیفہ پڑھتے اور اُٹھتے بیٹھتے مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نعرہ (اِس وظیفہ اور نعرہ میں نمائشی عُنصر غالب ہوتا ہے) لگاتے رہتے ہیں۔

اِستفتا کے نمبر وَار سوالات اِس طرح ہیں:

(۱) پچھلے کچھ دنوں سے کُرلا (بمبئ) کے عُلماے اہلِ سُنَّت کو ''صلحِ کُلّی'' کہا جارہا ہے۔ اور جلسوں میں اِس کا اعلان کیا جارہا ہے۔

نیز ''ٹپوری مفتی'' اور ''صلحِ کُلّی مولوی'' کہہ کر اُن کا استہزا کیا جارہا ہے۔

(۲) دونوں تحریکوں (دعوتِ اسلامی وسُنّی دعوتِ اسلامی) کو گمراہ وگمراہ گر نہ کہنے والے عُلما کو ''صلحِ کُلّی'' کہا جارہا ہے۔

(۳) دعوت دینے والا اور مدعو، دونوں سُنّی ہوں۔ اگر اِس دعوت میں کوئی وہابی، دیو بندی وغیرہ بد مذہب شریک ہے۔ خواہ اسے دعوت دی گئی ہو یا نہ دی گئی ہو۔ تو ایسے سُنّی، شریکِ دعوت کو ''صلحِ کُلّی'' قرار دیا جارہا ہے۔ جب کہ بدمذہبوں سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) کچھ لوگ، مفتی نہ ہونے کے باوجود اپنے جلسوں میں کسی سنّی پر گمراہ وگمراہ گر وغیرہ کہہ کر سخت حکم لگاتے ہیں۔

(۵) کچھ لوگ، سُنّی صحیح العقیدہ امام کو ''صلحِ کُلّی'' کہہ کر قصداً جماعت، تَرک کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو وَرغلاتے ہیں۔

نیز جماعت کے وقت مسجد کے دروازے پر کھڑے رہتے ہیں اور جماعت کے بعد آکر نماز پڑھتے ہیں۔

لِہٰذا، چند سوالات، عُلماے کرام ومفتیانِ عِظام کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) جلسوں میں عُلماے اہلِ سُنَّت کو ''ٹپوری مفتی'' اور ''صلحِ کُلّی'' کہہ کر اُن کا، اِستہزا کرنا کیسا ہے؟

(۲) ایسی دعوت کے سُنّی شُرکا پر ''صلحِ کُلّی'' کا اِطلاق کرنا کیسا ہے؟

(۳) غیر مفتی شخص، اپنے جلسوں میں زبانی فتویٰ جاری کرے، اُس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور جس کو ''صلحِ کُلّی'' کہا گیا ہے اگر وہ واقعۃً ''صلحِ کُلّی'' نہیں تو کہنے والے پر، کیا حکم ہے؟

(۴) دونوں تحریکوں (دعوتِ اسلامی وسُنّی دعوتِ اسلامی) کو گمراہ وگمراہ گر قرار دینا، کیسا ہے؟

(۵) دونوں تحریکوں کے بارے میں حکمِ شرعی کیا ہے؟ اِن میں شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر اِن سے دوری اختیار کرنے کا حکم ہے تو دوری کی، کیا حَد ہے؟

اور اِن سے دوری اختیار نہ کرنے والے عُلما پر کیا حکم، عائد ہوتا ہے؟ اور جو عُلما اِن کے جلسوں میں شریک ہوں، اُن کا کیا حکم ہے؟

(۶) سُنّی صحیح العقیدہ امام کو ''صلحِ کُلّی'' کہہ کر قصداً جماعت تَرک کرنے اور لوگوں کو وَرغلانے، نیز عین جماعت کے وقت، مسجد کے دروازے پر کھڑے رہنے والے اور بعدِ جماعت، نماز پڑھنے والے کا، کیا حکم ہے؟

(۷) ''صلحِ کُلّی'' کی صحیح تعریف کیا ہے؟

(۸) سُنّی صحیح العقیدہ عُلما کو ''صلحِ کُلّی'' کہنے والے پیر کی بیعت، جائز ہے یا نہیں؟

اگر جائز نہیں تو جو بیعت ہو چکے، وہ کیا کریں؟

اَلْمُسْتَفتِیان:۔ عُلماے اہلِ سُنَّت، کُرلا۔ بمبئ

(1)smikram786@gmail.com(2)naim misbahi@yahoo.com

جواب، طویل ہونے کی وجہ سے یہاں نقل نہیں کیا جارہا ہے۔ مندرجہ بالا اِی میل پر اِنٹرنیٹ کے ذریعہ میسیج بھیج کر سوال وجواب دونوں حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

ویسے نظرِ غائر سے مطالعہ کریں تو زیرِ نظر رسالہ میں اکثر سوالات کے جوابات مل جائیں گے۔

مؤرخہ ۴ر جمادی الآخرہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۶ر اپریل ۲۰۱۳ء بروز منگل، کُرلا، بمبئی کے مقامی عُلما اور ائمۂ مساجد ومتولیانِ مساجد کی ایک ہنگامی مٹنگ، بعد نمازِ عشا، سنّی مدرسہ، آگرہ روڈ، کُرلا۔ بمبئی میں ہوئی اور غور وخوض وتبادلۂ خیال کے بعد تقریباً دو درجن عُلما وائمۂ مساجد ومتولیانِ مساجد کے دستخط کے ساتھ مذکورہ اِستفتا، مفتیانِ کرام کی خدمت میں بھیجا گیا۔

مذکورہ استفتا اور سوالات سے صورتِ حال پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ:

''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کا نام لے کر اِس کی آڑ میں کچھ لوگ کس طرح کی جہالت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اور مسلمانانِ اہلِ سُنّت کو اپنے مذموم خیالات وعزائم کا شکار بنا رہے ہیں۔

جب کہ مذہب اہلِ سُنّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت، یہ ہے کہ:

جو صحیح العقیدہ سُنّی مسلمان ہیں خواہ وہ کسی خانقاہ وادارہ و تنظیم وغیرہ سے وابستہ ہوں، بہر حال وہ اپنے ہیں اور انھیں اپنا ہی سمجھا جانا چاہیے۔

اور کسی مسئلہ میں کسی سُنّی سے کوئی اختلاف ہو جب بھی اُس کے ساتھ گفتگو وبحث ومباحثہ کی صورت میں شرعی تقاضوں اور جماعتی مفادات ومصالح کا اِلتزام ضروری ہے۔ اور اپنوں کے ساتھ ہر حال میں اپنائیت ہی کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔

نہ یہ کہ ''**سَیفُ الاسلام**'' اور ''**صَمصَامُ الاسلام**'' لے کر نکل کھڑے ہوں اور اپنوں ہی پر وار کر کے روحِ اُمّت کو شہید، وحدتِ مِلّت کو پارہ، پارہ اور نظامِ اہلِ سُنّت کو درہم برہم کرنے لگیں۔

اپنے کسی بھی عالم و مفتی سے کوئی فرعی فقہی اختلاف ہو تو علمی وفکری انداز سے فِقہی دلائل کی روشنی میں ہی اُس کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا جانا چاہیے۔

اُسے کسی بھی حال میں ''رَدِّ وہابیہ'' جیسے انداز کا ''تختۂ مشق'' نہیں بنانا چاہیے۔ مصالحِ شرعیہ اور اخوتِ دینی کا لحاظ والتزام، ہر حال میں ضروری ہے۔

بعض کرم فرما افراد، سالہا سال سے مسلسل اور متعیَّن ونامزد طور پر جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور اس کے دو چار قدیم فارغین کے خلاف لکھتے بولتے چلے آرہے ہیں۔ قطعِ نظر اس کے کہ اِس طرح کی تحریروں اور بیانوں میں کتنی حقیقت اور کتنا فسانہ بلکہ کتنی اِلزام تراشی اور کتنا کِتمانِ حق ہے؟ انھیں اِس کا ذرا بھی احساس نہیں کہ اُن کی کس تحریر وتقریر کا اَغیار، کیا فائدہ اٹھائیں گے؟

اشرفیہ مبارک پور اور مصباحیوں کے خلاف نامزد پروپگنڈہ اور اِلزام تراشی کرنے والوں کا یومِ حساب بھی اب قریب آتا جا رہا ہے۔

اشرفیہ مبارک پور اور ذِمّہ دارانِ اشرفیہ کے خلاف اِلزامات اور پروپگینڈوں کے جو تقریری

وتحریری نمونے سامنے آرہے ہیں، اُنھیں دیکھ سُن کر مجھے یاد آیا کہ ہٹلر کی بھی یہی رَوِش اور اُس کی بھی یہی پالیسی تھی۔

اڈولف ہٹلر (ADDOLF HITLER-1889-1945) پروپگینڈہ کی اپنی پالیسی کا اظہار اِس طرح کرتا ہے:

''ہُنر مندانہ اور مسلسل پروپیگنڈے کے ذریعہ یہ بھی ممکن ہے کہ:

لوگ، دوزخ کو بہشت اور بہشت کو دوزخ سمجھنے لگیں۔

اور جو پروپگینڈہ سب سے مؤثر ہونا چاہیے، لازم ہے کہ:

اُسے زیادہ عاقلانہ اور دانش مندانہ بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ ایسا پروپیگنڈہ، ہمیشہ اور اوّلاً جذبات پر مبنی ہونا چاہیے، نہ کہ عقلی اِستدلال پر۔

پروپیگنڈہ کو علمی صحت ودرستی سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ پوسٹر کو فن سے ہوسکتا ہے۔

عوام کی جتنی زیادہ تعداد کو متأثر کرنا منظور ہے، پروپیگنڈے کی سطح اتنی ہی نیچی ہونی چاہیے۔'' (ص ۲۲۸۔ دسواں باب، زیرِ عنوان: ہٹلر کی کتاب ''میری جدوجہد'' نام کتاب ''کتابیں! جنھوں نے دنیا بدل ڈالی'' تصنیف: رابرٹ لی ڈاؤنز۔ ترجمہ بقلم: غلام رسول مہر۔ مطبوعہ پاک وہند)

اِس پروپگینڈہ مُہم کا تازہ ترین نمونہ یہ ہے کہ:

اِس سال (صفر المظفر ۱۴۳۵ھ/ اَوَاخرِ دسمبر ۲۰۱۳ء) عرسِ رضوی، بریلی شریف کے ایام (۲۳/۲۴/۲۵ صفر) میں کسی انجمن عاشقانِ اولیا (جو کوئی محدود اور گم نام انجمن ہے) نے موبائل میسیج کے ذریعہ کچھ مخصوص لوگوں کے درمیان یہ پروپگینڈہ کیا اور اَفواہ پھیلانے کا مذموم کارنامہ انجام دیا کہ:

''مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی صاحب (صدرُ المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور) نے مولانا محمد الیاس قادری، اَمیرِ دعوتِ اسلامی کی مجدِّدِیَّت کی تائید کی ہے۔''

حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی کو کسی نے بذریعہ موبائل فون اطلاع دی کہ:

حضرت! آپ کے نام سے اِس طرح کی افواہ پھیلائی جا رہی ہے۔''

مصباحی صاحب نے اسے جواب دیا کہ:

"نہ مجھے اِس طرح کی کوئی اطلاع ہے اور نہ میں نے ایسی کوئی بات کہی ہے۔"

اس کے بعد مصباحی صاحب نے اشرفیہ کی ویب سائٹ پر بھی اپنا بیان جاری کر کے اَفواہ بازوں کی مکروہ ومذموم سازش، ناکام بنادی۔

مجھے جب اِس کی اطلاع ملی کہ اِس طرح کی منصوبہ بند حرکت کی جارہی ہے تو میں نے اِس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

کسی تیز طرّار عالم کا نام لے کر یہ اَفواہ اُڑائی گئی ہوتی تو وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ:

اگر مجدِّد بننا اور بنانا اتنا آسان کام ہوتا تو میں مولانا محمد الیاس قادری صاحب کی مجدِّدیّت کی تائید کرنے کی بجائے خود اپنی مجدِّدیّت کا اعلان کر دیتا۔

آخر اتنی عظیم نعمت کسی دوسرے کے حوالے کر دینا کون سی عقل مندی ہے؟"

حضرت مصباحی صاحب کے خلاف جو افواہ پھیلائی گئی، اُس سے یہ اندازہ کر لینا بہت آسان ہے کہ کچھ لوگ پروپیگنڈہ کی کتنی گھٹیا سطح پر اُتر آئے ہیں اور کتنی اوچھی حرکتوں پر کمر بستہ ہو چکے ہیں۔

چھُری بھی تیز، ظالم نے نہ کرلی
بڑا بے رحم ہے، قاتل ہمارا

آج کل کچھ لوگ "اعلیٰ حضرت" اور "مسلکِ اعلیٰ حضرت" کا نام اپنی مطلب برآری کے لئے کس طرح استعمال کر رہے ہیں اور مسلمانانِ اہلِ سُنّت کے جذبات سے کس طرح کھیل رہے ہیں؟ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی ہے۔

ضِد، حَسد، عِناد، نفسانیت کا بُخار اُن کے اوپر اتنا سوار ہے کہ وہ اپنوں ہی کے خلاف، افواہ بازی وخامہ فرسائی کرتے رہنے کو گویا سب سے بڑا کارِ ثواب سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور اپنے خیال کے مطابق ایسے ہی کاموں میں مصروف رہنا "مسلکِ اعلیٰ حضرت" کی عظیم خدمت تصور کرنے لگے ہیں۔

ایسے کرم فرماؤں کی اِس طرح کی مسلسل آنے والی تحریریں پڑھ کر اور اُن کی تقریریں سُن کر کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مثبت اور تعمیری انداز کی سوچ اور صلاحیت ہی سے یکسر محروم ہیں۔

اُن کی تقریباً ہر تحریر یا تقریر اِسی حقیقت کا اِظہار و اعلان کر رہی ہے۔

آج کل بعض افراد "اعلیٰ حضرت" اور مسلکِ اعلیٰ حضرت" کا اپنی تحریر وتقریر میں بڑے

پُر جوش اور جذباتی انداز میں بار بار ذکر کر کے خود اہلِ سُنّت کے بعض افراد، اداروں، تنظیموں، خانقاہوں پر جارحانہ حملے کر کے اُن کی سُنّیت کو کمزور یا مشکوک ٹھہرانے کی مسلسل خدمت انجام دے رہے ہیں۔ جب کہ ایسے جھنڈا بردار افراد کے عزائم خود مشکوک ومشتبہ ہیں۔

اور ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس طرزِ عمل سے ایک طرف خود کو نہایت صحیح العقیدہ سنّی کی حیثیت سے عوام اہلِ سُنّت کے سامنے، پیش کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف عوام کے درمیان اپنی شہرت میں اضافہ کر کے ان کی نظر میں مقبول ہونا اور "ظاہری فیوض وبرکات" سے مالا مال ہو کر اپنی دنیا سنوارنا چاہتے ہیں۔

اِس کوشش اور لپک میں اُن سے طرح طرح کی حرکتیں صادر ہو رہی ہیں جن سے مذہب ومسلک کا وقار اور عُلما کا اعتبار، مجروح ہو رہا ہے۔

اِس طرح کے مظاہر سے آج کل کے بعض سنّی اسٹیج شرمسار ہو رہے ہیں جن سے مخلص وباشعور عُلما وعوامِ اہلِ سُنّت، سخت اضطراب وبے چینی کا شکار ہو رہے ہیں۔

بہر حال! اب ایک اہم پہلو کی جانب، معزز قارئینِ کرام اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔

کوئی فتویٰ یا کسی فتویٰ کی تصدیق نہ کرنے کا سبب کوئی داخلی یا خارجی، کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

جسے جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بلا تحقیق، کوئی پروپگنڈہ کرنا اور بدگمانی و پروپگنڈہ کا شکار ہو جانا، شانِ عُلما سے بعید تر بات ہے۔

ایک بار، عرسِ قاسمی برکاتی، مارہرہ مطہرہ کے ایام میں فقیہِ مِلّت، حضرت مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی (متوفی ۴؍جمادی الآخرہ ۱۴۲۲ھ/۲۳؍اگست ۲۰۰۱ء) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان نے مارہرہ شریف کی اپنی قیام گاہ پر دورانِ گفتگو اپنا ایک واقعہ سنایا کہ:

"فلاں (حضرت فقیہِ مِلّت نے یہاں اُس کا نام لیا) میرے پاس ایک فتویٰ پر تصدیق کے لئے آیا۔ اُس نے فتویٰ میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ:

اِس پر بہت سے عُلما ومفتیانِ کرام کی تصدیقات ہیں، آپ بھی اِس کی تصدیق کر دیں۔"

میں نے اُسے پڑھ کر سوچا کہ اُس کی تصدیق کردوں۔ معاً مجھے خیال آیا کہ اس نے یہاں

آنے کے وقت مجھ سے سلام تو کیا نہیں؟ جب یہ مجھ سے سلام کرنے کا رَوادار نہیں ہوا تو مجھے مفتی سمجھ کر مجھ سے تصدیق کرانے کیوں میرے پاس آ گیا؟

اور ایسی صورت میں اُس کے لائے ہوئے اِس فتویٰ کی تصدیق، مَیں کیوں کروں؟

چنانچہ میں نے اُس سے کہا کہ:

یہ سب یہاں سے لے جاؤ۔ میں کوئی تصدیق نہیں کروں گا۔ اور یہاں سے فوراً نکل جاؤ۔

اِس طرح وہ شخص ناکام ہو کر واپس چلا گیا۔‘‘

حضرت فقیہِ مِلّت سے تصدیقی دستخط کرانے آیا ہوا فلاں شخص ایسے نادر و نایاب طبقے کا فرد ہے جو بڑے بڑے عُلماے اہلِ سُنّت کی اِقتدا اور ان حضرات کی امامت قبول کرنا بلکہ انھیں سلام کرنا بھی اپنی ’’شانِ سُنّیت‘‘ کے خلاف سمجھتا رہا ہے۔ (اِس ’’فلاں‘‘ کا نام معلوم کرنے کی کوئی صاحب، شرعی ضرورت محسوس کریں تو انھیں نام بھی بتایا جا سکتا ہے)

یہ تو ہُوا خارجی سبب۔ اب ایک داخلی سبب بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ایک اِستفتا مع جواب کی، بڑے زور و شور کے ساتھ تبلیغ و اشاعت کی جا رہی ہے۔

یہ اِستفتا، دارُالاِفتا، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور بھی پہنچا مگر اُس کا جواب لکھنے سے پہلے اُس کی تنقیح، ضروری سمجھی گئی۔ جس کی نقل، ذیل میں درج کی جا رہی ہے:

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم

تنقیح

محترم مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب۔ دَامَ مَجدُھُم

سلام مسنون!　　مزاج شریف؟

آپ نے ماہنامہ جامِ نور، دہلی، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۷ء میں شامل مضمون ’’تبلیغ کی راہیں، مَسدود کیوں؟ کی زیروکس کاپی اِرسال کی ہے اور اس سے متعلق چند سوالات قائم کیے ہیں۔

سوال نامہ میں بعض اُمور، غور طلب اور تنقیح طلب ہیں۔ مثلاً:

(۱) سوال نامہ کی ابتدا میں آپ نے اس رسالے سے متعلق لکھا ہے کہ اس میں کبھی

(۱) مسلّماتِ اہلِ سُنّت پر (۲) کبھی معمولاتِ اہلِ سُنّت پر (۳) کبھی بریلویت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت پر (۴) کبھی خود اعلیٰ حضرت پر تنقیدی مضامین یا پیراگراف ہوتے ہیں۔

الگ الگ چاروں قسم کے مضامین یا پَیراگراف کے حوالے درج کریں۔

جلد، شمارہ، صفحہ، سطر، واضح طور پر بتائیں۔ بلکہ زیروکس بھی منسلک کر دیں تاکہ آپ کا بیان مع تصدیق و ثبوت، مُجیب کے سامنے رہے۔

(۲) الف: سوال نمبر ۶ میں آپ نے چند اکابر کے نام گِناتے ہوئے لکھا ہے کہ:

انھوں نے، مسلکِ اعلیٰ حضرت پر عمل کیا اور بالاِلتِزام نعرہ لگوایا۔‘‘

خط کشیدہ جملہ سے متعلق، ذکر شدہ اکابر میں سے ہر ایک کے بِالالتزام نعرہ لگوانے کا مستند تحریری ثبوت درکار ہے۔ ارسال فرمائیں۔

ب: اسی سوال نمبر ۶ میں یہ بھی ہے کہ آج اگر کوئی اسے ’’غلط کہہ رہا ہے‘‘

زیرِ بحث مضمون میں سے وہ جملہ نقل کریں جس میں اسے ’’غلط‘‘ کہا گیا ہے۔

(۳) سوال نمبر ۳ میں آپ نے لکھا ہے:

سیکڑوں ادارے ’’مسلکِ اعلیٰ حضرت‘‘ کے ضابطے کے تحت چل رہے ہیں۔‘‘

کیا ان اداروں کے دستور میں صرف اتنا ہی درج ہے کہ:

یہ ادارہ ’’مسلکِ اعلیٰ حضرت‘‘ کا پابند ہوگا۔ یا اس کی کچھ وضاحت بھی ہے؟ یا سرے سے یہ لفظ ہی درج نہیں؟

گذارش ہے کہ سیکڑوں میں سے کم از کم پچیس (۲۵) معروف وممتاز اداروں کے دستوروں سے ’’مسلک‘‘ کی دفعہ کی مصدَّقہ نقل بھیجیں۔ تاکہ آپ کا بیان مع تصدیق وثبوت، مُجیب کے سامنے رہے۔

(۴) بہتر ہوگا کہ اطمینان کے لئے کچھ ایسے معروف مدارس اور معروف مساجد کے نام پتے بھی درج کر دیں۔ جن میں ’’مسلکِ اعلیٰ حضرت‘‘ کا بورڈ، آویزاں ہے۔ جیسا کہ آپ نے سوال نمبر ۴ میں لکھا ہے۔

اپنے سوال نامہ سے متعلق درج بالا تنقیحات، جلد از جلد اِرسال فرمائیں۔ تاکہ جواب آپ کے شواہد کی روشنی میں لکھا جائے۔

’’مسلکِ اعلیٰ حضرت‘‘ اِس زمانے میں ’’مسلکِ اہلِ سُنّت‘‘ کا مُترادف ہے۔ یہ کہنا، لکھنا جائز ہے۔ اس میں کوئی مضایقہ نہیں۔

تفصیلی فتویٰ اِنْ شَاءَ اللّٰه تَعَالیٰ آپ کا جواب آنے کے بعد تحریر کیا جائے گا۔

فقط والسَّلام ۔ کَتَبَہٗ: محمد نظام الدین الرضوی

خادمُ الِافتا، دارُ العلوم اشرفیہ۔ مبارک پور۔ ۲۶ رشوال ۱۴۲۸ھ۔

حضرت مفتی نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی کے بیان کے مطابق:

مندرجہ بالا تنقیح نامہ بذریعۂ رجسٹرڈ ڈاک، مستفتی کے نام اِرسال کیا گیا۔ اور اس کے کچھ دنوں بعد مستفتی کو فون کے ذریعہ اس کی اطلاع بھی مل گئی۔

مفتی صاحب کا یہ خیال بھی مستفتی کو معلوم ہو گیا کہ:

’’آپ تنقیح نامہ کا جواب جتنی جلد اِرسال کر دیں گے، آپ کے اِستفتا کا جواب بھی اُسی کے لحاظ سے فوراً تحریر کر کے آپ کو بھیج دیا جائے گا۔‘‘

مستفتی نے اس گفتگو میں کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے یہ اشارہ بھی ہوتا ہو کہ انھیں تنقیح نامہ نہیں ملا۔ بِالفَرض انھیں اس وقت تک تنقیح نامہ نہیں ملا تھا تب بھی وہ یاد دِہانی اور تقاضا کر کے اسے حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔

اور ابھی تک اس تنقیح نامہ کا کوئی جواب ہی نہیں ملا تو پھر اس اِستفتا کا جواب کیوں اور کیسے لکھا جائے؟

اِس موقع پر قارئین یہ بھی جان لیں تو اُن کا سارا ذہنی خلجان دور ہو جائے گا کہ:

تنقیح نامہ جاری ہونے کے بعد ایک جامعہ کے اساتذہ کو اِس خدمت پر مامور کیا گیا کہ وہ ایسے مَواد، تلاش کریں جو تنقیح نامہ کے سوالات کا جواب بن سکیں۔

غالباً اِس مُہم میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی اِس لئے تنقیح نامہ اور اس کے سوالات کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کی گئی۔

اِس واقعہ سے متعدد عُلما اور ذِمَّہ دار حضرات اچھی طرح واقف ہیں۔

اِسی اِستفتا کا جواب، ایک دوسرے مفتی صاحب نے تحریر کیا ہے۔ اب مذکورہ حالات کی روشنی میں اساتذۂ اشرفیہ مبارک پور اس پر کیوں تصدیقی دستخط کریں؟ اُور ان کے اس موقف پر انھیں مَطعون کرنے اور مَوردِ الزام ٹھہرانے کا عمل کیوں کر جائز ہے؟

تنقیح نامہ کا سرے سے کوئی ذکر نہ کر کے، کتمانِ حق کے کتنے سنگین جُرم کا اِرتکاب کیا جا رہا ہے؟ اِس کا فیصلہ اہلِ علم وفکر اور خواص وعوام خود کر لیں تو بہتر ہے۔

ایک مضمون، ماہنامہ کنز الایمان، دہلی میں شائع کرنے کے تعلق سے میرا بھی ایک جواب ملاحظہ فرمائیں:

ایک صاحب جو آج کل مسلکِ اعلیٰ حضرت کے نامی گرامی جھنڈا بردار ہیں، دفترِ ماہنامہ کنز الایمان، مٹیا محل، دہلی تشریف لائے۔ یہ آٹھ، دس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اُس وقت ماہنامہ کی اِدارت مَیں ہی کر رہا تھا اور ساجد ہاشمی فردوسی اس کے نائب مدیر تھے۔

وہ صاحب جب دفتر میں پہنچے تو مَیں کسی کام سے دفتر سے باہر گیا ہوا تھا۔ انھوں نے ساجد ہاشمی صاحب کو ایک مضمون دیا اور کہا کہ: اِسے ماہنامہ کنز الایمان کے قریبی شمارہ میں شائع کر دیجئے گا۔‘‘

ساجد ہاشمی صاحب نے کہا: میں اِسے فائل میں رکھ دیتا ہوں۔ مصباحی صاحب جب آئیں گے تو اسے دیکھ کر اس کے بارے میں جو فیصلہ کرنا ہے، وہی کریں گے۔‘‘

آنے والے صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

”یہ مضمون، اعلیٰ حضرت سے متعلق ہے۔ اگر مصباحی صاحب اسے شائع نہیں کریں گے تو مَیں جگہ جگہ ان کی شکایت کروں گا کہ:
اعلیٰ حضرت کے بارے میں انھوں نے ماہنامہ کنز الایمان میں یہ مضمون شائع نہیں کیا۔“

ساجد ہاشمی صاحب نے کہا کہ: جو کچھ بھی ہوگا اُس کا فیصلہ، مصباحی صاحب ہی کریں گے۔“

مَیں جب واپس دفتر پہنچا تو ساجد ہاشمی صاحب نے سارا واقعہ سنایا اور فائل سے مضمون نکالتے ہوئے مجھے دیا کہ یہ مضمون انھوں نے دیا ہے۔

میں نے اس مضمون کو پڑھے بغیر، ساجد ہاشمی صاحب سے کہا کہ:

وہ ابھی مٹیا محل (دہلی) کے کسی کتب خانہ میں ہوں گے۔ یہ مضمون ساتھ لیتے جایئے اور جہاں بھی وہ ملیں انھیں یہ مضمون واپس کرتے ہوئے صراحت کے ساتھ کہہ دیجیے کہ:

مصباحی صاحب یہ مضمون، ماہنامہ کنز الایمان میں شائع نہیں کریں گے۔“

چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور وہ مضمون انھیں واپس کر دیا گیا۔

ایسے شر انگیز وفتنہ خیز جھنڈا برداروں کا صحیح جواب یہی ہے۔ اور انھیں اِسی طرح کا جواب ملنے لگے تو بہت جلد ان کا دماغ درست ہو جائے گا۔

مندرجہ بالا ”تنقیح نامہ“ اُس بنیاد کو ہی منہدم اور بے نام ونشان کرنے کے لئے کافی ہے جس کا سہارا لے کر، بلکہ جس کی آڑ میں اشرفیہ کے دارُ الِافتا اور عُلمائے اشرفیہ مبارک پور کے خلاف اِلزام تراشی اور مذموم پروپگنڈہ کا ”ریت محل“ تعمیر کیا گیا ہے۔

سرِ دست، **مزید ایک تحریری بیان**، ملاحظہ فرمالیں جو ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور (شمارہ اگست وستمبر ۲۰۰۸ء) اور ماہنامہ کنزُ الایمان، دہلی (شمارہ ستمبر ۲۰۰۸ء) میں شائع ہو چکا ہے۔

یہ بیان، مولانا محمد ادریس بستوی، نائب ناظم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی جانب سے مذکورہ دونوں ماہناموں میں بھیجا اور اسے شائع کیا گیا ہے۔ مگر اس کے باوجود بعض بدنیت وشر پسند افراد اصل واقعہ کو توڑ مروڑ کر اور اِس مطبوعہ وضاحتی بیان کو نظر انداز کر کے محض روزنامہ ”راشٹریہ

سہارا“ اور ہفت روزہ ”مرکز“، لکھنؤ کے کسی مجہول رپورٹر کی خود ساختہ رپورٹ پر اعتماد کرتے ہوئے انھیں عام طور پر تحریراً وتقریراً اُچھالتے رہتے ہیں تاکہ اشرفیہ مبارک پور کے خلاف اپنی پروپگنڈہ مُہم میں جان پیدا کر سکیں۔ مطبوعہ وضاحتی بیان، ذیل میں معزّز قارئین بھی ملاحظہ فرمائیں:

”آج سے چند سال قبل، جامعہ عربیہ، سلطان پور (یوپی) کے جلسۂ دستار بندی میں میری شرکت ہوئی تھی۔ اِس اجلاس میں جامعہ عربیہ کے اساتذہ اور دیگر عُلمائے کرام بھی موجود تھے۔

اِس اجلاس کی رپورٹنگ کرتے ہوئے ہفت روزہ ”مرکز“ لکھنؤ کے نامہ نگار نے یہ لکھ دیا کہ:
مولانا محمد ادریس بستوی نے اپنی تقریر میں کہا کہ: مسلمان، کسی بھی امام کے پیچھے نماز پڑھیں۔“

مذکورہ رپورٹ بالکل جھوٹ اور قطعاً غلط ہے۔ میں نے اپنی تقریر میں یہ بات ہرگز نہیں کہی ہے۔ بطورِ گواہ، جامعہ عربیہ، سلطان پور کے تمام عُلما اور دیگر موجود عُلمائے کرام ہیں۔

مذکورہ اخبار کے اس حصے کی فوٹو کاپی کرا کے کچھ لوگ تقسیم کر رہے ہیں۔ مگر مجھ سے براہِ راست کوئی دریافت نہیں کرتا۔

میں پوری وضاحت سے پھر کہتا ہوں کہ: میں نے ایسی کوئی تقریر نہیں کی ہے۔

اِس اجلاس میں مَیں نے بہت سی باتوں کے ساتھ یہ کہا تھا کہ:

اگر کوئی مسلمان، کسی اجنبی جگہ پہنچ گیا، وہاں نماز کی جماعت ہو رہی ہے اور کسی وجہ سے یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ یہ لوگ کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں؟ تو جماعت، ترک نہ کرے، نماز پڑھے۔

البتّہ اگر بعد میں معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ اپنی جماعت کے نہیں تھے تو فوراً اپنی نماز دُہرائے۔ اور یہ معلوم ہو کہ اپنی ہی جماعت تھی تو سُبحٰنَ اللّٰہ۔ جماعت کا ثواب بھی ملا اور نماز بھی ہو گئی۔

میں نے اپنی تقریر میں جو کہا تھا۔ اب اس کا جُزئیہ بھی فتاویٰ رضویہ سے ملاحظہ فرمالیا جائے:

مَسْئلہ: ۔ کسی مسجد میں جماعت، تیار ہے۔ لیکن اتنا وقت نہیں کہ دریافت

کیا جائے کہ امام، سُنّی ہے یا وہابی؟ تو جماعت سے نماز پڑھنا چاہیے یا اپنی علٰحدہ؟

اَلْجَوَاب:۔ جب کہ شُبہ کی کوئی وجہِ قوی نہ ہو، جماعت سے پڑھے۔ پھر اگر تحقیق ہو کہ امام، وہابی تھا، نماز پھیرے۔ وَاللّٰہُ تَعَالیٰ اَعْلَم۔

(ص ۲۵۰۔ فتاویٰ رضویہ، جلد سوم۔ مطبوعہ سُنّی دارُالاشاعت، مبارک پور و رضا اکیڈمی، بمبئی)

محمد ادریس بستوی۔ (ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور۔ شمارہ اگست وستمبر ۲۰۰۸ء۔ وماہنامہ کنزالایمان، دہلی۔ شمارہ ستمبر ۲۰۰۸ء)

جھنڈا بردار افراد جواب دیں کہ جب مولانا محمد ادریس بستوی کے اصل بیان کے خلاف کوئی گواہی تو درکنار، کوئی قابلِ وثوق خبر نہیں تھی، نہ انھوں نے براہِ راست، مولانا محمد ادریس بستوی سے کوئی تحقیق کی تو محض اخباری خبر جس کی کوئی حقیقت نہیں، اسے بنیاد بنا کر ان کے خلاف، مذموم پروپگنڈہ مُہم کیوں چلائی؟

یقیناً اسی طرح کے مواقع اور ایسے ہی افراد کی تنبیہ وہدایت کے لئے یہ ارشادِ نبوی ہے کہ:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كِذباً اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِع۔ (الحدیث)

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات، دُہراتا پھرے۔''

تلبیس وکتمانِ حق کے اِس طرح، مَزید حقائق بھی ہیں جن سے مسلمانانِ اہلِ سُنَّت جلد ہی واقف ہو جائیں گے۔

سالہا سال سے اشرفیہ مبارک پور کے خلاف ہونے والی اِلزام تراشی اور پروپگنڈے کو محض اِس لئے برداشت کیا گیا کہ حاسدین ومخالفینِ اشرفیہ، عقل وشعور سے جب بھی کام لیں گے تو انھیں اپنی اِن حرکتوں پر ندامت ہوگی۔ لیکن افسوس کہ یہ سلسلہ تھمنے اور رُکنے کی بجائے بڑھتا ہی چلا گیا۔ جس کی وجہ اس کے سِوا کچھ نہیں کہ یہ ایک منصوبہ بند مُہم ہے۔

ذِمّہ دارانِ اشرفیہ مبارک پور کے سامنے جماعتی مفادات ومصالح بھی ہیں کہ جواب دَر جواب سے جماعت کے اندر غیر ضروری اختلاف وانتشار برپا ہوگا۔ اُن کے سامنے حافظِ مِلّت عَلَیهِ الرَّحْمَةُ وَالرِّضْوان کا طرزِ عمل اور آپ کی صالح تعمیری روایت بھی ہے اور ہدایت بھی ہے کہ:

''میرے نزدیک ہر **''مخالفت''** کا جواب، **''کام''** ہے۔''

''کام'' ہی ہر ''مخالفت'' کا جواب ہے۔'' وغیرہ وغیرہ

لیکن! اے بَسا آرزو کہ خاک شدہ۔

''کچھ لوگوں کے نزدیک، ہر ''کام'' کا جواب، ''مخالفت'' ہے۔''

ایسے افراد، فعل وعمل کا جواب، گرمیِ گفتار اور سوقیانہ تحریروں سے دینا چاہتے ہیں۔

چنانچہ ابھی نومبر ودسمبر ۲۰۱۳ء میں بمبئی کے اندر ایسے ہی کچھ افراد نے منصوبہ بند طریقے سے پے در پے متعدد اجلاس کرائے جس کے ایک جلسے میں ایک مولوی نے اپنی تقریر میں اشرفیہ مبارک پور کو چندہ نہ دینے کی عوام سے اپیل کی۔ جس کی تردید اگرچہ اسی طرح کے دوسرے جلسے میں ہوگئی، مگر اس تردید کے باوجود، دو ایک روز کے بعد اسی طرح کے جلسے میں ایک دوسرے مولوی نے اپنی تقریر میں یہ جاہلانہ فتویٰ دے ڈالا کہ:

''اشرفیہ، مبارک پور کو چندہ دینا، ناجائز وحرام ہے۔'' **اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالیٰ۔**

اِس جاہلانہ فتویٰ کی جھنڈا بردار گروپ کے مولویوں نے اپنے سکوت کے ذریعہ تائید کی اور میرے علم واطلاع کے مطابق کسی جھنڈا بردار مولوی نے تادمِ تحریر اس کی زبانی یا تحریری تردید نہیں کی ہے۔ اس سلسلے میں مفتیانِ شرعِ متین ہی بہتر بتا سکیں گے کہ:

کسی سُنّی ادارے میں چندہ (مالی تعاون) دینے کو حرام قرار دینا کیسا ہے؟ اور اس کے قائل کے بارے میں کیا حکمِ شریعت ہے؟

اشرفیہ مبارک پور کے خلاف اِس سنگین فتویٰ بازی کے جواب میں پورے یقین واذعان کے ساتھ، مَیں یہ لکھ رہا ہوں کہ:

اشرفیہ مبارک پور کو سالِ گذشتہ جتنا مالی تعاون، سرزمینِ بمبئی سے حاصل ہوا تھا، اِس سال اُسی سرزمینِ بمبئی سے کچھ زیادہ ہی مالی تعاون، اسے حاصل ہوگا۔ **اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ۔**

اب چوں کہ ایسے مخالفانہ ومعاندانہ واحمقانہ پروپگنڈے میں شِدَّت پیدا ہوتی جا رہی ہے اور پانی سر سے اونچا ہوتا جا رہا ہے۔ اِس لئے صورتِ حال یہ ہوگئی کہ ع

تنگ آمد بجنگ آمد

وقت کا انتظار کیجیے۔ حساب وکتاب ہوگا اور اچھی طرح ہوگا۔ حال کا ہی نہیں بلکہ ماضی کا

بھی قرض چُکایا جائے گا۔ اور پھر پوری جماعت، سَر کی آنکھوں سے دیکھے گی کہ اِن شرپسند حاسدوں کا چہرہ کس طرح بے نقاب ہوتا ہے۔ ضبط وتحمل کا اِن فتنہ انگیزوں نے بہت ناجائز فائدہ اٹھایا ہے مگر اب جلد ہی انھیں مرحلۂ اِحتساب سے بھی گذرنا ہوگا۔

خِشت باری کرنے والے افراد اب اپنی خیر منائیں۔ اُنھیں مُسکت اور دنداں شکن جواب ملے گا۔ مگر نہایت مہذَّب وشائستہ۔ جو علمی بھی ہوگا۔ فکری بھی ہوگا۔ اور فقہی وشرعی بھی ہوگا۔

اِنْ شاءَ اللّٰہُ تبارکَ وتعالیٰ۔

معزَّز قارئین سے گذارش ہے کہ:

حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی (صدر شعبۂ اِفتا، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور) کے مندرجہ ذیل، تین، تازہ ترین علمی وفقہی رسائل کا ضرور مطالعہ فرمائیں:

(۱) فقہِ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت! فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے۔

(۲) چلتی ٹرین میں نماز کا حُکم۔

(۳) مسلکِ اہلِ سُنَّت کی مُترادف اصطلاح! مسلکِ اعلیٰ حضرت۔

کبھی کبھی ایسا بھی محسوس ہونے لگتا ہے کہ **’’رَدِّ بد مذہباں‘‘** کا فریضہ، جھنڈا بردار افراد، مرحلۂ تمام وکمال تک پہنچا چکے ہیں۔ اور اب **معاذَاللہ** صرف **’’رَدِّ سُنِّیاں‘‘** کا مرحلہ درپیش ہے۔ اِس لئے گھوم پھر کر کسی نہ کسی سُنّی کے خلاف زبان یا قلم چلانے ہی کو ایسے افراد باعثِ خیر وبرکت یا سببِ جَلبِ مَنفعت سمجھ بیٹھے ہیں۔

ایسے افراد، جماعتی حالات اور اہلِ سُنَّت وجماعت کے قدیم وجدید دینی وعلمی اداروں وخانقاہوں پر کتنا جسارت آمیز اور **خوں آشام تبصرہ کر رہے ہیں، اس کا نمونہ**، دل پر ہاتھ رکھ کر، ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

’’ایک گروپ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے اَجدادی دشمنی کا کوئی باب غیر مکمل تھا، پورا کرنا چاہتا ہے۔

دوسرا گروپ، ماضی میں حامیانِ رضا کی ضربِ کاری کی تاب نہ لاکر انتقام کے درپے ہے۔

تیسرا گروپ، مرکز کے غم میں نیم پاگل ہو چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ:

ہماری مرکزیت تسلیم کرو۔ ورنہ ہم کسی کی پگڑی سلامت نہیں رہنے دیں گے۔ اور جدید تحقیقات کے نام پر نئے نئے فتنے کھڑا کر دیں گے کہ ان کا اچھے اچھوں سے دفاع مشکل ہو جائے گا۔

اور چوتھا گروپ، یہ تصوُّر لیے بیٹھا ہے کہ مجدِّد اور مرکز ہم بناتے ہیں، اس لئے ہماری ہر بات کو بسر وچشم قبول کرو۔ ورنہ ہم مجدِّدِیَّت کا تاج کسی دوسرے کے سر پر ڈال دیں گے۔ اور مرکز، گلی کوچے سے نکال کر کسی پُرفضا مقام پر لے جائیں گے۔ جہاں ہر طرف سے، ہَوا آنے کی گنجائش ہو۔‘‘

تبصرہ نگار کے اس خیالِ فاسد اور تبصرۂ بے بصیرت میں:

پہلا گروپ، خانوادۂ عثمانیہ قادریہ، بدایوں شریف ہے۔

اتنی بات تو سب کو معلوم ہے کہ عُلمائے بدایوں وعُلمائے بریلی، دونوں از ابتدا تا ایں دم، ہم مذہب وہم مسلک ہیں۔

اِس وقت عُلمائے بدایوں کا جو عمل، طرزِ عمل اور ان کی جو رَوِش ہے وہ میرے علم واطلاع کے مطابق، کچھ اِس طرح ہے:

(۱) اپنے قدیم ’’مدرسہ قادریہ‘‘ بدایوں کے فروغ واستحکام وترقی میں مصروف ہیں۔

(۲) کتب ورسائلِ خانوادۂ عثمانیہ قادریہ کی جدید طباعت واشاعت کی طرف وہ اپنی خصوصی توجہ مبذول کر رہے ہیں۔

(۳) ’’اَذانِ ثانی‘‘ کے قضیہ کو، نہ چھیڑ رہے ہیں، نہ اسے اُچھال رہے ہیں۔

(۴) فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی یا خانوادۂ رضویہ، بریلی شریف، یا عُلمائے بریلی کے خلاف وہ نہ کوئی نازیبا تبصرہ، نہ ہی کوئی محاذ آرائی کر رہے ہیں۔

(۵) عرسِ قاسمی برکاتی، مارہرہ شریف میں شریک ہو رہے ہیں۔

(۶) ہر طبقہ اور ہر حلقہ کے عُلما ومدارسِ اہلِ سُنَّت کے ساتھ خوش گوار روابط کے

خواہش مند ہیں۔

موجودہ عُلماے بدایوں کے ''سنگین جرائم'' کی مکمل فہرست، میری معلومات کے مطابق یہی ہے۔ جس کی سزا کبھی ''سَدُّ الفرار'' کبھی ''مفاوضاتِ طیبہ'' کبھی کسی کتابچہ کی طباعت واشاعت اوران کی مفت تقسیم، اور کبھی کسی مضمون کے ذریعہ دے کر بزعمِ خویش ''مسلکِ اعلیٰ حضرت کے تحفظ کا انتظام'' کرنے یاعُلماے بدایوں کوسرنگوں کرنے یاعُلماے بریلی کوسربلند وسرفراز کرنے میں ہمارے جھنڈا بردار افراد، اور ''نادان دوست'' مصروف رہتے ہیں۔

ایسے افراد، انجانے میں ہی سہی، عُلماے بدایوں نہیں بلکہ عُلماے بریلی کونشانہ بنارہے ہیں۔

میں بڑی صراحت ووضاحت اور ذِمّہ داری کے ساتھ اِس سلسلے میں اپنے تاریخی مطالعہ کی روشنی میں یہ اِنتباہ، دیناچاہتاہوں کہ:

تحریری ریکارڈ کے مطابق، حضور مفتیِ اعظم وحضرت صدرُ الشریعہ، وحضرت صدرُ الافاضل وحضرت محدِّث اعظم وحضرت مجاہدِ ملّت ودیگر اکابرعُلماے اہلِ سُنّت نے جس قضیہ (ماضی بعید میں مسئلۂ اذان کے سلسلے میں اختلاف اوراس کے ناخوش گوارنتائج واثرات) کوعملاً ختم کردیاتھا اورمتعدد جلسوں وکانفرنسوں کے اسٹیج پرایک ساتھ بیٹھ کراس کاعملی حل اپنی زندگی ہی میں پیش کرکے اسے بے اثراور کالعدم کردیاتھا۔ یہاں تک کہ حضور مفتیِ اعظم نے ''مفروضہ قضیۂ سالمی'' کوبھی اپنے عمل کے ذریعہ بے اثر کردیاتھا۔

اِن دونوں قضیوں میں سے کسی بھی قضیہ کوچھیڑنا اوراسے ہَوادینا:

اوّلاً تو ایک سوئے ہوئے فتنہ کو بیدار کرنا ہے جوخود ایک بدترین جُرم ہے۔

ثانیاً اسے چھیڑنے کا مطلب یہ ہوگا کہ جوابی کارروائی کی صورت میں اِن ''نادان دوستوں'' اور وار کرنے والوں کا وار، خود اِن پر پلٹ پڑے گا جس کا دِفاع کرنا، عُلماے بدایوں نہیں بلکہ عُلماے بریلی کو بہت مشکل اور بھاری پڑ جائے گا۔ اورحملہ آوروں کودن میں تارے نظر آنے لگیں گے۔

چو از قومے یکے بے دانشی کرد
نہ، کِہہ را منزِلت ماند نہ مِہ را

دوسرا گروپ، مشائخِ کچھوچھہ مقدسہ کا ہے۔ کچھوچھہ مقدسہ، صدیوں قدیم مرکزِ تصوف وروحانیت ہے۔ مشائخِ کچھوچھہ مقدسہ، بِحَمْدِہٖ تَعَالیٰ صحیح العقیدہ سنّی حنفی ہیں۔ اور میرے علم واطلاع کے مطابق وہ اِس وقت، صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔

ان کی کوئی تازہ تحریر وتقریر ایسی نہیں جس پرکوئی نقد وتبصرہ کیاجاسکے۔

مگر ''نیشِ عَقرب'' اپنی عادت بلکہ فطرت سے مجبور ہوا کرتا ہے۔ جس کا مظاہرہ وقتاً فوقتاً کرتے رہنا اس کی اپنی طبعی مجبوری ہوتی ہے۔

تیسرا گروپ، اہلِ مبارک پور یعنی فرزندانِ اشرفیہ کا ہے۔ ان کے ''سنگین جرائم'' کی فہرست بھی کافی، طویل ہے۔ جسے آپ زیرِ نظر کتاب کے صفحات میں جگہ جگہ ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

''مصباحی'' کیوں ہرجگہ، ہرشعبہ میں نمایاں اورحاوی ہیں، یہ تصور وخیال وسوال کچھ لوگوں کوبار بار کچوکے لگا کران کا وجود، زخمی کرتا رہتا ہے۔

اہلِ اشرفیہ خود، مرکز نہیں بننا چاہتے ہیں بلکہ مرکز کو ہی مرکز کی طرح دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مرکز کی دینی وعلمی خدماتِ سابقہ کاتحفظ اوران کاتسلسل باقی اور جاری رہے۔

اہلِ اشرفیہ، کسی قیمت پراپنے مرکز کوکسی سنّی ادارہ یامقام یاشخصیت کا حریف نہیں بلکہ مُنصف اورجج کی کرسی پربیٹھا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔

اب ان کی یہ خواہش کچھ لوگ پوری نہ ہونے دیناچاہتے ہیں اورمرکز کوبار بار کسی وکیل وحریف کی کرسی پربٹھانے پرآمادہ وکمربستہ ہوں تواس میں اہلِ اشرفیہ کا کیاقصور ہے؟

اور اِدھراُدھر کے کچھ افراد، مرکز کے نام پر اوراس کی آڑ میں اپنی مطلب برآری اورمفاد پرستی میں مصروف ہوجائیں تواہلِ اشرفیہ انھیں کیسے روک سکتے ہیں؟

چوتھا گروپ، خانوادۂ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہّرہ ہے۔ مارہرہ مطہّرہ کی روحانیت وعظمت، شہرۂ آفاق ہے۔ سارے اکابرِ خانوادۂ رضویہ، بریلی شریف اسی آستانۂ عالیہ، مارہرہ مطہّرہ کے غلام اوراسی دَر کے گدا ہیں۔

حضرت مولانا نقی علی بریلوی، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی، مولانا حَسَن رضا بریلوی، حجۃُ الاسلام بریلوی، مفتیِ اعظم بریلوی، سب کے سب اسی کے دست گرفتہ مُرید اور تاحیات اس کے وفادار، اس کے خادم اوراس کے سائل رہے ہیں۔ اوراس نسبت وسعادت پر وہ ہمیشہ ناز

کرتے رہے ہیں:

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ
بول بالے میرے سرکاروں کے

مذکورہ جارحانہ تبصرہ کی طرح ایک نہایت افسوسناک اور گستاخانہ تبصرہ یہ بھی ہے کہ:

"''دعوتِ اسلامی'' کے خیر خواہوں نے جتنے خواب دیکھے، وہ سب امیر کے حق میں، یا کبھی اجتماعِ پاک میں شرکت کرنے والوں کے حق میں، یا کبھی ٹی وی کی مذمّت میں، یا پھر کبھی اس کے رحمت ہونے کے بارے میں۔

لیکن اب تک انھوں نے ایک بھی خواب اُن مُفتیوں کے بارے میں نہیں دیکھا، یا دیکھا تو کسی مصلحت کے تحت بیان نہیں کیا، جنھوں نے حلال وحرام کی پرواکیے بغیر ان کی محبت میں شریعت کا قتلِ عام کیا۔

کم ازکم، مفتی عبدالحلیم ناگ پوری، شارحِ بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، مولانا محمد احمد مصباحی کے حق میں تو ایک ایک خواب دیکھنا ہی چاہیے تھا۔

ماضی میں نہ سہی، اب دیکھ لیں۔"

(مؤاخذہ واِحتساب کے بعد، شارحِ بخاری کی جگہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی اور مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی کا نام استعمال کیا گیا)

کتنا زہر بھرا ہوا ہے اِس فکر وخیال کے اندر۔ اور کتنی شرانگیزی وفتنہ خیزی ہے اِس اندازِ فکر وخیال میں۔ اِسے سبھی باشعور وباخبر حضرات اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

مفتیانِ کرام سے اہلِ سُنّت کو اتنا ضرور جاننا چاہیے کہ:

بعض عُلماے اہلِ سُنّت پر "حلال وحرام کی پرواکیے بغیر شریعت کے قتلِ عام" کا اِلزام لگانے والے شخص کے بارے میں کیا حکمِ شریعت ہے؟

اور جو لوگ اس الزام کو اپنے خرچ یا اپنی تحریک پر شائع کرنے، کرانے والے اور عام مسلمانوں کے اندر کتابی شکل میں تقسیم کرنے، کرانے والے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ

بہت سے سوقیانہ کذب وافترا پر مشتمل کتاب کی تائید وحمایت فرمانے والے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

تجزیہ واِحتساب کا عمل، قارئین کے فہم وفکر پر چھوڑتے ہوئے ہم آگے کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔

کوئی موضوع خود ہی گرم کرکے کوئی کتاب یا کوئی مجموعۂ تحریر تیار کیا اور "مسلکِ اعلیٰ حضرت خطرے میں ہے" کا نعرہ لگاتے ہوئے کسی مالدارِ سُنّی کے پاس پہنچ گئے اور اُس کی غیرتِ ایمانی کو بیدار ہی نہیں بلکہ مُشتعِل کرکے کچھ فیضان حاصل کرنے کے بعد کسی دوسرے مالدارِ سُنّی کے یہاں پہنچے اور اُسے بھی اِسی طرح اپنا شکار بنالیا۔

مسلک کی دُہائی دے کر مالی فیضان حاصل کرنے کا یہ سلسلہ سالہا سال سے جاری ہے۔

پتے کی بات یہ ہے کہ:

بِحَمدِہٖ تعالیٰ "مذہبِ اہلِ سُنّت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت" پھل پھول رہا ہے۔ اِس لئے وہ کسی خطرے میں نہیں ہے بلکہ ایسے افراد خود خطرے میں ہوسکتے ہیں۔

ان کی جیب خطرے میں ہوسکتی ہے۔ ان کا بینک بیلینس خطرے میں ہوسکتا ہے۔ اور اپنے یہ خطرات ٹالنے کے لئے "مسلکِ اعلیٰ حضرت، خطرے میں ہے" کا شور مچاتے ہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محض اپنی شہرت ومقبولیت کے لئے "مسلکِ اعلیٰ حضرت، خطرے میں ہے" کا نعرہ لگایا جاتا ہو کہ ان کی نظر میں یہ ایک بہترین تدبیر ہے مسلمانانِ اہلِ سُنّت کی توجّہ اپنی طرف مبذول کرنے کرانے اور ان کے درمیان شہرت ومقبولیت حاصل کرنے کی۔

خدا کی پناہ! ایسے نفس اور نفسانیت سے۔ **اَعَاذَ نَا اللّٰہُ مِنۂُ۔**

بہر حال! مسلمانانِ اہلِ سُنّت و جماعت کو اصطلاحِ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت''
کا زبانی یا تحریری استعمال، ضرورت وحاجت و اِفادیت کے مطابق ہی کرنا
چاہیے۔ مثلاً:

(۱) دیو بندی و غیر مقلِّد سے جہاں امتیاز ظاہر کرنا مقصود ہو۔
(۲) کسی تنظیم وادارہ کے دستور میں مسلک کی وضاحت کرنی ہو۔

عام حالات میں اصل دین کے اظہار کے لئے ایمان واسلام یا مذہبی فقہی
حیثیت واضح کرنے کے لئے اصطلاحِ ''مذہبِ اہلِ سُنّت'' کا ہی اِستعمال کرنا
چاہیے۔ اِسے نظر انداز یا ترک کرنا بہت بڑی غفلت وحرماں نصیبی ہے۔ جس سے
آگے چل کر بڑے سنگین اور ناقابلِ تلافی، نقصانات وخطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

''مذہبِ اہلِ سُنّت'' کی اصطلاح کو نظر انداز یا ترک کرنا، ایک عظیم نعمت
سے محرومی کے ساتھ گویا دیگر حریف مذہبی جماعتوں اور باطل فرقوں کے لئے عملاً
ایک اجازت ہے کہ وہ اِسے اپنا لیں اور اِس پر قبضہ کر کے دنیا بھر کے سُنّی
مسلمانوں کو وَرغلاتے اور گمراہ کرتے پھریں۔

اور میں یہ کہتا ہوں کہ:

''اسلام وایمان'' اور ''مومن ومسلم'' کے الفاظ واصطلاحات کس کے لئے
اور کس دن کے لئے ہیں؟

کتاب وسُنّت سے ماخوذ بلکہ منصوص الفاظ واصطلاحات اور اُن کے معانی
ومفاہیم کو اپنانا، اُن کی تفہیم وتشریح کرنا، اُن کی تبلیغ واشاعت کرنا، درحقیقت ہمارا اوّلین اور
عظیم ترین دینی فریضہ ہے۔ جس سے ہمیں کسی حال میں غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

اور حالات کے تجزیہ کے ساتھ اِس ''امتیازِ اہلِ سُنّت'' سے سب کو آگاہ ومتنبّہ
کرنا، ضروری ہو گیا ہے کہ:

امتیازِ مذہبِ اہلِ سُنّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت:

علم وفضل ہے، نہ کہ جہالت وحماقت۔
حق وصداقت ہے۔ نہ کہ الزام تراشی وبُہتان طرازی وکِذب بیانی وکتمانِ حق۔
اِخلاص ودیانت ہے۔ نہ کہ مفاد پرستی اور خود غرضی۔
فلاحِ قوم ومِلّت ہے۔ نہ کہ محض اپنے حلقۂ تعارف ودائرۂ اَثر کی توسیع
وتشہیر اور اپنے بینک بیلینس میں اضافہ۔
اِتباعِ سُنّت وشریعت ہے۔ نہ کہ پیرویِ نفس ونفسانیت۔
اِقدام وعمل ہے۔ نہ کہ جُمود وتعطُّل اور بے عملی۔

مذہبِ اہلِ سُنّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت، وہی معتبر ہے جس کی سَند، کتبِ
اسلاف واکابرِ اہلِ سُنّت سے ملے۔ اُور اس سے مزاحم ومُتصادِم کوئی فکر وخیال
ہے تو وہ نہ مذہبِ اہلِ سُنّت ہے نہ مسلکِ اعلیٰ حضرت ہے۔ بلکہ وہ مُستر د
فکر وخیال اور کوئی فرضی ومَزعوم مسلک ہے۔

اہلِ سُنّت کے اِس مذہب ومسلکِ حق کے مقابلے میں کسی کی اپنی طبیعت
ومزاج اور خواہش ومرضی کی کوئی حیثیت نہیں۔ شرعاً وہ مَخذول ومَطرود ہے۔

اِس مستر د فکر وخیال کو فرضی ومَزعوم مسلک کہیں۔ یا مسلکِ جہالت کہیں۔
یا مسلکِ تجارت کہیں۔ یا مسلکِ نفسانیت کہیں۔ یہ قارئین کی صواب دید پر منحصر
ہے۔ یہ اُن کی اپنی پسند اور اُن کا اپنا انتخاب ہوگا۔

''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کے نام پر اُس کے اصول وضوابط کے خلاف کوئی فرضی
ومَزعوم مسلک اور فکر وخیال کسی حال میں اہلِ سُنّت کے لئے قابلِ قبول نہیں۔

بِحَمدِہٖ تعالیٰ بے شمار کتب ورسائل اکابر واسلافِ اہلِ سُنّت میں ''اہلِ سُنّت''
کا مذہب ومسلک، تفصیل کے ساتھ، مسطور ومذکور ہے۔

”مسلکِ اعلیٰ حضرت“ کسی تجوری میں بندکوئی ایسا خزانہ نہیں ہے جس کی چابی، دوچار مخصوص افراد ہی کی تحویل میں رہے گی۔

بِحَمْدِہٖ تَعَالیٰ یہ خزانہ، جُملہ مُستند و مُعتمد علما و مشائخ اہلِ سُنّت کی دسترس میں ہے۔

اِس کا اظہار واعلان امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی **قُدِّسَ سِرُّہٗ** نے بھی بوقتِ وصال اِس طرح فرمادیا ہے:

”میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے۔“ الخ (وصایا شریف۔ مطبوعہ بریلی)

تقریروں میں جوش وجذبہ کے ساتھ محض نعرۂ مسلک لگوانے سے نہیں بلکہ تقویت واستحکامِ مذہبِ اہلِ سُنّت کے لئے علمی وفکری وعملی خدمات کے ذریعہ کچھ فائدہ اور بھلا کیا جاسکتا ہے۔

عوام کے عقیدت مندانہ جذبات کو مشتعل کر کے گرمیِ محفل پیدا کرنا اور اگلے پروگرام کا انتظام کرنا، یہ ایک ایسی عملی حقیقت ہے جس سے اکثر باشعور مسلمانانِ اہلِ سُنّت اچھی طرح واقف ہیں۔

ریشہ ریشہ، اُدھیڑ کر دیکھو
”روشنی“ کس جگہ سے ”کالی“ ہے

دہلی میں ایک بار حضرت علّامہ ارشد القادری (متوفی ۱۵؍صفر ۱۴۲۳ھ/۲۱؍اپریل ۲۰۰۲ء) **عَلَیہِ الرَّحْمَہ** سے جلسوں اور اُن میں ہونے والی تقاریر وغیرہ کے موضوع پر راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) کی گفتگو ہو رہی تھی۔

دورانِ گفتگو آپ نے یہ بڑا ہی جامع وبلیغ تبصرہ کیا جس سے جلسوں اور اُن کی تقریروں کا نفع وضرر بخوبی واضح ہو جاتا ہے:

”اِن جلسوں نے ہمیں جلایا بھی ہے اور مارا بھی ہے۔“

اب اِن جلسوں کا کیا حال ہوتا جارہا ہے؟ یہ سب پر عیاں ہے۔ اِس لئے ضرورت ہے کہ **”اِصلاحِ جلسہ“** کی باضابطہ مُہم شروع کی جائے۔ اور خواص وعوام کو بتایا جائے کہ نافع ومفید چیزوں کو اختیار کیا جائے اور مُضر ونقصان دِہ چیزوں کو ترک کردیا جائے۔

۲۰۱۲ء میں گوہاٹی، صوبہ آسام کے مسلمانانِ اہلِ سُنّت نے محض کچھ مشورہ وتبادلۂ خیال

کے لئے راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) کو مدعو کیا تھا۔ گوہاٹی پہنچنے کے بعد راقمِ سطور نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک منتخب طبقہ سے ایک ہال کے اندر گفتگو کی۔ دیگر باتوں کے علاوہ اصلاحِ جلسہ کی طرف میں نے توجہ دلائی۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ سب، اُن کے دل کی باتیں ہیں۔ حاضرین کے چہرے کی مسرت آمیز لکیریں اِس حقیقت کی واضح نشان دِہی کر رہی تھیں۔

میں نے گوہاٹی، صوبہ آسام کے اہلِ سُنّت کے لئے ایک تحریری ہدایت نامہ بھی تیار کیا۔

اِس ہدایت نامہ کے دو تین نِکات جو اصلاحِ جلسہ سے متعلق ہیں، انھیں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کے جلسوں میں انھیں خُطبا ومقرّرین کو مدعو کیا جائے جو صاحبِ علم ہونے کے ساتھ صاحبِ عمل بھی ہوں۔ اور مقامی مسلمانوں کی دینی ضرورت وحاجت کے مطابق تقریریں کریں۔

اپنی تقریر وخطابت کے دَوران وہ نہ کوئی غیر مستند بات کہیں، نہ کوئی غیر سنجیدہ اور نمائشی طریقہ اختیار کریں۔

(۲) نمازِ عشا کے بعد جلسے شروع کر دیے جائیں اور صلوٰۃ وسلام ودُعا کے ساتھ بارہ بجے سے پہلے یہ جلسے ختم کر دیے جائیں۔

(۳) تقریر وخطابت کے لئے معتقدات وعبادات ومعاملات میں سے کسی اہم گوشے کا انتخاب کیا جائے۔

(۴) فضائل ومسائل کے ساتھ مسلمانوں کے معاشرتی اُمور ومعاملات کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔

(۵) مسلمانوں کو تعلیم وتجارت کی طرف مائل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

اور اس کا بہر حال اِلتزام کیا جائے کہ مقامی مسلمانوں سے تبادلۂ خیال کے بعد جن باتوں میں ان کی دینی رہنمائی کی ضرورت ہو، اُن کو ہی موضوعِ تقریر وخطاب بنایا جائے۔“ (تحریر شدہ ۱۳؍مئی ۲۰۱۲ء)

مولانا منظور احمد مصباحی آسامی کے ایک مضمون کے ساتھ مذکورہ بالا نِکات کئی سُنّی ماہناموں میں شائع ہو چکے ہیں۔

خُطبا وشُعَرا اور اہلِ جلسہ ''اصلاحِ جلسہ'' کی طرف جلد تر توجہ فرمائیں تو مذہب وملّت وجماعت پر اُن کا خصوصی کرم ہوگا۔ خدانخواستہ ہمارے جلسوں کے حالات اور ان کے شب وروز یہی رہے اور مندرجہ ذیل تبصرہ اور تحریر کی طرح دیگر تبصروں اور تحریروں کی بھرمار ہونے کے بعد اگر وہ ہوش میں آئے تو کچھ اچھی بات نہ ہوگی:

''۱۹۷۸ء کے اَوَاخِرِ دسمبر کی کوئی سرد ترین رات تھی۔ تبلیغی پاڑہ کی نِسبتاً تنگ، گلی بیریل گراؤنڈ لین میں تبلیغِ سیرت (کلکتہ) کے زیرِ اہتمام ایک جلسہ تھا۔

اُن دِنوں جلسوں، کانفرنسوں کے بڑے بڑے نام نہیں ملتے تھے۔ نہ آج کی طرح پیشہ ور نقیب ہوتے تھے، نہ اپنے پورے جسم کے ساتھ کلام پڑھنے والے نعت خواں اور نہ ہی نعت کے تقدس کو پامال کرنے والے تھرڈ گریڈ اَشعار پڑھے جاتے تھے۔

آج کی طرح آدھی رات تک نعت شریف پڑھنے کا سلسلہ بھی نہ تھا، نہ تو یہ سسٹم کہ اِستراحت فرما کر مقررین، باری باری سے آئیں گے اور پھر اُن کی آمد پر زوردار نعرے لگیں گے اور مدحتِ سرکار کی نعت پیش کرنے والا، سرکار (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم) کی نعت چھوڑ کر مقررِ ذیشان کے لئے نعرے لگانے لگے۔'' اِلٰی آخِرِہٖ۔

(ص ۲۹۔ مضمون، بعنوان ''مردِ حق آگاہ''، بقلم پروفیسر شاہد اختر حبیبی۔ مشمولۂ کتاب بنام ''احسانِ کامل'' مرتّبہ محمد شاہنواز خاں احسانی۔ ہوڑہ، بنگال۔ طبع اول ۱۴۳۴ھ/جون ۲۰۱۳ء)

مخلصین کے بارے میں ہمارا کوئی تبصرہ نہیں ہے۔ اُن کا جذبۂ خیر وصلاح وسعادت، باقی اور اُن کا نعرۂ مستانہ، جاری رہے۔ مگر بعض مذہبی افراد ایسے ضرور ہیں جنھوں نے اپنی جوشیلی جذباتی تقاریر اور نعروں کو ''فیضانِ باطنی'' کا نہیں بلکہ ''فیضانِ ظاہری'' کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

اور یہ ''فیضانِ ظاہری'' بھی صرف اپنے لئے، اپنی شہرت کے لئے، اور اپنے معاشی اِستحکام کے لئے ہوا کرتا ہے۔

دنیا دیکھتی سنتی اور جانتی ہے کہ اجمیر شریف کے بہت سے خُدَّام، صبح وشام نہ جانے کتنی بار یا خواجہ یا خواجہ اور یا غریب نواز یا غریب نواز کہتے رہتے ہیں۔ ان سبھی خُدَّام کے بارے میں شک وشبہ اور انگشت نمائی کرنا بالکل غلط ہوگا۔ لیکن بعض خُدّام ایسے ضرور ہیں جو بہت سے زائرین کے مشاہدات وتجربات کے مطابق اُسی ''فیضانِ ظاہری'' کے لئے اِس مقدس نام کا وظیفہ پڑھتے ہیں، جس کا ذکر اوپر گذرا۔

مسلم معاشرہ کے عَملی حقائق کا بنظرِ غائر مطالعہ ومشاہدہ کریں تو سمجھ میں آئے گا کہ مذہبی لبادے میں ملبوس بعض وہ اَفراد جن کا اوڑھنا بچھونا مذہب ہی ہوتا ہے اُن کی صفوں میں ایسے بہت سے افراد مل جائیں گے جن کی تگ ودَو کا حاصل، عام طور پر طلبِ مال وزَر ہوا کرتا ہے۔ اِسی مقصد کے حصول میں وہ شب وروز غلطاں وپیچاں رہتے ہیں اور زرق برق دنیاوی زندگی کو ہی وہ اپنی معراج سمجھتے ہیں۔

جب جیب میں پیسے بجتے ہیں، جب پیٹ میں روٹی ہوتی ہے
اُس وقت یہ ذرّہ، ہیرا ہے، اُس وقت یہ شبنم، موتی ہے

اور بات یہیں تک محدود نہیں۔ مدرسہ کے نام پر، مسجد کے نام پر، نماز کی صورت میں، آیاتِ قرآنی واحادیثِ نبوی پیش کرکے۔ یہاں تک کہ اللہ ورسول کے نام کی دُہائی دے کر بھی اِس دنیا میں صدیوں سے نہ جانے کتنے ایسے بدنصیب افراد پیدا ہوتے رہے ہیں جو نہایت عَیّارانہ وشاطرانہ طریقے سے اپنی شِکم پروری اور دنیا داری کرتے ہوئے خَلقِ خدا کو گمراہ کرکے خود اپنی عاقبت کی بربادی کا سامان کرتے رہے ہیں۔

معرکۂ جہاد میں بظاہر اپنے آپ کو داؤ پر لگا کر اور اپنی جان، جوکھم میں ڈال کر بھی نہ جانے کتنے لوگ خائب وخاسر اور محرومِ اَجر وثواب ہوتے رہے ہیں۔ جب کہ جہاد کی اصل روح یہ ہے کہ کلمۂ حق کی سربلندی اور حُسنِ خاتمہ کی نیت سے میدانِ جنگ کا رُخ کیا جائے اور راہِ خدا میں شہادت کا عظیم مرتبہ حاصل کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بیان کرتے ہیں کہ:

ایک شخص نے حاضرِ بارگاہِ رسالت ہوکر عرض کیا:

یارسولَ اللہ ! کوئی مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے، کوئی اپنی شہرت وناموری کے لئے، کوئی اپنی شجاعت وبہادری دکھانے کے لئے لڑتا ہے۔ توان میں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا کون ہوا؟

آپ نے ارشاد فرمایا: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔

(صحیح بخاری وجامع ترمذی وسُنَنِ ابن ماجہ)

جوشخص کلمۂ حق کی سربلندی کے لئے لڑتا ہے وہی مجاہد فی سبیلِ اللہ ہے۔"

اِس لئے ڈرنا چاہیے، ہم سب کو اُس یومِ حساب سے:

جب خدائے قَهَّار و جَبَّار کے غضب وجلال کا سامنا ہوگا۔ جب ہیبتِ حق سے ہرانسان کا سینہ دَہلنے لگے گا۔ جب سَرائر وضَمائر، عیاں ہوجائیں گے۔ جب زبان وقلم اوراَعضا وجوارِح، خود ہر گنہگار انسان کے خلاف گواہی دیں گے۔

جب کلاہِ افتخار، خاک آلود، قبائے حریر، عُریاں اور چادرِ تلبیس، پارہ پارہ ہوجائے گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالیٰ۔

یہاں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اگر کسی اَمرِ مَندوب ومحمود ومستحب ومستحسن میں بھی کچھ خرابی اور بگاڑ پیدا ہوجائے تو اُس کی بھی اصلاح کی جاتی ہے۔

مثلاً اَعراسِ بزرگانِ دین میں بہت سی خرافات وبدعات کا ارتکاب ایک عام سی بات ہوگئی ہے۔

دوایک جگہوں کے خانقاہی حضرات، جوازِ سجدۂ تعظیمی کے بھی قائل ہیں۔

کیا امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے اَلزُّبْدَةُ الزَّكِيَّةُ لِتَحْرِيمِ سُجُودِ التَّحِيَّةِ لکھ کر آیات واحادیث وآثارِ مبارکہ واقوالِ عُلما وائمہ کی روشنی میں سجدۂ عبادت کو شرک اور سجدۂ تحیت وتعظیم کو حرام نہیں قرار دیا ہے؟

بہت سے اَعراس میں عورتیں شریک ہوتی ہیں۔ مَردوزَن کا اِختلاط ہوتا ہے۔ جس سے بزرگوں کی روحیں بھی مضطرب اور بے چین ہوتی ہیں۔

کیا مزارات پر عورتوں کی حاضری کے خلاف امام احمد رضا نے مُرُوجُ النَّجا لِخُرُوجِ النِّسا اور جُمَلُ النُّورِفِي نَهْيِ النِّسَاءِ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُور لکھ کر مزارات پر عورتوں کی حاضری

اور اَعراسِ بزرگانِ دین میں اُن کی شرکت کو ناجائز نہیں قرار دیا ہے؟

شادی بیاہ میں بہت سی بے ہودہ رسمیں پیدا ہوگئی ہیں۔ آتش بازی اور فضول خرچی ہوتی ہے۔ تیجہ، دسواں، چالیسواں، برسی میں دعوتِ عام ہوتی ہے۔ کیا اُن کے سَدِّ باب کے لئے امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ نے جَلِيُّ الصَّوت لِنَهْيِ الدَّعوةِ اَمامَ الْمَوت اور هَادِي النَّاسِ فِي رُسُومِ الْاَعْرَاسِ اور اَلْحُجَّةُ الفائحة لِطِيبِ التَّعيين وَ الْفَاتِحة نہیں لکھا ہے؟

کیا تعزیہ داری کے خلاف "اَعَالِي الْاِفَادةفِي تَعْزِيَةِ الهندو بيانِ الشَّهادة" معروف بہ رسالہ "تعزیہ داری" نہیں لکھا؟ اور "بَدرُ الانوار فِي آدابِ الآثار میں اُس کے بارے میں یہ نہیں لکھا کہ:

"تعزیہ داری کہ اِس طریقۂ نامرضیہ (مذموم وناپسندیدہ) کا نام ہے، قطعاً بدعت وناجائز وحرام ہے۔" (ص۴۸۔ بَدْرُالْاَنْوارِفِی آدابِ الْآثار، از امام احمد رضا بریلوی)

کیا عرفانِ شریعت واحکامِ شریعت اور فتاویٰ رضویہ وغیرہ میں جگہ جگہ ایسے مفاسد وممنوعات ومحظورات کے خلاف، مسلمانوں کو امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ نے متنبّہ نہیں فرمایا؟

اور اگر فرض وواجب کام بھی بے موقع ومحل ہوتو کیا اس سے منع نہیں کیا گیا ہے؟ کیا قدیم وجدید فقہی کتب میں اِس کی صراحت ووضاحت نہیں ہے کہ فلاں فلاں مقام پر اور فلاں فلاں وقت، نماز پڑھنا ممنوع ہے؟

کیا ایسی مجلس جہاں لوگ کسی گفتگو میں مصروف ہوں۔ یا کوئی بیمار شخص ہو۔ یا کہیں کوئی شخص سویا ہوا ہو۔ تو ایسی حالت وکیفیت میں بآوازِ بلند درود شریف یا تلاوتِ قرآنِ حکیم یا اَوراد ووظائف پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا ہے؟

دودھ اور گھی، بہت مفید ومُقوِّی چیزیں ہیں۔ مگر کوئی شخص ضرورت سے زیادہ انھیں ایک ہی وقت میں کھا پی لے تو اُس کا انجام کیا ہوگا۔ یہ کسے معلوم نہیں؟ اور یہ خود اپنے معدے پر ظلم ہے یا نہیں؟ اور ہر سمجھ دار آدمی، اِس طرح

دودھ وگھی کھانے پینے اور بسیار خوری سے سخت منع کرتے ہوئے اِس طور طریقہ سے اظہارِ بیزاری کرے گا کہ نہیں؟

اِس لئے اِن عملی حقائق وتجربات کو ہروقت پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ مناسب ومفید عمل بھی ضرر رَساں اور نقصان دِہ ثابت ہوسکتا ہے۔

کچھ لوگوں کے درمیان جہالت وحماقت کتنی عام ہے، اِس کا صحیح اندازہ مجھے ''عرفانِ مذہب ومسلک'' کی طباعت واشاعت کے بعد بعض کرم فرماؤں کے ایسے تبصروں کے ذریعہ ہوا جو مجھے بالواسطہ معلوم ہوئے۔

کرم فرماؤں نے ایسے ایسے مطلب، بعض عبارتوں کے نکالے کہ اگر وہ صحیح ہوتے تو یقیناً میری معلومات میں اضافہ ہوتا۔ مگر یہ مطلب کچھ اِس قسم کے ہیں کہ ع

مَنْ چہ سَرایم وطنبورۂ مَنْ چہ سَرا ید؟

مرزا غالبؔ کا ایک شعر ہے:

موت کا ایک دن معیَّن ہے — نیند کیوں رات بھر نہیں آتی؟

اُدبا وشُعرائے اردو کے درمیان ایک لطیفہ مشہور ہے کہ

ایک صاحب نے اِس شعر کا مطلب بتایا اور اس مطلب کو وہ بڑے فخر سے بیان بھی کرنے لگے کہ:

موت آنے کا جب ایک دن مقرَّر ہے اور معلوم ہے کہ دن ہی میں موت آئے گی تو پھر رات میں نیند کیوں نہیں آتی؟ رات تو چین سے گذارنی چاہیے اور سکون سے سونا چاہیے۔ کیوں کہ رات میں موت آئے گی ہی نہیں۔ وہ جب بھی آئے گی، دن ہی میں آئے گی۔''

کچھ اسی قسم کے مطالب، ہمارے بعض اُن کرم فرماؤں نے نکالے ہیں جو''بزعمِ خویش مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کے بہت بڑے جھنڈا بردار بنتے ہیں۔

ایک بدنصیب وبدطینت دیوبندی مولوی نے امامِ احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کے ایک شعر کا ایسا مطلب نکالا ہے کہ اُسے پڑھ کر آپ حیران وششدر رہ جائیں گے۔

سلطانِ نعت گویاں، حضرت مولانا سید کفایت علی کافیؔ مرادآبادی (شہادت ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء) اہلِ سُنَّت کے ایک بڑے عالمِ دین، انقلابِ ۱۸۵۷ء کے عظیم مجاہد، عاشقِ رسول اور

معروف ومقبول نعت گو شاعر تھے۔ جنھیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

مہکا ہے مری بوئے دہن سے عالَم — یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم

کافیؔ، سلطانِ نعت گویاں ہیں رضاؔ — اِنْ شَاءَ اللّٰہ مَیں وزیرِ اعظم

دیوبندی مولوی، خالد محمود (مانچسٹر، برطانیہ) نے دوسرے شعر کا مفہوم مسخ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''مولانا احمد رضا خاں اُن دِنوں کن امیدوں سے تھے؟ اسے جاننے کے لئے انھیں کی زبان میں سُنیے۔ شاعر تھے۔ بات اُگل دی۔

کافیؔ، سلطانِ نعت گویاں ہیں رضاؔ

اِنْ شَاءَ اللّٰہ، مَیں وزیرِ اعظم

(سلیس مفہوم) اے رضاؔ! ہم نعت خوانوں (بریلویوں) کو حکومت کی سرپرستی کافی ہے۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہ کسی نہ کسی وقت ضرور وزیرِ اعظم بنوں گا۔''

ہم نے تاویل کرنے کی کوشش کی۔ ہوسکتا ہے کہ شاعری کی وزارت، مراد ہو۔

مگر معلوم ہوا کہ شاعری میں تو آپ، اپنے آپ کو وزیر نہیں، بادشاہ سمجھتے تھے۔ جو شخص اپنے آپ کو بِالفعل بادشاہ سمجھتا ہو، وہ وزارت کی تمنا کیسے کرسکتا ہے؟

اس لئے اِنْ شَاءَ اللّٰہ کے ساتھ جس وزارت کی امید تھی، وہ شریف (شریفِ مکہ) کی حمایت اور انگریز کی خدمت کے صلے میں ''مُلکی وزارت'' تھی۔''

(ص ۲۳۵ و ص ۲۳۶۔ مطالعۂ بریلویت، جلدِ اول۔ مؤلفہ ڈاکٹر خالد محمود۔ مطبوعہ۔ حافظی کتب خانہ۔ دیوبند)

اور یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ ٹھوس طریقے سے امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کی دینی وعلمی خدمات وتعلیمات اُجاگر کرکے ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کو صحیح طور پر دنیا کے سامنے پیش کررہے ہیں، وہ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کے نمائشی جھنڈا برداروں کی نظر میں گویا کچھ نہیں ہیں۔

اور ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کے نمائندہ اور ''چمپین'' ایسے لوگوں کی نظر میں گویا وہی ہیں جو:

"مسلکِ اعلیٰ حضرت" کا نعرہ لگوائیں۔ ماحول گرم کریں۔ "مسلکِ اعلیٰ حضرت" کا شور مچائیں۔ اور موٹے لفافہ کے ساتھ، اگلی منزل کی راہ لیں۔

بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں
لرز جاتا ہے آوازِ اذاں سے

مولانا محمد حنیف رضوی مصباحی بریلوی (صدرُ المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ، محلّہ باقر گنج، بریلی شریف۔ وبانیِ امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف) جنھوں نے امام احمد رضا کی سیکڑوں کتب ورسائل کا مطالعہ کر کے ہزاروں احادیث جمع کیں اور دس (۱۰) جلدوں میں "جامِعُ الْاَحَادِیث" کے نام سے اُنھیں شائع کرایا۔ اِسی طرح مولانا غلام جابر شمس مصباحی (میرا روڈ۔ بمبئی) اور مولانا محمد عیسیٰ رضوی (گُرسہائے گنج) جو رضویات پر مسلسل لکھ رہے ہیں، وہ کہیں کچھ بھی نہیں ہیں۔

اگر ہیں تو وہ جو محض اپنی جوشیلی، جذباتی تقریروں میں "مسلکِ اعلیٰ حضرت" "مسلکِ اعلیٰ حضرت" کرتے رہیں۔ یا منفی ذہنیت کے ساتھ تنقیدی مضامین ورسائل لکھتے رہیں۔ اور کوئی معیاری، علمی وفکری کام، صلاحیت واِستطاعت کے باوجود نہ خود کریں، نہ دوسروں سے کرائیں۔ نہ ہی ایسے کام کرنے والوں کی تحسین اور حوصلہ افزائی کے لئے چند کلماتِ خیر کہنے کی وہ کبھی کوئی ضرورت محسوس کریں۔

ایسے کرم فرماؤں سے مخلصانہ گذارش ہے کہ وہ اپنی رَوِش تبدیل کریں اور گفتار کی بجائے کردار کے غازی بنیں۔ اور اگر خدانخواستہ وہ ایسا کچھ نہ کرنا چاہیں تو پھر اُن سے یہی گذارش کی جاسکتی ہے کہ:

خدا کے واسطے صَیّاد! تہ کر اَب تو دام اپنا
کہ گلشن سے لیا ہے تو نے خاطر خواہ کام اپنا

کبھی کبھی یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ:

اہلِ سُنّت کے درمیان جذباتی ماحول پیدا کر کے چند مسائل میں اُلجھائے رکھنے، ٹھوس علمی وفکری کاموں سے دور رکھنے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش کا مقصد یہ تو نہیں ہے کہ:

خود مذہب اہلِ سُنّت کی مسلسل اور مستحکم وپائدار خدمت وہ نہیں کر پا رہے ہیں۔ اپنی صلاحیت اور وسائل کے لحاظ سے بے نیازی اور بے عملی کا شکار ہیں۔ تو انھیں یہ سوجھ رہی ہو کہ کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ کچھ لوگ جو کام کر رہے ہیں یا کچھ کرنا چاہ رہے ہیں، ان سب کو اُلجھا کر انھیں بھی کسی طرح کا ٹھوس کام نہ کرنے دیا جائے۔ تا کہ پھر یہ سوال ہی نہ پیدا ہو سکے کہ:

فلاں فلاں حضرات تو یہ کر رہے ہیں۔ وہ کر رہے ہیں۔ اور ان کے بالمقابل آپ حضرات، صرف باتیں بنا رہے ہیں اور انھیں مسائل سے دل چسپی رکھتے ہیں جن سے ایک طرف انتشار اور دوسری طرف اہم مقاصد کی تکمیل سے دوری پیدا ہو جاتی ہے۔

اِس خیال وعمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ کچھ کر پائیں، نہ وہ کچھ کر پائیں۔

ایک دوسرے کے خلاف لکھنے، بولنے، تنقید وتبصرہ کرنے میں مصروف ہو کر اصولی واَساسی اور اہم مقاصد سے غافل ہو کر سب کے سب بے عملی کا شکار ہو جائیں۔ پھر بے حسی ونا اہلی وبے عملی کا دَور دَورہ اِس طرح ہو جائے کہ زیر لب تبسم کے ساتھ یہ گنگنایا جا سکے کہ: ع

ہم بھی اِسی جہاز میں، تم بھی اِسی جہاز میں۔

کچھ لوگوں کا رُجحانِ طبع یہ ہے کہ:

بس اعلیٰ حضرت کا ذکر کرو۔ دیگر اسلاف واَکابر کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

یہاں تک کہ جب امام اعظم ابوحنیفہ سمینار وکانفرنس، بمبئی کا انعقاد (دسمبر ۲۰۱۲ء) ہونے والا تھا تو کچھ اس طرح کے تبصرے بالواسطہ سننے میں آئے کہ:

"اِس کی کیا ضرورت تھی؟ اگر سمینار وکانفرنس کرنا ہی تھا تو اعلیٰ حضرت پر کرنا چاہیے تھا۔"

کیا ایسے بدنصیب ومحرومُ القسمت ومحدودُ الفکر حضرات یہ چاہتے ہیں کہ:

سارے اکابر واسلاف کو مَعَاذَ اللّٰہ دفن کر دیا جائے اور صرف اعلیٰ حضرت، اعلیٰ حضرت کیا جائے، مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگوایا جاتا رہا ہے، اور ان کی تائید وتقویت کی پائدار کوششوں سے عملاً بے توجہی برتی جاتی رہے؟

یہ ذہنیت جس کی بھی ہو، یقیناً اور قطعاً، نہایت گمراہ کرنے والی اور مذہبِ اہلِ سُنَّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت سے بہت دور لے جانے والی ہے۔ جس سے خدا کی پناہ!

اِسی طرح بدمذہبوں سے دور رہنے کا مطلب، کچھ لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہر میدان اور ہر شعبۂ عمل سے سمٹ کر اپنے آپ کو محدود ومحصور کر لیا جائے۔

اِس فکر وخیال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ:

دوسروں کے لئے میدان، خالی کر دو۔ جس کے بعد وہ خَلقِ خدا کو گمراہ کرتے اور ہر شعبۂ عمل پر قابض ہو کر اپنی فتح کا جھنڈا لہراتے چلے جائیں۔

کیا یہ بالواسطہ بدمذہبی اور وہابیت کے لئے راہ کشادہ کرنے اور فروغِ بدمذہبی ووہابیت میں خود اپنے طرزِ عمل سے مُعین ومددگار ہونے کا عمل نہیں ہے؟

اور میدانِ مقابلہ سے فرار اختیار کرنا بے عملی ونا اہلی وبُزدلی کی واضح دلیل نہیں ہے؟

آخر ایسے لوگ کیا چاہتے ہیں؟ اور مسلمانانِ اہلِ سُنَّت کو کس قعرِ مذلّت میں ڈھکیلنا چاہتے ہیں؟

مجھے رَہزنوں سے غرض نہیں، تری رَہبری کا سوال ہے؟

''عرفانِ مذہب ومسلک'' کا ایک نقد فائدہ یہ ہوا کہ:

مسلک کے ایسے جھنڈا بردار اَفراد جن کے لئے کسی بھی سُنّی کو ''صلحِ کلّی'' کہہ دینا معمول کی اور معمولی بات تھی (جن کی رَوِش اور طور وطریقہ سے اہلِ سُنَّت کا مذہبی حلقہ بخوبی واقف ہے)

اب وہ نہ صرف یہ کہ چوکنّا ہو گئے ہیں بلکہ جگہ جگہ مجلسی گفتگو اور تقریروں کے ذریعہ یہ صفائی دیتے پھر رہے ہیں کہ ہم نے کسی کو صلحِ کلّی نہیں کہا ہے۔ ہم نے کسی کو صلحِ کلّی کہاں کہا ہے؟

چلیے اچھا ہے کہ یہ عادت تو کسی طرح اپنے انجام کو پہنچی۔ کم از کم اب سے آپ بلاتحقیق

وثبوتِ شرعی کے، کسی سنّی کو صلحِ کلّی کہنے سے پرہیز کریں گے۔

یہ ایک بڑی اچھی اور خوش آیند بات ہے جس کا تہِ دل سے استقبال کیا جانا چاہیے۔

اِدھر کچھ سالوں سے **ایک نیا حَربہ**، بعض یارانِ طریقت نے اپنانا اور آزمانا شروع کیا ہے کہ جہاں کوئی بات اُن کے مزاج ومفاد کے خلاف ہوئی۔ فوراً اِعلان کر دیا کہ:

''فلاں شخص، مسلک مخالف یا مرکز مخالف ہے۔''

لوگوں کو مرعوب کرنے اور اُن پر دھونس جمانے کا یہ ایک نیا اور بڑا مؤثر طریقہ ایجاد کیا گیا ہے جس کا جنازہ جلد ہی نکلے گا اور اس پر کوئی دو بُوند آنسو بہانے والا بھی نہیں ملے گا۔

ایسی ہرزہ ذہنیت، موت کے گھاٹ اتر جانی چاہیے جو مذہبی لبادے میں مذہبی بے اصولی وبے اعتدالی یا مذہبی تجارت وسوداگری کو فروغ دے رہی ہو۔

ایسا ہوگا اور ضرور ہوگا اور ہمارا مسلک ومرکز بھی باقی رہے گا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَبارَکَ وَتَعالیٰ۔

''عرفانِ مذہب ومسلک'' تاجرانہ ومفاد پرستانہ ذہنیت رَکھنے والوں کے خلاف وہ صدائے حق اور صحیح مذہبِ اہلِ سُنَّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت کا وہ نعرۂ بلند آہنگ ہے جس نے بہتوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور اِس برقِ خاطف نے ناقص وفاسد ذہنیت سے معمور نہ جانے کتنے آشیانوں کو، جلا کر خاکستر کر دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں اور پوچھنے والے پوچھ رہے ہیں کہ:

گیا کون ہے صَید اَفگن اِدھر سے؟
کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں

لیکن نہیں۔ یہ آشیانے ویراں نہیں بلکہ آباد ہونے چاہئیں ایسے افراد سے جن کے دل

ودماغ ، دین ومذہب کے صالح اَفکاروخیالات اورعلم وفن وشعور وادراک سے معمور ہوں۔
جودین پر استقامت کے ساتھ دنیا کے حالات ومعاملات کو سمجھیں ۔ جوملّت وجماعت کی صحیح
رہنمائی کے جذبات سے سرشار ہوں۔ جومثبت اورتعمیری فکروکردار کے حامل ہوں۔ جومعاملہ فہم
اورمستقبل شناس ہوں۔ جووقت کے تقاضوں کے مطابق اپنا لائحۂ عمل طے کرسکیں۔ جوآنے والی
نسل تک اُس وراثت وامانت کودیانت کے ساتھ منتقل کرسکیں جواُنھیں اپنے اکابرواسلاف سے
عہد بہ عہد حاصل ہوتی ہوئی چلی آرہی ہیں۔

آج ضرورت اِس بات کی ہے کہ رائج الوقت اچھے کاموں کے ساتھ اِن
دومحاذوں پر بھی خاطرخواہ توجہ دی جائے:

(۱) مسلم معاشرے کا وہ طبقہ جسے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کہا جاتا ہے۔ جوحکومتی
دفاتر،اسکولوں،کالجوں،یونیورسٹیوں،ہاسپٹلوں اورتجارت وصحافت وسیاست وغیرہ سے وابستہ
ہے،اُس کے ذوق ومزاج کے مطابق عصری اسلوب میں صحیح اسلامی ہدایات وتعلیمات پرمشتمل
ایسے لٹریچرمختلف زبانوں میں اس طبقہ کے مطالعہ کے لئے تیار کیے جائیں جنھیں وہ پڑھ کراسلام
اوراُس کے فطری وآفاقی نظام کواچھی طرح سمجھ سکے اور اِس طرح اُسے اپنے اسلام وایمان پرمکمل
یقین واعتماد قائم ہواوراُس کی معلومات اتنی وافر ہوجائیں کہ وہ جہاں اُس کے مطابق اپنی زندگی
گذارنے کی کوشش کرے وہیں ہرطرح کے اِلحاد وبے دینی اور گمراہی سے اپنے آپ کومحفوظ
رکھ سکےاورتاحیات اپنے مذہب ومسلکِ حق پرقائم ودائم رہے۔

(۲) وہ نئی نسل جواسکولوں،کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیرتعلیم ہے۔

اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ نوے فی صد سے زائد مُسلم طلبہ، مدارس نہیں بلکہ اسکولوں،
کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔

ایسے طلبہ کے دینی مستقبل کی فکر ہماری مذہبی وقومی وملّی ذِمّہ داری ہے۔ اِس لئے اُن طلبہ
پرہم خاص توجہ دے کروہ غذا فراہم کریں جواُنھیں ایک صحت منداسلامی ذہن عطا کرسکے اوربچپن
ہی سے اسلامی معلومات کاخزانہ اُن کے دل ودماغ میں اتنا جمع ہوجائے کہ زندگی کے کسی مرحلے
میں اُنھیں مذہبی واخلاقی طور پرکسی احساسِ کم تری وکم زوری کاشکار نہ ہونا پڑے۔ وہ پوری قوت

وتوانائی کے ساتھ آگے بڑھیں اورکبھی کسی فکری ونظریاتی گمراہی کاشکار نہ ہوسکیں۔

یادرکھیے!اِن بچوں پرہم،آپ توجہ نہیں دیں گے۔اِن کی صحیح تعلیم وتربیت کاانتظام نہیں کریں گے
۔اِن کے لئے ایسے پرائیوٹ اسکول وکالج نہیں کھولیں گےجس کے نصاب میں اسلامیات،لازمی
طور پرشامل ہو۔توپھرسُنّی گھرانے کے لاکھوں بچے،رفتہ رفتہ اہلِ سُنّت کے ہاتھ سے نکلتے چلے جائیں
گے۔اور ہماری شومیِ قسمت سے ہندوپاک کے بےشمار علاقوں میں ایساہونے بھی لگا ہے۔

کیا یہ صورتِ حال ہمیں غیرت دِلانے اور ہماری بے حسی کو بیداری میں تبدیل کرنے کے
لئے کافی نہیں؟

ہم اگراِن طلبہ پرمناسب توجہ نہیں دیں گےتووہ دوسرے لوگ جوبڑی مستعدی اورسرگرمی کے
ساتھ ہرمسلم آبادی میں اپنے اسکول وکالج کھولتے چلے جارہے ہیں،وہ حکمتِ عملی کے ساتھ،تعلیم کے
نام پر ہمارے بچوں کوبھی ہَضم کرتے چلے جائیں گے۔اورآئندہ کفِ افسوس ملنے کے سِوا ہمارے
پاس کوئی چارہ نہ ہوگا۔

دوسروں کے لئے لقمۂ تَر اور ''چارہ'' بن کرہمارا ہی بچہ ''بے چارہ'' ہوجائے گا۔اورہم
حسرت ویاس کے ساتھ اُس کامُنہ تکتے اورکفِ افسوس ملتے رہ جائیں گے۔

**کرنے کے کام یہ ہیں اورنہایت ضروری ہیں۔مگرشور وشر،نعرہ بازی، سطحی
جذباتیت سے ایسے کام نہیں ہوتے ہیں۔اِن کے لئے خاموش جدوجہد،
پائدارحکمتِ عملی ، بیدارمغزی ، حُسنِ اخلاق ، مستقل مزاجی ،جیسی صفات کی
ضرورت ہوتی ہے۔اور یہ صفات نایاب نہیں توکم یاب ضرور ہیں۔**

ہمارے مشائخِ کرام اگرجماعتی مسائل کی طرف توجہ مبذول فرمائیں تواُن کے اَثرورُسوخ
سے بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔اُن کے مُریدین ومتعلقین ومخلصین بہت کچھ کرنے کی صلاحیت
رکھتے ہیں۔صرف اپنے شیخ وپیرومُرشد کی توجہ وہدایت ، بڑے سے بڑا کام کرڈالنے
پراُنھیں آمادہ وکمربستہ کرسکتی ہے۔مگرصورتِ حال اوراس سے پیدا ہونے والا خیال یہ ہے کہ:

''میرے کرم فرما!اگرمجھ سے برہم نہ ہوں توحدیثِ دل زبان پرلاؤں اورزخمِ جگر سے پردہ
اٹھاؤں۔نہیں،نہیں۔اِن کی برہمی کاخطرہ مول لیتے ہوئے بھی مَیں بصد ادب ونیازعرض کروں گا کہ:

موجودہ صورتِ حال کی ساری نہیں تو بیشتر ذِمّہ داری، اُن پیر صاحبان پر عائد ہوتی ہے، جو اہلِ سُنّت کے کشورِ دل کے سلطان ہیں۔ جو ہماری عقیدتوں کا مرکز ہیں۔ جو ہمارے عشق و مستی کا عُنوان ہیں۔ جن کے اشارۂ اَبرو پر نیک سنّی مسلمان، دل و جان قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔

اُنھوں نے علمی و فکری میدان میں جس مجاہدہ و جہاد کی ضرورت تھی اُس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اہلِ سُنّت کو متحد و منظّم کرنے کی اہمیت پر انھوں نے توجہ نہیں فرمائی۔ اور اُمّت کا سَوادِ اعظم ایک لشکرِ جرّار کے بجائے بھیڑوں کا گلہ بن گیا۔

لیکن اب بھی اگر اَدائے فرض کا احساس بیدار ہو جائے تو اس کی تلافی، چنداں مشکل نہیں۔

ہر شیخ کا اپنا حلقۂ اِرادت ہے جو اپنے شیخ پر پورا اِعتماد رکھتا ہے۔ اکثر مشائخِ کرام میں سے صرف وہ چند جن کا علم و فضل اور جن کے روحانی گھرانے کا ماضی، آفتاب و ماہتاب سے تابندہ تر ہے، باہم متحد ہو جائیں تو دینی، اخلاقی، معاشرتی ہر میدان میں جو خرابیاں، مِلّت و جماعت کی رُسوائی کا باعث بنی ہوئی ہیں اُن کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔

ہر سنّی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کے رسولِ مکرّم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے عشق کا سمندر، ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ کام صرف اتنا ہے کہ اُس میں اُٹھنے والی شوخ و شنگ موجوں کو منظّم کر کے اُن کا صحیح رُخ، متعین کر دیا جائے۔

ہمارے مشائخِ کرام اگر یہ فرض ادا کر دیں تو بخدا ہم ہر لشکرِ باطل کو شکست و ہزیمت سے دوچار کر سکتے ہیں۔'' (ملخصاً از ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور۔ شمارہ نومبر و دسمبر ۱۹۷۶ء)

تاریخ کے اوراق پلٹیے اور سُنیے۔ غور سے سُنیے۔ ایک مفکّر و مدبّرِ اہلِ سُنّت کی پُر شکوہ و پُر وقار اور تاریخ ساز آواز:

''اب آپ اِس عقیدہ کو چھوڑ دیجیے کہ:

آپ کے فرائض، ایک مجلس میں وعظ کہہ کر۔ یا ایک حلقہ میں درس دے کر۔ یا ایک خلوت خانے میں فتویٰ دے کر ادا ہو جاتے ہیں۔ اور آپ کو اِس پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں کہ:

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ اور بدخواہانِ اسلام، تخریب کے لئے کیا کیا تدابیر، عمل میں لا رہے ہیں؟

یقیناً یہ آپ کا فرض ہے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

اُٹھیے اور اپنے فرض کو ادا کیجیے۔''

(ص ۷۔ ماہنامہ اَلسَّوَادُ الْاَعْظَم۔ مرادآباد۔ شمارہ رجبُ المرجّب۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

''ستم ہے کہ جاہل، عالم نُما بن کر میدان میں آئیں اور اُن کی تعداد سے دنیا کو دھوکا دیا جائے اور اُن کی خود رائی و نفس پرستی کو عُلما کی رائے قرار دیا جائے۔ اور عُلما کا پورا طبقہ، ساکت و خاموش بیٹھا یہ سب کچھ دیکھا کرے۔؟

نہ اُس کے منہ میں زبان ہو، نہ زبان میں حرکت، نہ ہاتھ میں قلم ہو، نہ قلم میں جنبش۔

اب آپ کا یہ تقاعُد، زُہد و اِنکسار کی حد سے گذر کر غفلت و تکاسُل کے دائرے میں آ گیا ہے۔ اور اِس اندازِ سکوت سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔''

(ص ۶، ماہنامہ اَلسَّوَادُالْاَعْظَم۔ مرادآباد۔ شمارہ رجب۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

زیرِ نظر کتاب میں مَیں نے جو کچھ لکھا ہے اُس کی بیشتر بنیادیں، ماہنامہ حجازِ جدید، دہلی (سالِ اِجرا۔ ۱۹۸۸ء) اور ماہنامہ کنزالایمان، دہلی (سالِ اِجرا۔ ۱۹۹۸ء) کے میرے تحریر کردہ اِداریوں میں مل جائیں گی۔

قائدِ اہلِ سُنّت، رئیس القلم، حضرت علاّمہ ارشد القادری (متوفی ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء) نے اِن اداریوں اور میرے خیالات و عزائم کی جتنی تحسین اور پذیرائی کی وہ صرف زبانی نہیں بلکہ تحریری بھی ہے۔ آپ کی دو تحریروں کے اِقتباسات پیش کرتے ہوئے مَیں اپنی بات ختم کرتا ہوں:

(۱)......زندگی کی سرفرازیوں کا نقشہ تیار کرنے کے لئے جس نے بھی قلم، ہاتھ میں لیا اُسے اِس خارزار وادی سے تنہا گذرنا پڑا۔ کسی نے اُس کا کرب تقسیم نہیں کیا..........

کسی نے محسوس نہیں کیا کہ جو خونِ جگر، ہر ماہ تحریروں کے نقوش میں جذب ہو رہا ہے، وہ اگر سوکھ گیا تو قلم کے لئے روشنائی، کہاں سے آئے گی؟

کون اِحساس کی نبض کو گرم رکھے گا؟ کون فکر کے دریچے کھولے گا؟ کون جذبے کو نئی توانائی عطا کرے گا؟ اور کون کاروانِ ہمت کو جادہ پیمائی کے لئے آمادہ کرے گا؟.........

اہلِ سُنّت کا یہ (ماہنامہ حجازِ جدید، دہلی) پہلا ترجمان ہے جو فکری اور تنظیمی بیداریوں کی ایک انقلاب انگیز تحریک لے کر اُٹھا ہے۔

ہر شمارہ میں آپ کا اِداریہ، واضح طور پر اُس منزل کی نشان دِہی کرتا ہے، جدھر آپ اہلِ سُنَّت کی نوجوان نسل کو لے جانا چاہتے ہیں۔

کسی بھی مدیر کی قلمی توانائیوں کا مظہر دراصل خود اُس کا اداریہ ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے فکر انگیز اور ذہن ساز اداریوں کے ذریعہ، سوپچاس افراد کو بھی قلمی توانائیوں سے مسلّح کر دیا تو آپ کا نام ''مذہبی زندگی کے ناقابلِ تسخیر قوتوں کے بانی'' کی حیثیت سے تاریخ میں محفوظ ہو جائے گا۔

آپ ہر ماہ، اسی طرح اِحساس کی مُردہ رگوں پر نشتر چلاتے رہیے۔

کہیں سے تو زندگی کا سوتا پھوٹے گا۔ کبھی تو جذبات کی سطح سے اوپر اُٹھ کر سوچنے والے افراد پیدا ہوں گے۔

تحریر کی ساحری کا رَنگ اگر چہ دیر میں نِکھرتا ہے لیکن اگر نِکھر گیا تو صدیوں تک وہ اُسی آب وتاب کے ساتھ باقی رہتا ہے۔

اس کی زندہ مثال دیکھنا ہو تو اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سُنَّت، فاضلِ بریلوی کی عبقری شخصیت کا مطالعہ کیجیے۔ اُن کی زندگی میں ''چند کتابے ودوات وقلمے'' کے سِوا تقریر وخطابت کی کوئی گھن گرج آپ نے دیکھی ہے؟

..........اور عقلِ بے مایہ کو انگشت بدنداں رہنے دیجیے کہ:

مسلکِ اہلِ سُنَّت کے نام سے امتیازِ حق وباطل کا ایک عالم گیر انقلاب جس کے مبارک و مسعود آثار، آج بحر وبر کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ تنہا ایک شخص کے قلم کا برپا کیا ہوا ہے۔

اپنی تلخ نوائی کی معذرت چاہتے ہوئے اِس مقام پر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ:

اعلیٰ حضرت، فاضلِ بریلوی نے ہمیں لوح وقلم کا وارث بنایا تھا۔ اور ہم نصف صدی سے صرف منبر کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ اِس کا انجام یہ ہے کہ:

اب اہلِ قلم، ہماری جماعت میں نہیں پیدا ہو رہے ہیں۔ کسی مفکّر کو دیکھنے کے لئے ہماری آنکھیں ترس گئی ہیں۔

دنیا کا کوئی بھی مذہب، ہَوا میں تحلیل ہو جانے والے الفاظ کی بنیاد پر زندہ نہیں رہا ہے۔

جب تک اس کی پشت پر فکر انگیز لٹریچر نہ ہو، اُسے نہ اِستحکام حاصل ہو سکتا ہے اور نہ وہ آنے والی نسلوں میں منتقل ہو سکتا ہے۔.........

اگر ہماری جماعت کے اصحابِ فکر وقلم نے اِن فروگذاشتوں کی تلافی نہیں کی تو ہندوستان کی سرحدوں سے اُس پار، موجودہ امتیاز وتشخص کے ساتھ ہمارا کوئی نام ونشان باقی نہیں رہے گا۔

ویسے ایران اور نجد کو چھوڑ کر دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں مذہبِ اہلِ سُنَّت اُنھیں روایات کے ساتھ، زندہ نہ ہو جن روایات کے ساتھ ہندو پاک میں زندہ ہے۔

اور یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ مذہب، زندہ ہو اور اُس کے پیچھے اہلِ قلم اور اہلِ اِبلاغ کا وجود، سرگرمِ عمل نہ ہو۔ لیکن ماتم اپنی اس تقصیر کا ہے کہ آفاقی سطح پر ہم اپنی تبلیغی ذِمّہ داریوں سے اب تک سُبک دوش کیوں نہ ہو سکے؟

اور اِس کی وجہ سِوا اِس کے اور کچھ نہیں ہے کہ:

ہم نے اپنی ساری اِنَرجی (طاقت) صرف تقریروں پر صَرف کی ہے اور پہاڑ کے برابر غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے اپنے عوام کو بھی تقریروں کا رَسیا بنا دیا۔ اور ایسا رَسیا بنا دیا کہ تقریروں کے علاوہ، تحریروں کی پذیرائی کا جذبہ ہی اُن کے اندر سے بالکل مفقود ہو گیا۔

ہم سجدۂ سَہو ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو حالات اب بھی قابو سے باہر نہیں ہیں۔ اور اِس کے لئے ہمیں دو بنیادی کام کرنے ہوں گے:

پہلا کام تو یہ ہے کہ ترغیب وتشویق کے جتنے بھی ذرائع ممکن ہو سکتے ہیں، اُنھیں استعمال کر کے اہلِ سُنَّت میں اصحابِ قلم مفکّرین کی ایک متحرّک وفعّال جماعت تیار کی جائے۔

اور دوسرا کام یہ ہے کہ اپنے عوام میں قلمی خدمات کی پذیرائی اور قدر دانی کا ایسا پُرخلوص جذبہ پیدا کیا جائے کہ وہ تحریری کام کو زندہ رکھنے کے لئے ہر طرح کی معاونت کریں۔'' اِلٰی آخرِہٖ۔

آپ کا قدرداں:۔ ارشد القادری۔ فیض العلوم جمشید پور۔ یکم فروری ۱۹۸۹ء۔

(مطبوعہ۔ ماہنامہ حجازِ جدید، دہلی۔ شمارہ شعبان ۱۴۰۹ھ/ مارچ ۱۹۸۹ء۔ وص ۸۸ تا ص ۹۱۔ نقوشِ فکر۔ مطبوعہ ،اسلامک پبلشر۔ مٹیا محل، جامع مسجد۔ دہلی۔ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

(۲)..........''بیرونِ ملک کے طویل سفر سے واپسی کے بعد مارچ اپریل (۱۹۹۱ء) کے مشترک شمارے کا اداریہ پڑھا۔

ہر ماہ، حجاز کی زمین پر اپنے خونِ جگر سے جو نئے نئے گل بوٹے آپ سجاتے ہیں، دیدۂ شوق کی آسودگی کے لئے وہی کیا کم تھے کہ:

اِس بار آپ نے دماغ کی سب سے اونچی سطح پر ایک ایسا گل کِھلایا ہے جس کی خوشبو سے جذبہ واِحساس ہی نہیں بلکہ کاغذ کا پیرہن تک معطّر ہو گیا ہے۔

اپنے بہت سارے ذیلی شعبوں کے ساتھ ''دارُالقلم'' کے قیام کا اعلان پڑھ کر مَیں حیران وششدر رہ گیا۔

آپ کے متعلق میرا سب سے بلند تصور یہ تھا کہ:

آپ ایک بہت اچھے صاحبِ قلم، ایک فلک پیما مفکّر، ایک صاحبِ طرز ادیب، اور جذبات واِحساسات کے ایک انقلابی ترجمان ہیں۔''

لیکن تازہ اداریہ کے ذریعہ، پہلی بار اِس حیثیت سے آپ کا تعارف ہوا کہ:

آپ، اہلِ سُنّت کے فکری اور علمی مستقبل کے بہت بڑے منصوبہ ساز بھی ہیں۔''

خدائے قدیر آپ کی اُن انگلیوں کی حفاظت فرمائے جو اَب تک صرف قلم پر تھیں لیکن اب ایک شکستہ حال قوم کی نبض پر ہیں۔''

آپ بھی بدلتے ہوئے حالات کا یہ تماشا دیکھ رہے ہوں گے کہ:

اب بتدریج، زبان کی مصنوعات کی مارکیٹ، ڈاؤن ہوتی جارہی ہے۔ یہاں تک کہ جو طبقہ، الفاظ کے کاروبار پر اب تک زندہ تھا۔ وہ اب اپنی معیشت کے لئے دوسرے ذرائع کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

............خدا آپ کو نظرِ بد سے بچائے اور آپ کے جذبے کی تکمیل کے لئے پردۂ غیب سے وسائل فراہم کرے۔

خدا نے چاہا تو اِس خارزار وادی میں آپ مجھے بھی اپنا شریکِ سفر پائیں گے۔

سرکار آسی کے اِس شعر پر اپنا یہ مکتوب تمام کرتا ہوں:

بہر صورت، طلب لازم ہے آبِ زندگانی کی
اگر پایا خضر تم ہو، نہ پایا تو سکندر ہو

وَالسَّلام :۔ ارشد القادری۔ بانی ومہتمم جامعہ حضرت نظام الدین اولیا۔ نئی دہلی ۱۳۔

(مطبوعہ۔ ماہنامہ حجازِ جدید، دہلی۔ شمارہ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ/ستمبر ۱۹۹۱ء۔ ص ۲۳۷ و ۲۳۸ ۔نقوشِ فکر۔ مطبوعہ اسلامک پبلشر۔ مٹیا محل، دہلی۔ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

لگے ہاتھوں راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) کی ایک کتاب ''امام احمد رضا اور رَدِّ بدعات'' پر آپ کی تحریر کردہ ''تقدیم'' (محرّرہ مئی ۱۹۸۸ء) کے دو اقتباسات بھی ملاحظہ فرماتے چلیں:

''ان کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اشرفیہ مبارک پور کے زمانۂ تدریس میں طلبہ کے اندر تحریری ذوق کی بیداری اور ان کی فکری رہنمائی کا جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے اس کے اثرات آج پورے ملک میں محسوس کیے جارہے ہیں۔ اور اہلِ سُنّت کی نئی نسل کے درمیان، تصنیف وتالیف کا رُجحان تیزی سے بڑھتا اور پھیلتا جارہا ہے۔

عربی علوم وفنون میں گہرے رُسوخ کے ساتھ وہ بالغ نظر مفکر اور بلند پایہ محقق کی حیثیت سے بھی اپنے اَقران میں امتیازی خصوصیت کے حامل ہیں۔

اپنی گراں قدر تصنیفات کے ذریعہ ایک شہرۂ آفاق مصنّف کی حثیت سے وہ دنیا کے بیشتر حصوں میں جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ اخلاقی محاسن کے اعتبار سے بھی وہ ایک پُرکشش شخصیت کے مالک ہیں۔ علم وفضل کے ساتھ دیانت وتقویٰ کی نعمت سے بھی وہ آراستہ ہیں۔

اور بلاشبہ، یہ ثمرہ ہے حضور حافظِ مِلّت بانیِ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے فیضانِ صحبت کا جس نے انھیں پیکرِ محاسن وجامعِ کمالات بنادیا۔

اوقات کا تحفظ اور زندگی میں نظم وضبط ان کی قابلِ تقلید خصوصیات سے ہیں۔ قلمی کام کرتے کرتے، تنہائی کے وہ اس قدر عادی ہوگئے ہیں کہ ہجوم سے انھیں وحشت ہونے لگتی ہے۔

''کام زیادہ، باتیں کم'' کے اصول پر وہ سختی سے عمل پیرا ہیں۔

موصوف کی گفتگو میں جذبات کا عنصر، کم اور معقولیت کا عنصر، زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دانشوروں کے حلقے میں ان کا اثر ونفوذ، دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔

اور ان کا وہ ہُنر، جس نے اہلِ علم وادب سے ان کی شخصیت کا لوہا منوالیا ہے، وہ ان کی سحر انگیز اور دل رُبا طرزِ تحریر ہے۔ جو عام فہم، سادہ اور سلیس ہونے کے باجود اتنی پُرکشش، اتنی خوبصورت اور اس درجہ ادبی محاسن سے آراستہ ہے کہ پڑھیے تو پڑھتے رہیے۔

زبان کے رُخ سے ان کی تحریر میں جو خوبیاں ہیں وہ اپنی جگہ ہیں۔ قوتِ استدلال اور بلندیِ فکر اور مَواد کے اعتبار سے بھی ان کا قلم اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔'' الخ

(ص ۱۶۔ ''تقدیم'' محرّرہ مئی ۱۹۸۸ء۔ بقلم علاّمہ ارشد القادری۔ مشمولہ ''امام احمد رضا اور رَدِّ بدعات

ومنکرات''۔ طبع رابع ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء۔ مطبوعہ ہندو پاک)

............ورلڈ اسلامک مِشن کے ایک مؤقّر وفد نے ''جَمعیةُ الدَّعوةِ الاسلامیة العالَمیة'' کی دعوت پر اس کی تیسری بین الاقوامی کانفرنس منعقدہ ۱۵ر تا ۲۰ر ستمبر ۱۹۸۶ء طرابلس (لیبیا) میں شرکت کی۔ دہلی سے لندن اور وہاں سے طرابلس (لیبیا) پہنچ کر وفد نے کانفرنس کی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ اور لندن ہوتے ہوئے ہماری واپسی ہوئی۔

لیبیا اور برطانیہ میں تین ہفتہ تک مولانا موصوف اور راقِم سطور ارشد القادری کا ساتھ رہا۔ اس سفر میں بہت قریب سے ان کی صلاحیتوں کا جائزہ لینے کا موقع ملا۔ متعدد وُفود و شخصیات سے ملاقات، بین الاقوامی مسائل پر گفتگو، اور دعوت و تبلیغِ اسلام کے لئے نئی نئی راہیں نکالنے کے لئے ان کا ذہن جس تیزی و رَوانی اور وُسعت و جامعیت کے ساتھ کام کرتا رہا، اُس کا اعتراف سارے شرکاے وفد نے کیا اور تحسین آفرین کی نظروں سے دیکھا۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔ (ص ۱۷۔ حوالہ مذکورہ)

''بلاشبہ، حضرت مولانا محمد یٰسٓ اختر مصباحی پوری دنیاے سُنّیت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ پہاڑ کھود کر انھوں نے جوئے شیر نکالا ہے۔ اور مجھے کہنے دیجیے کہ پہاڑ کھودنے کے بعد بھی انھیں کچھ نہیں ملتا اگر سچائیوں کا خود اپنا کوئی وجود نہ ہوتا۔

اور سچی بات یہی ہے کہ ہزار پردہ ڈالنے کے بعد بھی حقیقت کی کرن، کسی نہ کسی مَنفذ سے پھوٹ کر رہی۔ اسی طرح برصغیر ہند میں دینی و ملّی سرگرمیوں کی صحیح تاریخ مرتّب کرنے کے لئے اہلِ سُنّت کے مصنفین کو مَواد ہاتھ آئے۔

اس گراں قدر خدمت کے لئے پاکستان میں پروفیسر، ڈاکٹر مسعود احمد صاحب مجدِّدی مظہری اور ہندوستان میں حضرت مولانا محمد یٰسٓ اختر مصباحی کو قدرت نے ایسا لگتا ہے کہ چن لیا ہے۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔ (ص ۳۰۔ حوالۂ مذکورہ)

چلتے چلتے، حضرت مولانا شبنم کمالی (متوفی ۱۹ر اگست ۲۰۰۴ء) کا یہ فکر انگیز اور حوصلہ افزا مکتوب بھی نذرِ قارئین ہے:

..........جہاں آپ کا جذبۂ ملّی، قابلِ قدر ہے وہیں آپ کا، فروغِ مسلک کے لئے مصروفِ عمل ہونا بھی لائقِ صد ستائش ہے۔

رضا اکیڈمی بمبئی کی جانب سے اِنعام و اِعزاز، پھر مادرِ علمی (اشرفیہ مبارک پور) کے لئے

آپ کا ایثار بھی دیکھنے کو ملا۔ اِسی طرح پاکستان میں آپ کے مصروف لمحوں سے بھی باخبر ہوا۔

دارُ القلم دہلی کے نام سے آپ کا قلمی و تنظیمی کارنامہ تو پہلے ہی نظر نواز ہوا۔ دسمبر ۱۹۹۱ء کے شمارہ میں آپ کے منصوبہ کی جھلک بھی دیکھنے میں آئی۔ یقیناً نوکِ قلم کا اِس کو ''ایک عہد آفریں انقلاب'' کہنا، بالکل درست ہے۔

............وہ بھی سرزمینِ دہلی پر، معمولی ہمت و استقلال اور جذبۂ عمل کی بات نہیں۔

خدا کرے کہ آپ اپنے مقصدِ خیر میں بدرجۂ اَحسَن کامیاب ہوسکیں۔ اور بہتر سے بہترین کی طرف آپ کا قلم اور قدم، دونوں اُٹھتا رہے۔

اور آپ بجا طور پر اپنے معاصرین سے کہہ سکیں کہ:

ابھی تم میری خاکِ رہ گذر سے کھیلنا سیکھو
مِری پرواز کی رفعت، نہ سمجھوگے کہاں تک ہے

شبنم کمالی، لُو ام۔ دربھنگہ۔ بہار (مطبوعہ۔ ماہنامہ حجاز جدید، دہلی۔ شمارہ جنوری ۱۹۹۲ء)

مولانا شبنم کمالی کے تحریر کردہ شعر کے ساتھ اگر مَیں اِس شعر کا اضافہ کردوں تو بے جا نہ ہوگا کہ:

قفس کی تیلیوں سے لے کے، صَحنِ گلستاں تک ہے
مِری دنیا یہاں سے ہے، مِری دنیا وہاں تک ہے

اور قارئین کی خدمت میں یہ درخواست کرتے ہوئے اب اجازت چاہوں گا کہ:

اِسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
زمیں اور بھی آسماں اور بھی ہیں

وَاللّٰہُ الْهَادِی وَالْمُوَفِّقُ وهُوَالْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْهِ التُّکْلَان۔

بسم اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

شعور وعرفانِ مذہب ومسلک

فیضانِ محبت عام تو ہے، عرفانِ محبت عام نہیں
اللہ اگر توفیق نہ دے، انسان کے بس کا کام نہیں

شعور وادراک اور علم وعرفان، ربِّ کائنات کا وہ عطیہ اور انعامِ گراں قدر ہے جس سے سرفراز ہونے والے انسان یقیناً بڑے ہی باتوفیق اور سعید وصالح ہوا کرتے ہیں۔ فضل وعنایتِ خداوندی سے ہی ایسے بامُراد انسانوں کی رہنمائی ودَست گیری ہوا کرتی ہے اور نصیبہ کی اِس ارجمندی سے وہ کونَین کی سعادتوں سے ہم کنار ومالا مال ہوجاتے ہیں۔

ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ۔(سورۃ الحدید۔آیت ۲۱)

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے اُسے دے۔اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

''سوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت'' بِفَضۡلِہٖ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ وبِکَرَمِ حَبِیۡبِہٖ الۡاَعۡلیٰ عَلَیۡہِ وعَلیٰ آلِہٖ اَفضلُ الصَّلوات واَکرمُ التَّسلیمات اِس خوش بختی اور اقبال مندی سے بہرہ ور ہیں کہ وہ اُس منتخب طبقۂ انسانی وافرادِ اُمّتِ محمدی میں ہیں جو سُنّت ووراثتِ نبوی کے حامل وامین ہوکر صراطِ مستقیم پہ گامزن اور رضائے رب ورضائے رسول وآلِ رسول کی نعمتِ لازوال سے بہرہ ور اور فائز المرام ہیں۔ فَلِلّٰہِ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّۃُ وَالشُّکۡرُ۔

عقائدِ قطعیہ اجماعیہ کے ماننے والے سارے مسلمان ''سوادِ اعظم'' میں شامل ہیں۔علما وفقہاے اسلام کا کوئی فرعی اختلاف ان میں سے کسی کو سوادِ اعظم'' سے خارج کرنے کا سبب نہیں بن سکتا۔جُملہ اشاعرہ وماتریدیہ ومقلّدین ائمۂ اربعہ ''سوادِ اعظم'' کا حصہ اور اس کے افراد وارکان ہیں۔

ارشادِ نبوی: اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الۡاَعۡظَمَ، (سَوادِ اعظم کی پیروی واتباع کرو) کے بارے میں مِرقاۃُ المفاتیح میں ہے:

''اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الۡاَعۡظَمَ ''۔وَالۡمُرادُ مَا عَلَیۡہِ اَکثرُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ۔

قِیۡلَ: وھٰذافِی اُصُولِ الۡاِعتقاد کَارۡکَانِ الاسۡلام۔

وَاَمَّا الۡفُرُوۡعُ کَبُطۡلَانِ الۡوُضُوۡءِ بِالۡمَسِّ مَثَلاً فَلاحَاجَۃَ فِیۡہِ اِلیٰ الۡاِجۡمَاعِ۔ بَلۡ یَجُوۡزُ اِتِّبَاعُ کُلِّ وَاحِدٍمِنَ الۡمُجتھِدین کَالۡاَئِمَّۃِ الۡاَرۡبعۃِ۔

وَمَاوَقَعَ مِنَ الخِلافِ بینَ الۡمَاتُرِیدیۃِ والۡاَشۡعَرِیَّۃِ فِی مسائل فَھِیَ تَرۡجِعُ اِلیٰ الۡفُرُوۡعِ فِی الۡحَقِیۡقَۃِ ۔فاِنَّھَا ظَنِّیَّاتٌ ،فَلَمۡ تَکُنۡ مِنَ الۡاِعۡتِقَادِیَاتِ المَبۡنِیَّۃِ عَلیٰ الۡیَقِیۡنِیَّاتِ۔

بَلۡ قَالَ بعضُ الۡمُحَقِّقِین:اِنَّ الۡخُلۡفَ بینَھُمَافِی الکُلِّ لَفۡظِیٌّ۔اھ

(ص ۳۸۳۔ مِرقاۃُ الۡمَفاتِیح۔اَلۡمجلَّد الۡاَوَّل۔ حدیث نمبر ۱۷۴۔ مطبوعہ دارُ الکتبِ العلمیۃ۔بیروت)

مندرجہ بالاعبارت پیش کرکے اس کا ترجمہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی نے اِس طرح کیا ہے:

''سوادِ اعظم کی پیروی کرو۔اِس سے مُراد، اکثر مسلمانوں کا مذہب ہے۔یعنی اصولِ عقائد ،جیسے ارکانِ اسلام میں اکثر مسلمانوں کا مذہب۔

رہے فروعی مسائل: جیسے چھونے سے (امام شافعی کے نزدیک) مثلاً وضو کا ٹوٹ جانا، تو اِس کے لئے اجماع کی حاجت نہیں۔بلکہ اِس میں مجتہدین۔جیسے چاروں ائمہ۔میں سے ہر ایک کا اِتباع، جائز ہے۔

اور چند مسائلِ عقائد میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کے درمیان جو اختلاف ہے، وہ مسائل ،حقیقت میں فروع سے ہی ہیں۔کیوں کہ وہ ظنّی مسائل ہیں۔اعتقادیات سے نہیں ہیں جن کی بنیاد، یقین پر ہوتی ہے۔

اور بعض محققین نے فرمایا کہ:

اِن دونوں گروہوں کے سارے اختلافی مسائل، حقیقی ومعنوی اختلافات سے نہیں۔بلکہ سب کے سب، لفظی اختلافات سے ہیں۔''مِرقاۃُ الۡمَفاتِیح۔''

(ص ۲۰وص ۲۱۔''عصرِ حاضر میں مسلکِ اہلِ سُنّت کی مترادف اصطلاح!مسلکِ اعلیٰ حضرت'' مؤلّفہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی۔مکتبہ بُرہانِ ملّت مبارک پور۔ضلع اعظم گڑھ۔یوپی۔طبع اول، ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء)

اکابر واسلافِ کرام ومشاہیر اسلام وعلما وصوفیہ ومشائخ عظام کے ارشادات وفرمودات، ہمارے لئے مَشعلِ راہ ہیں۔اور یہ وہ نقوشِ ہدایت ہیں جو کتاب وسُنّت سے مُستفاد ومُستنیر ہیں۔

جن کی پیروی واتّباع ہمارے لئے باعثِ فلاح ونجات ہے۔

کسی تفصیل وتحقیق سے قطعِ نظر چند معروضات، نذرِ قارئین ہیں جن پر توجہ دے کر اُن پر عمل کیا جائے تو ہمارے بہت سے مسائل کا حل اور بہت سی مشکلات کا اِزالہ ہونے کے ساتھ ہماری اجتماعی زندگی کی بہت سی کامیابیوں کے راستے ہمارے سامنے کشادہ ہو سکتے ہیں۔

نورُالعارفین، حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد قادری برکاتی نوری مارہروی (وصال ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں وابستگانِ سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ کو خصوصی طور پر اور سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کو عمومی طور پر نصیحت فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

پہلی نصیحت ووصیت یہ ہے کہ:

ایمان واسلام کو قبول کرنے کے بعد مذہبِ اہلِ سُنَّت وجماعت پر ثابت قدم رہیں۔ اور حنفی مسلک وقادری مشرب کے مطابق اپنا ظاہر وباطن آراستہ رکھیں۔

یعنی بالفاظِ دیگر اپنا ظاہر، شریعتِ غرّا (روشن وتابناک شریعت) کے موافق۔ اور باطن، طریقتِ عالیہ کے مطابق بنائیں۔

شریعت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنہُ کے مُقلِّد رہیں۔ اور طریقت میں حضور غوثِ اعظم، سیدنا عبدالقادر جیلانی رَضِیَ اللّٰہُ تَعالیٰ عَنہُ کے مُتّبع وفرماں بردار بنیں۔ تمام احکامِ اسلام کی تعمیل وپیروی اپنے اوپر فرض جانیں۔

عُلما وفُقرا کا ادب ملحوظ رکھیں۔ خانقاہ ودرگاہ شریف کی خدمت بجالاتے رہیں۔ نمازِ پنج گانہ کے لئے مسجد کی حاضری اور نماز باجماعت اختیار کریں۔

خصوصاً والدین اور اپنے شیخِ طریقت اور علومِ دینیہ کے اساتذہ اور ان کی اولاد کی خدمت گذاری میں کوشش کرتے رہیں۔

اپنے شیخِ طریقت کو اپنے زمانہ کے تمام مشائخ سے اپنے حق میں برتر وبالا جانیں۔ اپنے آپ کو تمام مخلوقاتِ الٰہی سے ذلیل وبے قدر سمجھیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ تواضع پسند اور مُنکسرُ المزاج رہیں۔"

(ص ۲۷و۲۸۔ سِراجُ الْعَوارِف فِی الوَصَایا والْمَعارِف۔ مؤلّفہ نورُالعارفین، سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی۔ اردو ترجمہ (بنامِ شریعت وطریقت) از مفتی محمد خلیل خاں برکاتی۔ حیدرآباد، سندھ۔ مطبوعہ۔ مکتبہ جامِ نور۔ دہلی)

سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کو جس مذہب ومسلک کی پیروی وپابندی کی ہدایت وتاکید

حضرت نورُالعارفین مارہروی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمائی ہے اور جس کا اِلتزام کرنے والوں کو سنّی اور اہلِ سُنَّت کہا جاتا ہے، وہ ایک مشہور ومعروف حقیقت ہے۔ جس کی تعبیر وتشریح، مشاہیر عُلما ومشائخ اہلِ سُنَّت اپنی تحریرات وہدایات کے ذریعہ بار بار کر چکے ہیں۔

"مسلکِ اہلِ سُنَّت" "مسلکِ صحابہ وتابعین" "مسلکِ امامِ اعظم" "مسلکِ اکابر واسلاف" "مسلکِ عُلما ومحدّثین" "مسلکِ سلسلۂ ولی اللّٰہی عزیزی" "مسلکِ عُلمائے فرنگی محل" "مسلکِ خیرآباد وبدایوں" اور "مسلکِ اعلیٰ حضرت"۔ یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں۔ جن میں "مسلکِ اہلِ سُنَّت" ہندوپاک بلکہ عالَمِ اسلام کی سب سے قدیم اور رائج اصطلاح ہے۔

صحیح عقائد وافکارِ اسلامی اور مَراسم ومعمولاتِ اہلِ سُنَّت کے اظہار اور عوام وخواصِ اہلِ سُنَّت کو عقائد وافکارِ باطلہ وفِرَقِ ضالّہ سے محتاط ومُحترز اور ممتاز رکھنے کے لئے عُلما ومشائخ اہلِ سُنَّت نے بیسویں صدی عیسوی کے نصفِ اول میں سنّی اور اہلِ سُنَّت کی جامع ومانع تعریف فرمادی ہے۔

صدرُ الشریعہ، مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی (وصال ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) تحریر فرماتے ہیں:

"اہلِ سُنَّت وجماعت وہ ہیں جو:

رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے عقائد پر ہوں۔

حدیث میں ہے: قالُوا: مَنْ ھُمْ یارَسولَ اللّٰہ ؟ قالَ: مَااَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحابِی۔

یا یوں سمجھیے کہ: حضرت امام ابومنصور ماتُریدی اور حضرت امام ابوالحسن اشعَری نے سُنّیوں کے جو عقائد بیان کیے ہیں، اُن پر عقیدہ رکھے۔

اور اب یہ گروہ، چار مذاہب میں منحصر ہے: حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔

اور جو ان چاروں سے باہر ہے، وہ باطل پر ہے۔

علاّمہ سید طحطاوی، حاشیۂ دُرِّمُختار میں فرماتے ہیں:

وھٰذہِ الطَّائِفَۃُ النَّاجِیۃُ قداجتمعتِ الیومَ فِی مَذاھِب اَربعۃ۔

وھُمُ الحَنفِیون والمالِکیون والشّافِعیون والحَنبلِیون۔ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تعالیٰ۔

ومَنْ کانَ خارِجاً عَنْ ھٰذہِ الْاَربعۃِ فِی ھٰذاالزّمانِ فَھُوَمِنْ اَھلِ الْبِدعۃِ والنّارِ۔

شاہ ولی اللّٰہ صاحب (دہلوی) رسالہ "اَلْاِنْصاف" میں لکھتے ہیں:

بعدَ الْمِأتين ظهرَ التَّمَذْهَبُ لِلْمُجتهِدين بِاَعْيَانِهِم۔ وقَلَّ مَنْ كانَ لايَعتمِدُ عَلٰی مَذهبِ مُجتهدٍ بِعَيْنِهٖ۔

قاضی ثناءاللہ (مجدّدی، پانی پتی) صاحب ''تفسیر مظہری'' میں لکھتے ہیں:

اَهلُ السُّنَّةِ قدافترقتْ بعدَالقُرونِ الثَّلٰثةِ اَوِالْاَربعةِ عَلٰی اَرْبعة مذاهب۔ لَمْ يَبْقَ فِی الفُروعِ سِوٰی الْمَذاهِبِ الْاَرْبعة۔ واللّٰهُ تعالیٰ اعلم۔

(ص ۳۳۷۔ فتاویٰ امجدیہ۔ جلدِ چہارم۔ مطبوعہ دائرۃُ المعارفِ الامجدیہ۔ قصبہ گھوسی۔ ضلع مئو۔ اتر پردیش۔ انڈیا۔ ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء)

آل انڈیا سُنّی کانفرنس، مرادآباد (قائم شدہ ۱۹۲۵ء) کی تنظیم وتشکیل (زیرِقیادت صدرُالافاضل، مولانا محمدنعیم الدین مرادآبادی۔ وصال ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) کے وقت متحدہ ہندوستان کے مشاہیر عُلَما ومشائخِ اہلِ سُنّت و جماعت، مثلاً: صدرُالشریعہ، مولانا محمدامجد علی اعظمی رضوی وصدرُالافاضل، مولانا محمدنعیم الدین مرادآبادی ومفتیِ اعظمِ ہند، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری نوری بریلوی ومحدّثِ اعظمِ ہند، مولانا سید محمدمُحدّث اشرفی کچھوچھوی ومبلّغِ اسلام، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اورابوالحسنات، مولانا سیدمحمد احمدقادری لاہوری رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيهِم اَجمعِين نے مشترکہ ومتفقہ طور سے اہلِ سُنّت وجماعت اور سُنّی کی تعریف اِس طرح کی ہے:

''سُنّی وہ ہے جو مَااَنَاعَلَيْهِ وَاَصْحَابِی کامصداق ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو:

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی وملک العُلَما، سندُالفضلا، بحرالعلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی لکھنوی وحضرت مولانا فضلِ حق خیرآبادی وحضرت مولانا شاہ فضلِ رسول بدایونی وحضرت مفتی ارشادحسین مجدّدی رام پوری اورحضرت مولانا مفتی شاہ احمدرضا بریلوی کے مسلک پر ہوں۔''

(ص ۹۔ اَلْفقیہ۔ امرتسر، پنجاب۔ مؤرخہ ۲۱/اگست ۱۹۲۵ء)

راہِ حق پر سَوادِاعظم اہلِ سُنّت وجماعت ہی ہیں اورانھیں کی راہ، صراطِ مستقیم ہے۔

اِس سلسلے میں فقیہِ اسلام، امام احمدرضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۲۸/اکتوبر ۱۹۲۱ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ ارشادفرماتے ہیں:

''ہم ہمیشہ، جمہورسَوادِاعظم کے پَیرو ہیں۔''

(ص ۵۹۰۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت۔ مؤلّفہ مولانا محمدظفرالدین قادری رضوی عظیم آبادی۔ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ۔ لاہور)

اوراہلِ سُنّت وجماعت کی تعریف کرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں:

''جوسَوادِاعظمِ مسلمین کے پَیرو ہیں۔ جن کے اِتّباع کامتواتر حدیثوں میں حکم ہے۔

اورحدیث نے مذہبِ حق کی پہچان یہی بتائی ہے:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَالْاَعْظَمَ۔ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّار۔

مسلمانوں کے سَوادِاعظم (بڑے گروہ) کی پیروی کرو، کہ جواِس سے جُداہوا، وہ جہنم میں گیا۔''

ہرشخص جانتا ہے کہ مسلمانوں کا بڑاگروہ، مقلّدین ہیں۔ غیرمقلّدین بہت قلیل ہیں۔'' الخ

(۵۹۶۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت۔ مؤلّفہ مولانا محمدظفرالدین قادری رضوی عظیم آبادی۔ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ۔ لاہور۔)

بقدرِضرورت، تحصیلِ علمِ دین کی ترغیب دیتے ہوئے حضرت نورُالعارفین مارہروی قُدِّسَ سِرُّہٗ ارشادفرماتے ہیں:

چوتھی نصیحت یہ ہے کہ: بقدرِضرورت، کتاب وسُنّت سے علمِ دین کی تحصیل میں پوری پوری جدوجہد کریں اور اِس فریضہ کودوسرے تمام اُمور پرمقدّم رکھیں۔

اِس سے فراغت پاکر پھرطریقۂ باطنی (سلوک وتصوف) میں قدم رکھیں۔ اِس لئے کہ جاہل صوفی اورناواقف عبادت گذار، شیطان کامسخرہ ہے۔ اورمحض ناکارہ اورناقابلِ قبول۔ اِلیٰ آخرِہٖ۔

(ص ۳۰۔ سِرَاجُ العَوَارِف۔ مطبوعہ دہلی)

دینی تصلُّب واستقامت کی تاکیدکرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں:

ساتویں نصیحت یہ ہے کہ: اپنے دین وعقائد پرایسے سخت اورمضبوط رہیں کہ دوسرے، متعصّب سمجھیں۔ اِس لئے کہ دینِ حق اورعقائدِ حقّہ میں تصلُّب، مقبولیت کی علامت ہے اورمحمودوپسندیدہ۔

اوردینِ باطل میں غُلو (غالی ہونا، اَڑجانا) بدبختی کی نشانی ہے اورمذموم وناپسندیدہ۔

فُقَرا ومَساکین اورغُرَبا سے اُنس ومحبت اختیارکریں۔ دنیادار اُمَرَا وَاہلِ دولت سے دور بھاگیں اوراُن سے پرہیزکریں۔ فاسقوں، فاجروں اوربے باک کافروں مُشرکوں سے خودکودور رکھیں۔ نیزغیرمُسلموں اورشرک پسندوں سے دور بھاگیں۔

اِس لئے کہ بُری صحبت، مقناطیس اورلوہے کی مانند ہے۔ یعنی بُری صحبت، بدسیرتوں کو اِس طرح کھینچتی ہے جیسے مقناطیس، لوہے کوکھینچتا ہے۔'' اِلیٰ آخرِہٖ۔

(ص ۳۳۔ ۳۴۔ سِرَاجُ العَوَارِف۔ مطبوعہ دہلی)

لمعۂ ثانیہ جس میں عقائدِ اہلِ سُنّت و جماعت کا اِجمالی بیان ہے،اُس کے نور(۱۵)میں آپ ارشادفرماتے ہیں:

ہمارے اِس دَور میں ۱۲۳۹ھ کے آغاز سے ایک گمراہ ترین فرقہ ۔جس کا آغاز،بدعت اوربینَ المسلمین رَخنہ ڈالنااورانجامِ کار،اِلحادوزندقہ ہے۔ہندوستان میں نمود پاچکا ہے۔

اِس فرقہ کواہلِ عرب (بلکہ تمام عجمی بھی) وہابی کہتے ہیں۔یہ فرقہ محمد بن عبدالوھّاب نجدی کی طرف منسوب ہے جوعرب شریف (خطۂ نجد) میں پیدا ہوا۔

اِس گمراہ فرقے سے ہرگز ہرگز خَلط مَلط کو رَوا نہ رکھیں۔اِس ننگ وعار طائفۂ نابکار کی شناخت کے لئے یہی ایک بات جومَیں کہتا ہوں،کافی ہے کہ:

یہ فرقہ،رافضیوں کا بھی بڑاباپ ہے۔رافضی اگرصحابۂ کرام کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں تو یہ فرقہ خود جناب رسولِ مقبول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی جنابِ پاک بلکہ بارگاہِ الٰہی میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتا ہے۔اسی لئے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جنابِ پاک کی طرف اِمکانِ کِذب کی نسبت کرتے ہیں۔''اِلیٰ آخِرِہٖ۔ (ص ۶۲۔سِرَاجُ العَوَارِف فِی الوَصَایَا والمَعَارِف۔
مؤلّفہ نورُالعارفین،سیدشاہ ابوالحسین احمدنوری مارہروی۔اردوترجمہ(بنام شریعت وطریقت)ازمفتی خلیل احمد خاں برکاتی ،حیدرآباد،سندھ۔مطبوعہ۔مکتبہ جامِ نور۔دہلی)

سَوادِاعظم اہلِ سُنّت و جماعت،متحدہ ہندوستان کے تسلسل وتوارث کو بیان کرتے ہوئے تقریباً ہزارسال قبل تک کے اکابرصوفیہ ومشائخ کے اَسمائے گرامی درج کرتے ہوئے **شیر بیشۂ اہلِ سُنّت** حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی ثُمَّ پیلی بھیتی (وصال ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء)عَلَیہِ الرَّحمۃُ والرِّضوَان تحریرفرماتے ہیں:

........زمانۂ موجودہ سے پیشتر جوہمارے اگلے پُرکھے باپ دادا سُنّی مسلمان تھے،اُن کا دین ومذہب وہی تھا جوحضورسیدناغوثِ اعظم وحضورخواجہ غریب نواز وحضرت شیخ شہاب الدین سہروردی وحضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند وحضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وحضرت بابا فریدالدین گنج شکروحضرت شیخ المشائخ سلطانُ الاولیانظام الدین محبوبِ الٰہی وحضرت داتا گنج بخش لاہوری وحضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی وحضرت قطبِ عالم پنڈوی وحضرت مخدوم جہاں گیراشرف سمنانی کچھوچھوی وحضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری وحضرت شاہ محمد غوث گوالیاری وحضرت

شاہ وجیہُ الدین علوِی گجراتی وحضرت شاہِ عالَم احمدآبادی وحضرت شاہ پیرمحمد سَلونی وحضرت مخدوم علی احمدعلاء الدین صابرکلیری وحضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلوی وحضرت مخدوم بندہ نواز گیسودراز وحضرت میراں سیدعلی داتا وحضرت سالارمسعود غازی وحضرت بدیعُ الدین شاہ مدار وحضرت مخدوم علی فقیہ مہائمی وحضرت سیدشاہ برکت اللہ قادری مارہروی وحضرت سیدشاہ اچھے میاں مارہروی ودیگراولیاےکرام رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنہُم کا تھا۔''اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۴۹۴۔ردِّ صلحِ کلیت (مختصر مجموعۂ فتاویٰ) ازحضرت مولانا حشمت علی لکھنوی پیلی بھیتی ۔مطبوعہ رضائے خواجہ پبلی کیشنز۔اجمیرشریف۔۲۰۱۲ء)

بے دینی وبدمذہبی کے رَدّ وطَرْد کے طریقۂ اکابر واسلافِ اہلِ سُنّت کے بارے میں شیربیشۂ اہلِ سُنّت،حضرت مولاناحشمت علی لکھنوی ثُمَّ پیلی بھیتی عَلَیہِ الرَّحمۃُ تحریرفرماتے ہیں:

سَلفاً خَلفاً ہرقَرن وطبقہ میں صحابہ وتابعین وتبع تابعین وائمۂ دین رِضوانُ اللّٰہِ عَلَیہِم اَجمَعِین سے لے کر حضرت مولانا بحرالعلوم ملکُ العُلما عبدالعلی لکھنوی وشاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اوران کے بعد مولانا رشیدالدین خاں صاحب دہلوی،مولانا احمدسعید صاحب نقشبندی مجدّدی دہلوی،مولانا فضلِ رسول صاحب بدایونی،مولانا مولوی فضلِ حق صاحب خیرآبادی، غرض ۱۳۱۱ھ تک کے عُلما کا یہی دأب (طریقہ) رہا۔ ہمیشہ عُلمائے اہلِ سُنّت نے بدمذہبی وبدمذہباں کے رَدو تفضیح کواہم مقصد سمجھا۔''اِلیٰ آخِرِہٖ ۔ (ص ۵۵۴۔ردِّ صلحِ کلیت)

حضرت مجدّدِ الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی اورحضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کے یہ ارشادات،حضرت شیربیشۂ اہلِ سُنّت ،اِس سے پہلے نقل فرما چکے ہیں کہ:

اوردینِ حق ومذہبِ حق کی حمایتِ حقّہ کا بقدرِقدرت وبشرطِ اِستطاعت فرضِ اہم ہونا توضرورتِ دینیہ سے روشن اورقرآن وحدیث میں مُبرہَن ہے۔

حضرت مجدّدِ الفِ ثانی رَحمۃُ اللّٰہِ عَلَیہ کاارشاد ہے:

تولاّ بے تبرّا نیست ممکن۔

یعنی جب تک خدااوررسول جَلَّ جلالُہٗ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعالیٰ عَلَیہِ وعَلیٰ آلِہٖ وسَلّم کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی نہ رکھی جائے اُس وقت تک خدااوررسول جَلَّ جلالُہٗ وَصَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیہِ وعَلیٰ آلِہٖ وسَلّم کی محبت حاصل ہی نہیں ہوسکتی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رَحمۃُ اللّٰہِ تعالیٰ عَلَیہِ کا فرمان ہے کہ:

دینی معاملے میں چشم پوشی کرنا اور جو باتیں شرعاً ناجائز وناپسندیدہ ہیں اُن کو دیکھتے سنتے ہوئے بھی تعصُّب نہ کرنا اور اپنے دین کے معاملے کو اہمیت نہ دینا اور دین وشریعت کا جو حق واجب ہے اُس سے درگذر کرنا، یہی مُداہنَت ہے۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۵۱۸۔ رَدِّ صلحِ کلّیت۔ مطبوعہ اجمیر شریف۔ ۲۰۱۲ء)

تعصُّبِ محمود اور تصلُّبِ دینی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

.... بلکہ جس تعصُّب کو حضور اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلیہِ وعَلٰی آلِہٖ وَسَلَّم نے مذموم اور بُرا فرمایا ہے اُس کے معنی صرف یہی ہیں کہ:

باطل وکِذب وجَور وظلم کی حمایت کی جائے۔

لیکن دینِ حق کی نُصرت واِعانت، مذہبِ حق کی حفاظت، اَمرِ حق کی طرف داری و اِشاعت، اسی طرح دینِ باطل کی اِماتت، مذہبِ باطل کی نِکایت، اہلِ باطل کی اِہانت، اَمرِ باطل کی مخالفت، ہرگز تعصُّبِ مذموم نہیں۔

بلکہ یہی وہ تعصُّبِ محمود ہے جس کو عُلماے اہلِ سُنَّت کی اصطلاح میں ''تصلُّب'' کہتے ہیں۔''

(ص ۵۲۴۔ رَدِّ صلحِ کلّیت۔ مطبوعہ اجمیر شریف۔ ۲۰۱۲ء)

گمراہی کے شکار اَفراد کے لئے اِفہام وتفہیم اور اصلاحی کوشش کے تعلّق سے عامّۂ عُلماے اہلِ سُنَّت کے لئے حکمِ شرعی تحریر کرتے ہیں:

.... جن کو دیکھیں کہ شبہات میں معاذَ اللّٰہ مبتلا ہیں اُن کے شبہات، رِفق ونرمی کے ساتھ زائل کرنے کی سَعی کریں۔

جن لوگوں کو غلط فہمی یا نافہمی یا ناواقفی کے سبب، مذہبِ اہلِ سُنَّت سے بہکتا ہُوا دیکھیں، اُن کو مہربانی وآشتی کے ساتھ سمجھائیں۔ اُن کی غلط فہمی، نافہمی وناواقفی دور کرنے کی کوشش کریں۔

اور جن بدمذہبوں، بے دینوں کو مُعانِد وہَٹ دَھرم پائیں اُن کے کفر وضلال پر حسبِ وسعت وبقدرِ ضرورت پوری طرح شِدَّت وغِلظت کے ساتھ رَدّ وطرد فرمائیں۔''

(ص ۵۴۲۔ رَدِّ صلحِ کلّیت۔ مطبوعہ اجمیر شریف۔ ۲۰۱۲ء)

صلحِ کلّیت اور صلحِ کلّی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

صلحِ کلّی کوئی مستقل مذہب نہیں بلکہ ہر اُس شخص کو کہتے ہیں جو:

بدمذہبوں، بے دینوں پر رَدّ وطرد سے اپنی ناراضگی ظاہر کرے اور کہے کہ:

ہم اپنی قبر میں جائیں گے، وہ اپنی قبر میں جائے گا۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم خواہ مخواہ بدمذہبوں، بے دینوں کا رَد کرکے دنیا میں بُرے بنیں؟

اور کہے کہ:

جتنی دیر ہم اُن کا رَد کریں گے، اُن کو بُرا بھلا کہتے رہیں گے، اُن کو گالیاں دیتے رہیں گے، اُتنی دیر ہم درود شریف پڑھیں تو ثواب بھی ملے گا اور کوئی ہمیں بُری نظر سے نہیں دیکھے گا۔

یہ خیالات، شدید بدمذہبی بلکہ الحاد وارتداد کی جڑ ہیں۔

اگر اِسی کا نام اسلام یا خُلقِ عظیم تھا تو اللہ تعالیٰ نے کافروں، مُرتدوں اور مُنافقوں پر شِدّت وغِلظت کی تعلیم، قرآنِ عظیم میں کیوں دی؟ اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۴۹۱۔ رَدِّ صلحِ کلّیت (مختصر مجموعۂ فتاویٰ) از حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی پیلی بھیتی۔ مطبوعہ رضاے خواجہ پبلی کیشنز۔ اجمیر شریف۔ ۲۰۱۲ء)

رَدِّ فِرَقِ باطلہ کا مطلب ہے: اِحقاقِ حق واِبطالِ باطل۔

اپنے موقف ونظریہ اور فکر وخیال کے اِثبات کے بہت سے طُرُق واَسالیب ہوا کرتے ہیں۔ اور مسئلہ کی نوعیت، موقع ومحل کی مناسبت، سامع ومخاطَب کے مزاج ومعیار کو مدِّ نظر رکھ کر اپنا موقف ومسلک واضح وثابت کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح غلط موقف ومسلک کو واضح بیان اور مضبوط دلائل کے ساتھ غلط اور باطل ٹھہرایا جاتا ہے۔

آج کل کے جو لوگ قِلَّتِ علم ومطالعہ اور ناقص تجربہ ومشاہدہ کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جب تک اپنے بیان وخطاب کے ذریعہ کسی فرقۂ باطلہ کے اَساطین کو بار بار خبیث مردود، کافر ومُرتد نہ کہا جائے، اُس وقت تک رَدِّ فرقۂ باطلہ کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ ایسے حضرات کو اپنی غلط فہمی دور کرکے رَدِّ فِرَقِ باطلہ کا وہ صحیح اور مفید ومناسب طرز وطریقہ اختیار کرنا چاہیے جس سے اہلِ سُنَّت کے مسلک وموقف کی صداقت وحقانیت واضح وثابت ہوسکے اور اہلِ باطل کے مسلک ونظریہ کا بُطلان، اَظْھَرُ مِنَ الشَّمْس ہو جائے۔'' (ص ۱۱۔ عرفانِ مذہب ومسلک۔ طبعِ اول جون ۲۰۱۳ء۔ وص ۹۲ وص ۹۳۔ عرفانِ مذہب ومسلک۔ اضافہ شدہ ایڈیشن۔ ستمبر ۲۰۱۳ء)

مندرجہ بالا پیراگراف کے بارے میں بعض عُقَلاے روزگاروفُضَلاے بے روزگار ،اپنے علم وعقل وفضل اور کمال کو بالاے طاق رکھ کر طرح طرح کی چہ می گوئیاں بلکہ ہرزہ سرائیاں ویاوہ گوئیاں کررہے ہیں۔جن میں سے ایک یہ ہے کہ: اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی فرقۂ باطلہ کے اَساطین کوکافرومُرتد کہنے سے منع کیا گیا ہے۔''

جب کہ اِس عبارت میں کہیں بھی اور کسی بھی طرح کسی فرقۂ باطلہ کے اَساطین کے کفروالتزامِ کفر کی بنیاد پراُنہیں کافرومُرتد کہنے سے روکا نہیں گیا ہے۔ بلکہ یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ بار بارخبیث ومردوداورکافرومرتد کہنے میں ردِّ باطل کومحصور سمجھنا درست نہیں۔ دوسرے بھی طریقے ہیں جواشاعت حق اور ردّ باطل کی راہ میں کارآمداورمفید ہیں۔انھیں حسب موقع عمل میں لایا جائے تو بہتر نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔مثلاً بعض لوگ خبیث ومردوداورکافرومرتد کی تکرار پرمشتمل پوری تقریر ختم کردیتے ہیں اور یہ نہیں بتاتے کہ فلاں فلاں نے کن ضروریات دین کاانکار کیا ہے؟ خدااور سول کی شان میں کیا گستاخیاں کی ہیں اور کس طرح مسلمانوں کا دین وایمان خراب کیا ہے۔ کچھ لوگ ان اہل باطل کا ظاہری کرداروعمل دیکھ کراوران کی چکنی چکنی باتیں سن کران کے مدّاح اورگرویدہ ہوجاتے ہیں اورعلماے اہل سنت سے بدظن ہوتے ہیں کہ ایسے اچھے لوگوں کو یہ خبیث ومردوداورکافرومرتد کیوں کہتے ہیں؟ کیا ایسے لوگوں کے سامنے اہل باطل کی خلاف اسلام باتوں کا اظہاراوران کے کفریات کی توضیح وتفصیل کی ضرورت نہیں؟ تجربہ شاہد ہے کہ ان سے دیرینہ عقیدت رکھنے والے بعض افراد پر جب ان کی اندرونی حالت منکشف ہوئی تو وہ ان سے دورونفوراوراہل حق کے حلقہ بگوش ہوگئے۔

مقررصاحب یہ سمجھیں کہ ان کے کفریات توچھپے ہوئے ہیں، وہ خلاف ایمان واسلام کیسے ہیں؟ یہ بھی علماے اہل سنت نے اپنی کتابوں میں خوب خوب واضح کردیا ہےاور''ساری'' دنیا کواچھی طرح معلوم ہے،ہمیں اپنی تقریر میں ان عبارتوں کولانا پھر یہ سمجھانا کہ فلاں فلاں آیات واحادیث کی رُو سے یہ کفر ہیں،یہ سب تطویل لاطائل ہے۔''

ہمیں اپنے فرض منصبی سے سبک دوش ہونے کے لیے ایسے بے ایمانوں کو بار بارخبیث و مردوداورکافرومرتد کہہ دینا کافی ہے۔باقی تحقیق وتفصیل میں جانا اورکتابوں کا بغور مطالعہ کرناعوام سامعین کا کام ہے۔

بتایئے مقررصاحب کی یہ سوچ ناواقفوں کوحق آشنا کرنے کے لیے کتنی کارآمد ہے؟ یہ ایک

مثال ہے تفصیل کے لیے تو ابھی بہت کچھ باقی ہے۔

ادنیٰ فہم وفراست کا آدمی بھی اِس بات کو بڑی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ کسی ایک ہی طرز وطریقہ میں تردید کومحدود ومحصور سمجھنا، یہ قِلّتِ علم وفہم کا شاخسانہ اور ناقص تجربہ ومشاہدہ کا نتیجہ ہے۔

اتنی صاف وصریح اردو زبان کی عبارت سمجھنے سے بھی جولوگ قاصر ہیں وہ یقیناً قلیلُ العِلم ہیں یا قاصِرُ الفَہم۔یا ''مصباحی'' کے ایسے حاسِد ومُعانِد ہیں جن کے حَسد وعِناد نے اُن کے علم وعقل کومفلوج بنا کر صحیح بات کا غلط مطلب نکالنے پر اُنہیں مجبور کردیا ہے۔

اب مزید وضاحت کے ساتھ یہ بات اِس طرح بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ:

(۱) کسی کافرومُرتد کوبعدِ اطلاعِ تام وفہمِ کامل، کافرومُرتد سمجھنااور حسب موقع اس کا اظہار و اعلان، نہایت ضروری ہے۔

(۲) یہ سمجھنا کہ فرقۂ باطلہ کے کسی کافرومُرتد کواپنی ہر تحریر وتقریر میں کافرومُرتد کہے بغیر اُس کی تردید کاحق اداہو ہی نہیں سکتا۔ اور تردید کا بس یہی ایک طریقہ ہے جس میں رَدّوابطال، محدودومحصور ہے ۔ یہ خیالِ خام ہے جس کی بنیاد، قِلّتِ علم وعقل اور عدمِ تدبُّر وبصیرت ہے۔البتہ جہاں ضرورت وافادیت ہو وہاں کسی بھی باطل کا بُطلان،دلائل سے عیاں کرنااہلِ علم کی منصبی ذمہ داری ہے۔

اور جہاں کافرومُرتد کہنے کی ضرورت ہے اور اِس سلسلے میں کوئی سوال کیا جارہا ہے، وہاں کافرومُرتد کو کافرومُرتد نہ کہنا کِتمانِ حق ہے۔مداہَنَت ہے۔صلحِ کلّیت ہے۔

(۳) حق کوسمجھانے، پھیلانے اور دل نشیں کرنے کے بہت سے طریقے ہوسکتے ہیں جہاں جو طریقہ مفید ہو وہی اپنانا چاہیے۔قرآن کریم نے اثباتِ حق اور رَدِّ باطل کے لیے گونا گوں طریقے اپنائے ہیں اورمخاطبین کے احوال اورفہم ولیاقت کا بھی پورا لحاظ رکھا ہے۔اس سے بھی یہی درس ملتا ہے کہ حسبِ حال، مناسب طریقہ اپنانا عین تقاضاے حکمت ہے۔ بے لحاظِ مواقع صرف ایک طریقے میں مقید رہنا محدودیت کی نشانی اور حکمت سے دوری ہے۔

صدرُ الشّریعہ،حضرت مولانا محمدامجدعلی اعظمی رضوی (وصال ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء)قُدِّسَ سِرُّہٗ اِس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اِس زمانہ میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ:

میاں! جتنی دیر اُسے کافر کہو گے اُتنی دیر اللہ اللہ کرو کہ یہ ثواب کی بات ہے۔''

اِس کا جواب یہ ہے کہ:

ہم کب کہتے ہیں کہ: کافر کافر کا وظیفہ کرلو۔'' مقصود یہ ہے کہ:

اسے کافر جانو۔ اور پوچھا جائے تو قطعاً اسے کافر کہو۔ نہ یہ کہ اپنی صلحِ کل سے اُس کے کفر پر پردہ ڈالو۔''

(ص۵۵۔ بہارِ شریعت، حصہ اول، مؤلفہ صدرُ الشریعہ، مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی۔ مطبوعہ فاروقیہ بک ڈپو۔ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی)

واضح رہے کہ مذکورہ بالا عبارت کو فقیہِ اسلام، حضرت مولانا الشاہ مفتی محمد احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی کی مکمّل تائید، حاصل ہے۔ کیوں کہ بہارِ شریعت، حصہ اول تا حصہ ششم کا مطالعہ فرما کر آپ نے اسے اپنی تصدیق وتوثیق سے مزیّن فرمایا ہے۔ فَالْحَمْدُلِلّٰہِ عَلیٰ ذَالِکَ۔

بعض اصحابِ جُبّہ ودستار نے مذکورہ عبارتِ ''عرفان'' کو نشانہ بنا کر اہلِ سُنّت کو خطاب اور خبردار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

یہ حکمِ شرعی کے انکار کا ایک رَوَیّہ اور صلحِ کُلّیت کی تعلیم ہے۔ سُنّتِ نبوی وسُنّتِ صحابہ وتابعین وسُنّتِ اکابر اہلِ سُنّت کے خلاف ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

حیرت بالائے حیرت اور افسوس صد افسوس کہ:

اہلِ محفل ہوں گے کیا اہلِ بصیرت اے شفیقؔ
میرِ محفل ہی کو بے فکر ونظر پاتا ہوں مَیں

قرآن وحدیث وآثار ورِوایات کے پورے ذخیرہ میں کہیں ایسا نہیں ملے گا کہ دلائل و براہین ترک کر کے صرف کافر ومرتد کی تکرار میں تفہیم وتعلیم کو محدود کر دیا گیا ہو۔ ارشادات واقوالِ ائمۂ مجتہدین وفُقہاے اسلام وکتب ورسائلِ اکابر واَسلافِ سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کا پورا مطالعہ کرجایئے، آپ کو اُن میں کسی کو کافر ومُرتد کہا اور لکھا ہوا اُسی وقت ملے گا جب اس کی کوئی دلیل بھی موجود ہو اور ضرورت وافادیت بھی مقصود ہو۔ بلاضرورت وافادیت کہیں بھی کسی کو کافر ومُرتد کہا اور لکھا

ہوا نہیں ملے گا۔

فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کے رسائل وکتب اِس سلسلے میں بھی ہمارے بہترین ہادی ورہنما ہیں کہ اُن میں سے جس کا بھی مطالعہ کیا جائے، اُس کا طرز وطریقہ یہی ہے کہ فِرَقِ باطلہ کے اَساطین کے عقائد وخیالات کا آپ نے دلائل کے ساتھ رَد فرمایا ہے۔ اُنھیں بار بار بلاضرورت وافادیت، کافر ومُرتد لکھنے کے نمونے آپ کی کسی کتاب ورسالہ میں نہیں ملیں گے۔

ہاں! جہاں مسئلۂ تکفیر پر بحث ہے۔ یا جہاں کفر وارتداد ظاہر کرنے کی ضرورت وافادیت ہے، وہاں آپ نے اُن کا حکم واضح کیا ہے۔ کفر وارتداد کا فتویٰ دیا ہے اور کافر ومُرتد ہونے کے دلائل بھی عیاں کیے ہیں۔ اور کسی کافر ومُرتد کو بلاضرورت وحاجت، کافر ومُرتد کہنے کے نمونے، کتب ورسائلِ رضویہ میں ہرگز نہیں ملیں گے۔ جو شخص اِس کا دعویٰ کرے کہ امام احمد رضا نے ہرجگہ، ہررسالہ، ہرکتاب میں کافر کافر اور مُرتد مُرتد کی تکرار کی ہے، بارِ ثبوت اُس کے ذِمّہ ہے۔ وَمَنِ ادَّعیٰ فَعَلَیْہِ الْبَیَانُ۔

''عرفان مذہب ومسلک'' کی مذکورہ بالا عبارت مع توضیح وتشریح ہمارے قارئینِ کرام نے بغور پڑھ لی ہیں اور یقین ہے کہ صحیح نتیجہ تک بھی پہنچ چکے ہوں گے اِس لئے اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہ کر کے قارئینِ کرام کے شعور وفکر وفہم پر چھوڑتا ہوں کہ وہ فیصلہ کریں کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کون سی صورت ہمارے صغیر وکبیر مُعترضین وحاسِدین، بلکہ کرم فرماؤں کو درپیش آئی ہے:

(۱) علم وعقل کے صحیح استعمال سے بے نیازی (۲) تدبُّر وبصیرت کا فُقدان (۳) قِلّتِ علم وعقل (۴) اعتراض بلکہ حملے کا، حَد سے بڑھا ہوا جُنون۔

بزرگوں سے ہم نے سنا ہے کہ: ''عقل مند'' وہ ہے جو کچھ کہنے سے پہلے سوچتا ہے۔ اور ''بے وقوف'' وہ ہے جو کچھ کہنے کے بعد سوچتا ہے۔''

''عرفانِ مذہب ومسلک'' کے خلاف محاذ آرائی میں عموماً قسمِ دوم ہی کا افسوسناک مظاہرہ ہوا ہے۔ جس پر راقمِ سطور کو سخت حیرت وافسوس ہے۔

جو شخص، عقل رکھتے ہوئے بھی اُس کا صحیح استعمال نہیں کرتا اُس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی؟

مجالس ومحافل میں وعظ وبیان کا مطلب یہ ہے کہ:

مسلمانوں کو اُن کے عقائد وعبادات ومعاملات اور اَحکامِ صحیحہ سے واقف وباخبر کر کے اُن

کے مطابق زندگی گذارنے کی ہدایت، دی جائے۔

اب یہ وعظ و بیان سننے والے مسلمان جس مزاج ومعیار کے ہوں اور جن مسائل میں اُن کی دینی رہنمائی کی ضرورت ہو اُس کے مطابق وموافق، وعظ و بیان ہونا چاہیے۔

اِس کے برعکس اِن ساری چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اگر کوئی خطیب وواعظ اپنے وعظ وخطاب کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تو اُسے وعظ و بیان نہیں بلکہ ’’پیشہ وَرانہ وتاجرانہ خطابت‘‘ کہا جائے گا جس کا مقصد محض طلبِ شہرت اور جَلبِ منفعت ہے۔

یہ طریقہ، نہایت افسوسناک اور باعثِ شرم ہے کہ:

حاضرین وسامعین کی صحیح دینی رہنمائی اور جن مقامی مسائل کے پیشِ نظر اُنھیں ضروری دینی، ہدایت دَرکار ہے اُس سے بے اِعتنائی بَرتتے ہوئے کوئی شخص اپنی رَٹی رَٹائی تقریریں، ہندوستان کے ہر صوبہ اور شہر وضلع میں سُناتا پھرے۔

یہ پیشہ ورانہ وتاجرانہ طریقہ جس نے بھی اپنا رکھا ہوا ُسے جلد از جلد اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔
تا کہ مِلّت وجماعت اِس پیشہ ورانہ خطابت اور تاجرانہ ذہنیت سے جلد از جلد نجات پاسکے۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ کانفرنس بمبئی (دسمبر ۲۰۱۲ء) ولکھنؤ (مارچ ۲۰۱۳ء) میں غیر پیشہ وَر واعظین ومقررین کے اپنے موضوع پر سنجیدہ ومستند اور باوقار بیان وخطاب کو ہزاروں سامعین نے بے حد پسند کیا اور علما وطلبہ وخواص وعوام نے اِس کی خواہش ظاہر کی بلکہ مطالبہ کیا کہ آئندہ بھی اِسی طرح کے پروگرام ہوتے رہنے چاہئیں۔ اور اپنے اکابر واسلاف کا زیادہ سے زیادہ تعارف وتذکرہ ہونا چاہیے۔

اِس کا واضح وصریح مطلب یہ ہے کہ:

خواص وعوام کی بڑی تعداد میں اب شعور بیدار ہوتا جارہا ہے اور مسلم معاشرے میں تعلیم جیسے جیسے بڑھتی جائے گی ویسے ویسے اِس خواہش ومطالبہ میں تیزی پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ کانفرنس بمبئی (دسمبر ۲۰۱۲ء) کی سر پرستی، امینِ مِلّت، حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی، سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہّرہ نے فرمائی۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ کانفرنس، لکھنؤ (مارچ ۲۰۱۳ء) میں آپ کے اپنے کچھ عوارض وموانع کی وجہ سے آپ کی شرکت نہ ہوسکی مگر آپ کی دعائیں اور نیک خواہشات اِس کانفرنس کے ساتھ

تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِس لکھنؤ کانفرنس کو بھی توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اور عُلما و اساتذہ وطلبہ اور خواص وعوام نے اِسے تحسین وآفرین کی نظر سے دیکھا۔

صلحِ کلّیت کیا ہے؟ اور جو صلحِ کلّی ہے وہ اہلِ سُنّت وجماعت میں سے ہے یا نہیں؟

اِس سوال کا جواب دیتے ہوئے جانشینِ مفتیِ اعظمِ ہند، حضرت مولانا مفتی محمد اختر رضا قادری رضوی ازہری بریلوی دامتُ بَرکاتُھُماالعَالِیَۃ ارشاد فرماتے ہیں:

’’**صلحِ کلّیت کی اصطلاح** یہ آج کل کی نہیں ہے۔ بلکہ جب سے ندوہ فارم ہوا، اُس کی تشکیل ہوئی۔ اور ندوہ والوں نے یہ نعرہ دیا کہ:

’’وہابی، دیوبندی، رافضی اور سُنّی سب سے اتحاد فرض ہے۔ اور سب ایک ہیں عقیدۃً‘‘

جب انھوں نے یہ عقیدہ بنایا تو عُلمائے اہلِ سُنّت وجماعت نے اُن کا رَد کیا۔ اور سب سے بڑا حصہ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت رَضِیَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتعالیٰ عَنْہُ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب تاجُ الفحول بدایونی عَلَیْہِ الرَّحمۃ کا رَہا۔ اِن حضرات نے تقریراً اور تحریراً ندوہ کا بھرپور رَد کیا۔

اور اعلیٰ حضرت رَضِیَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وتعالیٰ عَنْہُ کی اِس سلسلے میں ایک دو نہیں مستقل تصانیف ہیں۔ اور فتاویٰ رضویہ میں مستقل متعدد فتاویٰ رَدِ ندوہ میں موجود ہیں۔ ندوہ کا رَد توشدّ ومد سے ہوا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جزائے خیر دے امامِ اہلِ سُنّت اور اُن کے حاشیہ نشیں اور اُن کے شاگرد اور اُن کے خُلفا کو۔ اور دیگر عُلماے اہلِ سُنّت وجماعت کو۔ کہ انھوں نے ہر بدمذہبی کا رَد کیا اور اس کے ساتھ ساتھ رَدِ ندوہ بھی کیا۔

اب یہ قُربِ قیامت ہے کہ اہلِ سُنّت وجماعت محدود ہوتے جارہے ہیں اور ایسی سوچ والے کہ جن کی سوچ یہ ہے جیسے طاہر القادری اور اُن کے مثل بہت سے یہ سوچ رکھتے ہیں کہ:

’’دیوبندی، دیوبندیت، بریلویت، وہابیت اور شیعیت، اِن میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور تعبیری اختلاف ہے۔ تشریحی اختلاف ہے۔ اور سب کو ایک کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

اور اِس قسم کے لوگ اب بہت زیادہ پھیل رہے ہیں۔ تو جو یہ عقیدہ رکھے کہ:

’’وہابی بھی صحیح ہے۔ دیوبندی بھی صحیح ہے۔ رافضی بھی صحیح ہے اور سُنّی بھی صحیح ہے۔ تو وہ سُنّی

نہیں ہے[۱] باقی وہ سب کچھ ہے۔''

(ص ۹۷و۹۸۔طاہرالقادری کی حقیقت کیا ہے؟ مؤلّفہ مولانا ولی محمد رضوی۔ناشر: سُنّی تبلیغی جماعت، قصبہ باسنی۔ضلع ناگور۔صوبہ راجستھان۔۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء)

صلحِ کلّیت کے نشانات اور نمونے ہمارے قارئین کو مندرجہ ذیل تحریروں میں مل سکتے ہیں جو پروفیسر طاہرالقادری کی طرف منسوب ہیں:

''میں شیعہ اور وہابی عُلما کے پیچھے نماز پڑھنا صرف پسند ہی نہیں کرتا بلکہ جب بھی موقع ملے ،اُن کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں۔'' (رسالہ دید شنید۔لاہور۔اپریل ۱۹۸۶ء)

''جو جماعت بنا رہا ہوں وہ محض اہلِ سُنّت کی جماعت نہیں ہوگی۔بلکہ شیعہ سُنّی سبھی شامل ہوں گے۔ہمارے نزدیک،شیعہ سُنّی میں کوئی امتیاز نہیں۔'' (ہفت روزہ چٹان۔۲۵ر مئی ۱۹۸۹ء)

''امام خُمینی ،تاریخِ اسلام کے شجاع اور جَری مَردانِ حق میں سے ہیں۔اُن کا جینا،علی کا اور مَرنا،حُسین کی طرح ہے۔خُمینی کی محبت کا تقاضا ہے کہ ہر بچہ خُمینی بن جائے۔''

(روزنامہ نوائے وقت،لاہور۔جون ۱۹۸۹ء)

سُنّی ،شیعہ،وہابی وغیرہ کے درمیان بنیادی نہیں،فروعی اختلافات ہیں۔جن کی نوعیت تعبیری وتشریحی اختلاف کی ہے۔'' مفہوم۔ (فرقہ پرستی کا خاتمہ کیوں کر ممکن؟از پروفیسر طاہرالقادری)

گذشتہ سطور میں صلحِ کلّیت اور صلحِ کلّی کے بارے میں قارئینِ کرام جو کچھ پڑھ چکے ہیں اُسے ذہن نشین کر کے غور کریں کہ جو شخص کسی صحیح العقیدہ سنّی فرد یا تنظیم یا ادارہ کی طرف صلحِ کلّیت کی نسبت کرے، وہ غضبِ الٰہی کو کس طرح دعوت دے رہا ہے؟

اگر کوئی شخص بے محابا یہ کہتا یا لکھتا ہے کہ:

''یہی حال لگ بھگ ''دعوتِ اسلامی'' کا بھی ہے کہ:

یہ صلحِ کلّی تحریک جس کی باگ ڈور مولوی الیاس صاحب کے ہاتھ میں ہے۔''

دعوتِ اسلامی اور مولانا محمد الیاس قادری کے طریقۂ کار سے پاک وہند کے عُلمائے اہلِ سُنّت کے درمیان کس کا کتنا اتفاق اور کس کا کتنا اختلاف ہے؟ یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔لیکن کسی

(۱) خبر کے مطابق ۲۵ر فروری ۲۰۱۲ء کو کچھی میمن جماعت خانہ (ممبئی) کے ایک اجلاس میں طاہرالقادری کو کافر بھی کہا گیا اور ظاہر ہے کہ جس کے اعتقاد میں وہابی، رافضی، دیوبندی سب صحیح ہوں اُس کا انجام اس کے سوا کیا ہوگا؟

بھی سُنّی عالمِ دین نے میری معلومات کے مطابق،انھیں گمراہ و بدمذہب کبھی نہیں کہا ہے،نہ لکھا ہے۔ایسی صورت میں بلا ثبوتِ شرعی ،انھیں ''صلحِ کلّی'' کہنا،سخت نارَوا جسارت اور قابلِ مؤاخذہ،شرعی جُرم ہے۔

اِسی طرح اہلِ سُنّت کی دوسری دعوتی وتبلیغی تنظیم ''سنّی دعوتِ اسلامی'' کے بارے میں بھی میرے علم واطلاع کے مطابق ،کسی سنّی عالم ومفتی نے گمراہی و بدمذہبی کا کوئی فتویٰ جاری نہیں کیا ہے۔

اِن دونوں تنظیموں کے امیر،اِن کے مبلّغین اور اِن کے مُعاونین و مُخلصین جب سب کے سب سُنّی ہیں تو پھر اِن میں سے کسی تنظیم کی طرف صلحِ کلّیت کی نسبت کرنا،کیوں کر جائز ہے؟

ایسے حالات میں ہر اُس شخص سے جو متعیّن اور نامزد طور پر اِن میں سے کسی تنظیم یا اِن کے علاوہ کسی بھی سُنّی تنظیم یا ادارہ یا فرد کو صلحِ کلّی کہے یا لکھے اُس سے یہ سوال اور یہ مطالبہ کیا جانا چاہیے کہ:

(۱) جسے آپ نے صلحِ کلّی کہا یا لکھا ہے اُس کی صلحِ کلّیت ثابت کرنے کے لئے ثبوتِ شرعی پیش کیجیے۔

(۲) اگر ثبوتِ شرعی پیش نہیں کر سکتے تو پھر توبہ اور رُجوع کیجیے۔

(۳) بلاثبوت جس پر الزام صلحِ کلّیت عائد کیا ہے اُس سے فوراً غیر مشروط معافی مانگیے۔

اگر وہ شخص ایسا کچھ نہیں کرتا تو اس کا مذہب ومسلک (بہ معنی طرز وطریقہ وفکر وخیال) صرف جہالت وحماقت سے نہیں بلکہ ''شرارت'' اور ''نفسانیت'' سے کس قدر آلودہ ہے؟ یہ ہمارے قارئین کو بتانے اور اِسے واضح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بلاتحقیق وثبوتِ شرعی، کسی سنّی کی طرف بدمذہبی وصلحِ کُلّیت کا اِنتساب ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' نہیں بلکہ ''مسلکِ جہالت ونفسانیت'' ہے۔

کسی سُنّی کو صلحِ کلّی کہنے کا مطلب ہے،اُسے بدمذہب قرار دینا۔ایسی صورت میں اُس سنّی کا تو کچھ نہیں بگڑتا مگر اِس قائل کے علم وعقل ہی نہیں بلکہ اِس کے مذہب ومسلک کی بھی خیر نہیں۔

یہ قائل،خود گناہِ کبیرہ کا شکار اور حقُّ العبد میں گرفتار ہوا۔جس پر فرض ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں توبہ ورجوع کرے۔اور جس کے خلاف بلاتحقیق وثبوت، اِلزامِ بدمذہبی وصلحِ کلّیت عائد کیا ہے اُس سے بلا تاخیر معافی مانگ کر اپنے آپ کو عذابِ جہنم سے بچائے۔

بعض حضرات کسی صحیح العقیدہ سُنّی مسلمان پر اِلزام وہابیت عائد کرنے میں بڑے بے باک ہوتے ہیں اور وہ اِس کا ذرا بھی اِحساس اور لحاظ نہیں کرتے کہ یہ سنگین الزام کتنے خطرناک نتائج کا حامل ہے؟ اِس اِلزام کا بھی وہی حکم ہے جو بدمذہبی و صلحِ کُلّیت سے متعلق گذشتہ سطور میں مذکور ہے۔

اِسی طرح کا اِیک اِستفتا اور اُس کا صحیح شرعی جواب ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں عُلماے دین اِس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص، سنّی ہے۔ اُس کے یہاں بارات کا کھانا ہے۔ اس کے یہاں وہابی بھی کھانا کھانے آئیں گے۔ لیکن اِس شخص کے تایا وہابی ہیں۔ تایا کو وہ شخص بُرا کہتا ہے۔

اور جو شخص سُنّی کھانا کھانے آئیں گے تو اُن سُنّی شخصوں کو چند لوگ کہتے ہیں کہ وہ بھی وہابی ہو گئے۔

جو شخص، سُنّی لوگوں کو وہابی کہتے ہیں وہ شخص خود تو وہابیوں سے ملتے ہیں اور سُنّی لوگوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے واسطے کیا حکم ہے؟

اَلْجَواب: وہابیوں سے میل، اُن کی طرف اَدنیٰ مَیل سے آدمی مستحقِ نار ہوتا ہے۔

جو وہابیوں سے ملتے ہیں، گنہگار ہیں۔ توبہ کریں۔

محض اتنی بات سے کہ وہابی سے ملے، وہابی نہیں ہو جاتا۔ جب تک اُن کی بدصحبت کا یہ نتیجۂ بد نہ ہو کہ اُن کے کسی عقیدہ میں اُن کا ہم نوا ہو۔

ہاں! میل جول سے اِس کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی لئے ہر بدمذہب سے میل جول، اُس کے پاس اٹھنا بیٹھنا، اُس کے ساتھ کھانا پینا، ممنوع ہے۔'' **واللّٰہُ تعالیٰ اعلم۔**

(ص ۱۶۲۔ وعکسِ فتویٰ بر ص ۱۶۸۔ بقلم حضور مفتیِ اعظم ہند مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ۔ مفتیِ اعظم نمبر۔ سہ ماہی ''دامنِ مصطفیٰ''، نوری مسجد، بریلی ریلوے اسٹیشن۔ بریلی شریف۔ شمارہ مئی ۱۹۹۰ء تا اکتوبر ۱۹۹۰ء۔ مدیرِ اعلیٰ، حضرت مفتی محمد اعظم، شیخ الحدیث دارُ العلوم مظہرِ اسلام۔ مسجد بی بی جی۔ بریلی شریف۔ اتر پردیش۔ انڈیا)

جو لوگ اِس کا کوئی لحاظ و اعتبار نہیں کرتے کہ کسی صحیح العقیدہ سنّی عالم و عامی نے کس نیت اور کس ضرورت یا حاجت یا مصلحت یا مقصدِ صحیح کے تحت کسی بدمذہب سے کوئی ملاقات و گفتگو کی، ایسے حضرات کی اِصلاح کے لئے ذیل میں چند فتاویٰ درج کیے جا رہے ہیں:

مسئلہ:۔ ضلع بھاگل پور۔ ڈاک خانہ سبور۔ موضع ابراہیم پور۔

مسئولہ:۔ محمد شریف عالم۔ ۱۵/ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ۔

کیا فرماتے ہیں عُلماے دین اس سلسلے میں:

زید، عَمرو، بکر۔ تین اَشخاص ہیں جن کی تعریف، ذیل میں درج ہے:

(۱) زید، ایک وہابی کافر مُرتد شخص ہے۔

(۲) عَمرو، ایک پکا سُنّی خوش عقیدہ مسلمان ہے۔ لیکن زید مذکور کے مکان پر آتا جاتا ہے اور اس سے ہم کلام ہوتا اور اس کے یہاں کھاتا پیتا ہے۔

لیکن زید مذکور کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا اور نہ مناکحت کرتا ہے۔ بلکہ اس سے عقیدۃً نفرت رکھتا ہے اور اس کے کفر میں شک نہیں کرتا۔

ایسی صورت میں کیا عَمرو بھی مثلِ زید کے عندَ الشَّرع وہابی کافر مُرتد ہو جائے گا؟

یا صرف فاسق گنہگار رہو گا؟ یا کچھ بھی نہیں؟

(۳) بکر، ایک پکا سُنّی خوش عقیدہ مسلمان ہے اور زید مذکور کے مکان پر نہ آتا جاتا ہے، نہ اس سے گفتگو کرتا ہے، نہ اس کے یہاں کھاتا پیتا ہے، نہ زید مذکور کے پیچھے نماز پڑھتا ہے، نہ مناکحت کرتا ہے۔ بلکہ اس کو کافر و مُرتد سمجھتا ہے اور اس کے کفر میں شک نہیں کرتا ہے۔ اس سے نفرت، دینی و دُنیوی ہر دو پہلو سے رکھتا ہے۔

ہاں! عَمرو مذکور سے جو پکا سنّی صحیح العقیدہ ہے، رسم و راہ رکھتا ہے۔ اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس کے یہاں کھاتا پیتا ہے۔ اس کے گھر پر آتا جاتا ہے۔

ایسی صورت میں کیا بکر مذکور، مثلِ زید کے، عندَ الشَّرع کافر مُرتد ہو جائے گا؟ یا صرف فاسق گنہگار ہو گا؟ یا نہ وہابی، نہ فاسق ہو گا؟ بلکہ مسلمان صحیح العقیدہ رہے گا؟

صورتِ مذکورہ ۲ و ۳ کا جواب بِالتفصیل اِرقام فرمائیں۔

اَلْجَواب:۔ صورتِ مسئولہ میں عَمرو بکر، دونوں سُنّی مسلمان ہیں۔

ان میں کوئی کافر یا گمراہ نہیں۔ مگر عَمرو، فاسق گنہگار ہے کہ مُرتد سے میل جول رکھتا ہے۔

وَقَالَ اللّٰہُ تَعالیٰ: وَلَاتَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ۔

وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَایُضِلُّوْنَکُمْ وَلَایَفْتِنُوْنَکُم۔

اور بکر کا عمرو سے ملنا اگر بربنائے مصلحتِ شرعیہ ہو کہ اس سے امید ہے کہ اس کی نصیحت مانے اور زید سے ملنا جلنا چھوڑ دے تو حَرَج نہیں۔ ورنہ نامناسب ہے۔

خصوصاً ایسی حالت میں کہ بکر کوئی اِعزاز علمی و دینی رکھتا ہو۔ کہ ایسے فاسق سے بے ضرورت اِختلاط، مکروہ ہے۔ عالم گیری میں ہے:

یکرہُ لِلْمَشْھُورِ الْمُقتدیٰ اَلْاِختلاط اِلیٰ رَجُلٍ مِنْ اَھلِ الْباطلِ والشّرِّ اِلّا بِقدرِ الضّرورۃ۔ لِاَنَّہٗ یعظم اَمرُہٗ بینَ النّاس۔

ولوکانَ رجُلاً لایُعرفُ یُدَارِیہِ لِیَدفَعَ الظُّلْمَ عنْ نفسہِ مِنْ غیرِاِثْمٍ فَلَابأْسَ بہٖ۔ کذا فی الْمُلتقط۔ واللّٰہُ تعالیٰ اعلم۔

(ص ۲۸۷ و ۲۸۸۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد نہم نصف آخر۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی۔ ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء)

مسئلہ:۔ از موضع سرنیا، ضلع بریلی۔ مُرسلہ:۔ شیخ امیر علی رضوی۔

۲۹/ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ۔

ایک پٹیرول آب پاشی نہر پر وہابی ہے اور ایک ڈاکیہ، خط تقسیم کرنے والا، شیعہ ہے۔

ان شخصوں سے بات کرنی پڑتی ہے۔ کبھی روٹی کا بھی اتفاق اپنے مطلب کی غرض سے ہوتا ہے۔ اور ان کو اپنا دشمن ہی سمجھا جاتا ہے۔ میل جول کچھ نہیں کیا جاتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوتا ہے، بچتے ہیں۔ اور کام کے وقت بات کرنا بھی ضروری ہوتی ہے۔

اَلجواب:۔ اگر یہ اَمر واقعی ہے کہ قلب میں ان سے نفرت و عداوتِ واقعی ہے اور کوئی میل جول نہیں رکھا جاتا۔ نہر یا خط کے متعلق کوئی بات کبھی کر لی جاتی ہے۔ یا کبھی روٹی دے دی جاتی ہے جس سے مصلحتِ صحیح خیال کی گئی ہو تو حَرَج نہیں۔ اور اللہ دلوں کا نور جانتا ہے۔ واللّٰہُ تعالیٰ اعلم۔

(ص ۱۷۶۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد نہم نصف آخر۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء)

مسئلہ:۔ از پادرا۔ گجرات۔ مُرسلہ:۔ جمال بھائی، قاسم بھائی۔

ریاستِ بڑودہ کے اندر "مسلمانانِ بڑودہ راج کانفرنس" نامی ایک انجمن، واسطے حقوق طلبی وتحفظِ اسلام قائم ہوئی ہے۔

یہ انجمن، بیچ کوئی مذہبی اُمور کی دخل کے واسطے نہیں ہے۔

صرف یہاں کے ہنود راجہ و ہنود رعایا کے سامنے، مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا کام کرنے والی ہے۔ اس لئے اس میں بلاقید، ہر فرقہ کے کلمہ گو شامل ہو سکتے ہیں۔

کیا اِس انجمن میں سنّی حنفی مسلمانوں کو شریک ہونا، جائز ہے؟

بَیِّنُوا تُوجَرُوا۔

اَلْجَواب:۔ اس کانفرنس میں شرکت، برائے تحفظِ حقوقِ اہلِ سُنّت بمقابلۂ فِرَقِ باطلہ وتحفظِ حقوقِ اسلام بمقابلہ اَعْدائے اسلام، ضروری ہے۔

فِرَقِ باطلہ کے ساتھ وہ مجالست ناجائز و حرام ہے جو بربنائے محبت و موالات ہو۔

نیز وہ جو بے ضرورت و حاجت و مصلحتِ شرعیہ ہو۔

نہ وہ جو برائے تبلیغ ورَدّ ہو۔" واللّٰہُ تعالیٰ اعلم۔

(ص ۴۵۷ و ۴۵۸۔ فتاویٰ مصطفویہ۔ از حضور مفتیِ اعظمِ ہند، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی بریلوی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی۔ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)

"تحفظِ حقوقِ اسلام بمقابلۂ اَعْدائے اسلام" کی بات شاید اس تاریخی واقعہ کے ذریعہ سمجھی جا سکتی ہے جب علاقۂ آگرہ و متھرا وغیرہ میں ۱۹۲۳ء کی تحریکِ شُدھی نے اسلام و اہلِ اسلام کے لئے سنگین خطرات و حالات پیدا کر دیے تھے۔

"جماعتِ رضائے مصطفیٰ، بریلی شریف" (قائم شدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) نے شُدھی تحریک ۱۹۲۳ء کے مقابلے میں علاقۂ آگرہ و میوات و راجپوتانہ میں اپنا وفد بھیج کر اُس کا سیلاب روکا اور ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو مُرتد ہونے سے بچایا۔

اِس موقع پر ممبرِ وفد، جماعتِ رضائے مصطفیٰ، بریلی شریف، حضرت مولانا حشمت علی رضوی لکھنوی پیلی بھیتی (متوفی ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء) عَلَیہِ الرَّحْمَۃُ والرِّضْوَان تحریر فرماتے ہیں:

"جمعیۃُ العلما، خلافت کمیٹی کی طرف سے ابھی تک کوئی عملی خدمت شروع نہیں کی گئی، باوجودے کہ اِن جماعتوں کے پاس کافی روپے اور کثیرُ التعداد مبلّغ اور لکچرار ہیں۔

اگر ان میں سے ایک جُز بھی اِس کام پر مامور کر دیا جاتا تو اِن جماعتوں کی شان سے کچھ بعید نہ ہوتا۔ لیکن نہ معلوم یہ جماعتیں اِس کام کو کیوں غیر ضروری سمجھتی ہیں؟ اور پانچ لاکھ مسلمانوں کے ایمان کا خطرہ انھیں بے چین کیوں نہیں کرتا؟

مسلمانوں کی غفلت کب تک رہے گی؟ اور وہ اپنے دین پر ایسے زبردست حملے دیکھ کر بھی ہوش میں نہ آئیں گے۔"

(ص ۴۔ دبدبۂ سکندری۔ رام پور۔ مؤرخہ ۱۶ر فروری ۱۹۲۳ء۔ وص ۹۵ تحریکِ شدھی اور علمائے اہلِ سُنّت۔ مؤلّفہ مولانا محمد شہاب الدین رضوی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی۔ ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

حیرت ہے کہ بعض ذمّہ دار سمجھے جانے والے افراد بھی کسی سنّی فرد یا تنظیم یا ادارہ کے تعلق سے کوئی شرعی بہتان سُن کر اُس پر یقین کر بیٹھتے ہیں اور کسی تحقیق کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔

اس غیر ذِمّہ دارانہ طریقے کا نمونہ "عرفانِ مذہب و مسلک" کے خلاف اِلزام و بہتان پر مشتمل بعض حضرات کا بیان و خطاب ہے کہ نہ صرف اسے سمجھے بغیر بلکہ مؤلّفِ کتاب سے بھی کچھ سمجھے بغیر شرعی اِلزامات پر مشتمل، دھواں دھار تقریریں کر دی گئیں۔

ایسے لوگ نہ یہ دیکھتے ہیں کہ بیان کرنے والا شخص کون اور کیسا ہے؟ نہ ہی اس پر نگاہ رکھتے ہیں کہ جس سے متعلق یہ بات کہی جا رہی ہے وہ کون اور کس معیار کا ہے؟ نہ اِس پر غور کرتے ہیں کہ جس کے خلاف کوئی شرعی اِلزام قائم کیا جا رہا ہے، اُس کے مزاج و معیار سے کتنی فروتر یہ بات ہے جس کا صُدور اُس سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

نہ اِس مسئلہ کی طرف توجہ دیتے ہیں کہ کسی سنّی کی طرف، تحقیق و ثبوت کے بغیر، نسبتِ کُفر و ضلال کرنا بلکہ نسبتِ گناہِ کبیرہ کرنا بھی سخت گناہ اور ناجائز و حرام ہے۔

جب کہ آج کل کہیں سے بھی کوئی رابطہ کر کے کسی معاملے اور واقعہ کی تحقیق و تفتیش نہایت آسان کام ہے۔ تقریباً ہر شخص کے پاس موبائل موجود ہے۔ اُس سے منٹوں منٹ میں گفتگو کی جا سکتی ہے۔

قاعدہ اور ضابطہ یہی ہے کہ:

صاحبِ معاملہ سے براہِ راست تحقیق کر کے اُس سے متعلق کوئی رائے قائم کی جانی چاہیے۔

اِس کے برخلاف اگر کسی کا عمل ہے تو وہ اپنے اس طرزِ عمل سے خود اپنی شخصیت و وقار کو مجروح کر رہا ہے اور اپنے وقار و اعتماد کو خاک میں مِلا رہا ہے۔ بلکہ کتاب و سُنّت کے حکم و ارشاد کو اپنے عمل کے ذریعہ صراحۃً مُسترد کر رہا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ، اہلِ ایمان کو حکم دیتا ہے کہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۔ (سورہ حُجرات۔ آیت ۶)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق، تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا دے بیٹھو۔ پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔"

پیغمبرِ اسلام، حضرت محمد عربی، نبیِ ہاشمی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں:

کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِباً اَنْ یُحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ (الحدیث)

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ:

وہ ہر سنی سنائی بات، بیان کرتا پھرے۔"

سطورِ ذیل میں محدّثِ اعظمِ ہند، حضرت مولانا سید شاہ محمد محدّثِ اشرفی کچھوچھوی (وصال ۱۶ر رجب ۱۳۸۱ھ/دسمبر ۱۹۶۱ء) عَلَیہِ الرَّحْمَةُ وَالرِّضْوان کا ایک اِستفتا اور صدرُ الشریعہ، حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی (وصال ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) عَلَیہِ الرَّحْمَةُ وَالرِّضْوان کا فتویٰ نقل کیا جا رہا ہے۔ جسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ:

ہر دَور میں کچھ ایسے لوگوں کا وجود رہا ہے جو اہلِ سُنّت و جماعت کے لئے آزار اور وبالِ جان بنے رہے ہیں اور اُن کی حرکتیں دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے مَروی وہ حدیثِ مبارک یاد آتی ہے جسے فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ اِس طرح نقل فرماتے ہیں:

"اور فرماتے ہیں: صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم:

ہلاک ہوئے غُلُو و تشدُّد والے۔ احمد و مسلم و ابو داؤد۔

عَنْ ابنِ مَسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیہِ وَسَلَّم : هَلَکَ الْمُتَنَطِّعُونَ ۔ (اَلْاَحْلیٰ مِنَ السُّکَّر لِطَلَبَةِ سُکَّر رَوْسَر۔ مشمولہ فتاویٰ رضویہ، جلد دوم)

مسئلہ: ـ مُرسلہ: ـ مولانا سید محمد صاحب محدّث کچھوچھوی۔ ۲۵ر ذوالقعدہ ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء

بملاحظۂ گرامی حضرت صدرُ الشریعہ، مولانا شاہ حکیم محمد امجد علی صاحب قبلہ دامَتْ بَرکاتُھم۔

اَلسَّلامُ علیکُم ورحمۃُ اللّٰہِ وبَرکاتُہٗ۔

(الف) زید، بِحَمْدِاللّٰہ، ایک سنّی عالم ہے۔ مگر اس کا طریقِ عمل یہ ہے کہ:

اپنے چند مخصوص اَشخاص کے علاوہ، اہلِ سُنّت کے اکابر عُلما کی نسبت اپنی عام خاص

مجلسوں میں ایسے کلمات، بے محابا کہا کرتا ہے جن کو سُن کر، سننے والے، عُلما کے ساتھ دینی حیثیت سے بدگمان ہو جائیں اور ان کی مذہبی وقعت، دلوں سے جاتی رہے۔ یا کم ہو جائے۔

اور ان کا وقار کم کرنے کے لئے اکابر عُلمائے اہلِسُنَّت کے دینی القاب جو اُن کے اَسمائے مبارکہ کے ساتھ امتیازی طور پر معروف ہیں، انھیں تَرک کر کے، سادہ لفظوں میں معمولی لوگوں کی طرح ان کے نام لے کر ان کا ذکر کرنا، زید کی عادت ہے۔

زید نے اپنے رفیقوں کی ایک چھوٹی سی جماعت بھی بنائی ہے۔ اور اس کے افراد کے نام سے جو زید یا زید کی رضا یا ایما سے اس جماعت کے افراد، عُلمائے کرام اہلِ سُنَّت کی شان میں سَخیف کلمات اور سُبک الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو ان سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور زید اشارۃً یا کِنایۃً بھی منع نہیں کرتا۔ بلکہ لوگ جانتے ہیں کہ:

''زید اس پر خوش ہوتا ہے یا خود ہی وہ ان کے پردہ میں ایسا کرتا ہے۔''

اس زید کا اور اس کے ان رُفَقا کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(ب) زید، **خالص سنّی جماعتوں کو** جو حمایتِ دین اور اِعلائے سُنِّیَّت کے لئے قائم ہیں، **ندوہ بتا کر**، سُنّیوں کو اُن سے منحرف کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔

یہی زید، مقتدر عُلمائے اہلِسُنَّت کو خلافِ واقع اور بالکل غلط طریقے پر پلپلے، مُداہِن اور لیگی تک کہہ کر اہلِ سُنَّت کو ان سے مُنحرف کرنے کی کوشش کر چکا۔ اور ابھی تک اس طرزِ عمل سے باز نہیں آیا۔

اس کا یہ طریقِ عمل کیسا ہے؟

(ج) زید کی مذکورہ بالا جماعت کا ایک رُکن یہ عبارت شائع کر چکا:

''اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، آقائے نعمت، دریائے رحمت، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، اہلِ سُنَّت و جماعت کے سچے امام ہیں اور ان کی پیروی کرنا ہر ایک سنّی پر فرض و واجب ہے۔

اور جو شخص ان کی امامت کو نہ مانے اور اس میں شک بھی کرے۔ تو وہ شریعت کے حکم سے کافر و مُرتد ہے۔''

اور زید نے اس کے خلاف زبان و قلم کو جنبش نہ دی۔ تا آں کہ لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ:

زید اور اس کی جماعت اپنے چند افراد کے سِوا، باقی تمام دنیائے اسلام و سُنِّیَّت کو مُرتد جانتی ہے اور **جس طرح روافض**، حضرت علی مرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تعالیٰ وَجْهَهُ الکریم کی خلافت کی

آڑ لے کر اہلِ سُنَّت پر طَعن و تشنیع کرتے ہیں اسی طرح **یہ گروہ بھی تمام اہلِ سُنَّت کا وقار مٹانے** اور دنیائے سُنِّیَّت پر زبانِ طَعن دراز کرنے کے لئے **اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی امامت کو آڑ بناتا ہے۔**

اس لئے بہت سے لوگ زید اور اس کے ہم نواؤں کی اس چھوٹی سی مخصوص جماعت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں اور ان میں بھی ضد پیدا ہو گئی۔

اور بعض لوگ طَیش میں آ کر کہہ گئے کہ:

یہ فرقہ بھی مثل وہابیہ وغیرہ مُرتد فرقوں کے، ایک فرقہ، خارج از اہلِ سُنَّت ہے۔

دونوں کا کیا حکم ہے؟

(د) اخبارات، اشتہارات، لیکچروں میں جو بعض مسلمان سنّی صحیح العقیدہ، تمام مسلمانوں کو بنامزد اسلامی بھائی، مدعو کرتے ہیں اور شرکتِ جلسہ کو سببِ ثواب درج کرتے ہیں۔

تو کیا محض اِس تعبیر کی وجہ سے وہ کافر دمُرتد ہو جاتے ہیں؟

اَلْجواب:۔ رَبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ هَمزاتِ الشَّیٰطِین وَاَنْ یَحْضُرُوْن۔

افسوس کہ اس زمانہ میں جب کہ گمراہی شائع ہو رہی ہے اور بدمذہبی زور پر ہے، زید جو ایک سنّی عالم ہے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے، تعجب ہے کہ:

اس کے رُفَقائے کار خود عُلمائے اہلِ سُنَّت کو سَبّ و سَخیف الفاظ سے یاد کر کے عُلما کے اِعزاز و وقار کو مٹائیں اور زید خاموش رہے؟ بلکہ اپنے طرزِ عمل سے اس پر رضامندی ظاہر کرے؟

اگر واقعی وہ سنّی عالم ہے تو اس کا یا اس کے رُفَقا کا یہ فعل بِنا بر حَسَد ہوگا۔

عوام کو عُلما سے بدظن کرنا بہت سخت گناہ ہے کہ جب بدظن ہوں گے اُن سے بے زار ہوں گے اور ہلاکت میں پڑیں گے۔

بِالْجُملہ زید کا یہ طرزِ عمل بالکل جائز نہیں۔

جب عُلمائے اہلِ سُنَّت کا وقار جاتا رہے گا اور ان سے بدظنی پیدا ہو گی تو خود زید جس کو سنّی عالم بتایا جاتا ہے، اس سے کب محفوظ رہے گا؟ **وَاللّٰہُ تَعالیٰ اَعلم۔**

(ب) زید کا یہ عمل ناجائز و حرام ہے۔ **وَاللّٰہُ تَعالیٰ اَعلم۔**

(ج) میں بھی کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قُدِّسَ سِرُّہٗ امامِ اہلِ سُنَّت ہیں۔

مگر یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ جو اُن کی امامت نہ مانے وہ معاذ اللہ کافر ہے۔

اس شخص کا یہ قول، نہایت شنیع ہے۔ اس قائل پر اس قول سے توبہ لازم ہے۔

جس نے یہ لکھا وہ حقیقۃً اعلیٰ حضرت قبلہ ہی کا مخالف معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی طرف سے مسلمانوں کو بدظن کرتا ہے۔

زید کو اگر اس کی اطلاع ہے تو زید پر بھی لازم ہے کہ اس سے انکار کرے۔ ورنہ زید بھی اس گناہ میں شریک ہے۔

دونوں جماعتیں ناحق پر ہیں۔ ایک شخص کے کہنے سے پوری جماعت کو گمراہ نہیں کہا جاسکتا۔

وَاللّٰہُ تعالیٰ اَعلم۔

(د) مدّعیِ اسلام کا حقیقۃً مسلمان ہونا ضروری نہیں۔

چنانچہ اس زمانے میں بہتیرے مُدّعیانِ اسلام، حقیقۃً کافر و مُرتد ہیں۔ مگر کسی مدّعیِ اسلام کو مسلمان کہنا، کفر و اِرتداد نہیں کہ اس کے قائل کو کافر و مُرتد کہا جائے۔

اسلام کا استعمال حقیقۃً وہیں ہوگا جو تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتا ہو۔ اس سے کوئی قول و فعل ایسا ظاہر نہ ہو جس پر اسے کافر کہا جائے۔

مگر کبھی مجازاً اس کو بھی کہہ دیا جاتا ہے جو حقیقۃً مسلمان نہیں۔

قرآن مجید میں دونوں استعمال موجود ہیں:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا۔

محض اِس تعبیر سے ہرگز اس کو کافر و مُرتد نہیں کہا جاسکتا، جب تک وہ کسی مُرتد کو اس کے اِرتداد پر مطلع ہو کر اسے حقیقی معنی میں مسلمان نہ بتائے۔" وَاللّٰہُ تَعَالیٰ اَعلم۔

(ص ۵۰۳ تا ص ۵۱۶۔ فتاویٰ امجدیہ، جلدِ چہارم۔ از صدرُ الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رضوی۔ مطبوعہ دائرۃُ المعارفِ الامجدیہ۔ قادری منزل۔ قصبہ گھوسی۔ ضلع مئو۔ یوپی۔ ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء)

اس سے پہلے لکھا جاچکا ہے کہ ۱۹۱۷ء میں ایک برطانوی وزیر "مسٹر مانٹی گو" نے

ہندوستان کا دَورہ کر کے یہاں کے عُلما و قائدین سے ملاقات و تبادلۂ خیال کیا۔ اور اس کی ایک رپورٹ مع تجاویز و سفارشات "اصلاحاتِ ہند" کے نام سے شائع کی۔

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (وصال ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) اُس زمانے میں مسلم سیاست کا مرکز اور نقطۂ پرکار بنے ہوئے تھے، اس لئے اُن کی سرکردگی میں لکھنؤ کے اندر ایک مٹنگ ہوئی تھی۔

اس مٹنگ میں شرکت کی دعوت، شرکت اور پھر اس کے خلاف بعض اپنے ہی حضرات کے شدید اعتراضات اور حملوں کے سلسلے میں حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ تحریر فرماتے ہیں:

"حضور پُر نور اعلیٰ حضرت رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے مجھے مولوی عبدالباری صاحب کی دعوت پر اُس جلسے میں بھیجا تھا جس کے دعوت نامے میں مولانا عبدالباری صاحب وغیرہ علمائے فرنگی محل (لکھنؤ) کے ساتھ مجتہدینِ روافض کے بھی نام تھے۔

اور یہ وہ وقت ہے جب "مانٹی گو" وزیر، ہندوستان آیا تھا اور سیلف گورنمنٹ کا ہندوستان میں ایک شور و غوغا مچا ہوا تھا۔

(چند سطروں کے بعد) تو کیا تحفظ حقوق کے لئے اعلیٰ حضرت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا ہمیں اجازتِ شرکت دینا، عیاذاً بِالْمَولیٰ تعالیٰ گمراہی و فسق کہا جاسکتا ہے؟

اور کیا ہم سب شریک ہونے والے کسی گمراہی و فسق کے مُرتکب ہوئے تھے؟

حَاشَا۔ اَلْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِھَا۔ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَلِکُلِّ امْرِءٍ مَانَوٰی۔

(مَظَاھِرُ الْحَقِّ الْاَجْلٰی (۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء) طبع اول مطبع نابھا اسٹیم پریس، نابھہ۔ پنجاب۔ کتب خانہ اہلِ سُنّت۔ بھورے خاں۔ پیلی بھیت۔ و ص ۴۳۱ و ص ۴۳۲۔ فتاویٰ حامدیہ۔ ناشر:۔ ادارہ اشاعتِ تصنیفاتِ رضا۔ محلّہ سوداگران۔ بریلی شریف)

طویل سوالات و جوابات پر یہ رسالہ (مَظَاھِرُ الْحَقِّ الْاَجْلٰی) مشتمل ہے۔ جو فتاویٰ حامدیہ۔ مطبوعہ بریلی۔ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء میں بھی از ص ۴۲۴ تا ص ۴۴۶، شامل ہے۔

آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی و ارشادات و اقوالِ اکابر و اسلاف سے مدلّل و مُبرہَن جوابات اگر ایک طرف حضرت حجۃ الاسلام کی بصیرت و تفقُّہ کا شاہکار ہیں تو دوسری طرف بعض "کرم فرماؤں"

کی ایذا رسانی کا کرب و اضطراب، آپ کی اِس تحریر کی ایک ایک سطر سے جھلک رہا ہے۔

یہ تاریخی حقیقت، واضح ہے کہ حجۃ الاسلام کا یہ پہلا سفرِ لکھنؤ، ۱۹۱۷ء میں امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کی حیات ہی میں آپ کے حکم کے مطابق ہوا تھا۔ اور سال ۱۹۱۷ء کی تعیین، حضرت حجۃ الاسلام کی اِس تحریر سے ہو جاتی ہے کہ:

''اور یہ وہ وقت ہے جب ''مانٹی گو'' وزیر، ہندوستان آیا تھا اور سیلف گورنمنٹ کا ہندوستان میں ایک شور و غوغا مچا ہوا تھا۔'' (''مَظَاھِرُ الْحَقِ الْاَجْلیٰ'' از حجۃ الاسلام)

مسٹر مانٹی گو، ایک برطانوی وزیر تھا جس نے ہندوستانی حالات و مسائل کا جائزہ لینے کے لئے ۱۹۱۷ء میں ہندوستان کا دَورہ کیا تھا اور اسی سال ۱۹۱۷ء میں سیلف گورنمنٹ یعنی حکومتِ خود اختیاری کا مسئلہ بھی ہندوستان میں زور و شور کے ساتھ اُٹھا تھا۔

حجۃ الاسلام کا ایک دوسرا سفرِ لکھنؤ، امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کے وصال (۱۹۲۱ء) کے بعد بہ مشورۂ خُلفاے امام احمد رضا، ہوا تھا۔

۱۹۱۷ء تک حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی (وصال ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) کے بارے میں کوئی ایسی زبانی یا تحریری روایت نہیں ہے کہ کسی خطا و لغزش کی بنیاد پر ان سے کوئی شرعی مؤاخذہ یا توبہ و رجوع کا کوئی مطالبہ کیا گیا۔

تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) و تحریکِ ترکِ موالات (۱۹۲۰ء) میں حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی (وصال ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) سے کچھ لغزشیں اور خطائیں ہوئی تھیں جن کی طرف امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ نے آپ کی توجہ دلائی تھی اور رجوع و توبہ کا مطالبہ کیا تھا۔ دونوں حضرات کے درمیان طویل مراسلت بھی ہوئی تھی جو ۱۹۲۱ء میں حَسنی پریس بریلی سے شائع ہو گئی تھی۔

اِسی شرعی مؤاخذہ کی وجہ سے حضرت حجۃ الاسلام نے اپنے دوسرے سفرِ لکھنؤ (بعدِ وصالِ امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ) کے وقت، مولانا عبد الباری فرنگی محلی سے اُس وقت تک مصافحہ نہیں کیا جب تک کہ تصفیہ نہیں ہو گیا اور تصفیہ کے بعد مولانا عبد الباری نے توبہ نامہ بھی تحریر کیا۔

جس کے بعد ان حضرات کی پُر جوش ملاقات ہوئی اور حجۃ الاسلام نے حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی دست بوسی کی۔

اس کے بعد اسی خوشی میں فرنگی محل میں محفلِ میلاد کا انعقاد ہوا جس میں سبھی عُلما کرام نے شرکت کی۔

مفتیِ آگرہ، حضرت مولانا عبد الحفیظ حقّانی (متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔ در کراچی) خطیب و امام شاہی جامع مسجد، آگرہ اُس وقت فرنگی محل، لکھنؤ میں زیرِ تعلیم تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب ''شمعِ ہدایت'' مطبوعہ کراچی میں چشم دید حالات درج کر دیے ہیں۔

اِس واقعہ کی تفصیلات، گزشتہ صفحات میں قارئینِ کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

ایک سفرِ بمبئی کے دوران مجھ سے ایک ثقہ راوی نے بیان کیا کہ:

''فلاں صاحب نے اِس فتویٰ (فتواے حجۃ الاسلام) کے پڑھنے کے بعد مجھ سے ایک ملاقات و گفتگو کے دَوران کہا کہ:

''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کا خون ہو گیا۔ اِس فتویٰ کو ''فتاویٰ حامدیہ'' سے نکال دینا چاہیے۔''

یہ جاہلانہ و احمقانہ تبصرہ و خیال سُن کر راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) نے اس راوی کے سامنے بَرجستہ کہا کہ:

''جس **فرضی مسلک** کا خون، اعلیٰ حضرت کے حکم سے حجۃ الاسلام و صدرُ الشریعہ اور دیگر خُلفاے اعلیٰ حضرت نے کیا ہے، اُس کا خون ہونا ہی چاہیے اور بار بار ہونا چاہیے۔''

اتنی واضح و صریح اردو عبارت بھی بعض یارانِ طریقت کی سمجھ میں نہ آسکی تو اُن سے عرض ہے کہ پہلے نہ سہی، اب سے وہ اپنی عقل کا کچھ نہ کچھ استعمال ضرور کریں اور اپنا ذہن، حاضر کر کے سوچیں کہ:

جسے وہ مسلکِ اعلیٰ حضرت سمجھ رہے ہیں اور زور و شور کے ساتھ جس کے نعرے لگوا رہے ہیں، تو کیا جو فکر و خیال اور جو عمل، اعلیٰ حضرت و حجۃ الاسلام و صدرُ الشریعہ جیسے اکابرِ اہلِ سُنّت و جماعت کے موقف کے خلاف ہو، وہ کبھی اس ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کا کوئی جُز اور حصہ ہو سکتا ہے؟

اور جب ایسا نہیں ہو سکتا ہے تو اسے فرضی و مَزعوم فکر و خیال و مسلک و موقف نہیں تو اور کیا کہا جائے؟

کبھی کبھی ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ بے جا تشدُّد بلکہ تحمُّق کے حامل، کچھ انتہا پسند افراد نے اپنی جہالت و حماقت اور اپنی تنگ نظری و کج فکری سے

اپنے دل ودماغ میں کوئی ایسا مَسلک (فکروخیال) پال رکھا ہے کہ اکابر واسلافِ اہلِ سُنَّت و جماعت کی ہدایات وارشادات کو بھی وہ لائقِ اِعتنا اور قابلِ عمل نہیں سمجھتے۔

اور اِن جاہلوں اورانتہاپسندوں کا ''مزعومہ مسلک''(مذہبِ اہلِ سُنَّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت کے مخالف کوئی فکروخیال)ان کی نظر میں اتنا صحیح اور کھرا ہے کہ:

اعلیٰ حضرت و صدرُالشریعہ وحجۃُ الاسلام ومفتیِ اعظم ومحدث اعظم اور صدرُالافاضل وغیرھُم عَلَیہِمُ الرَّحْمَۃُ والرِّضْوَان بھی گویاان کے معیار پر پورے نہیں اُترتے اور ''خودساختہ تصلُّب'' کووہ اِن اکابرواسلافِ اہلِ سُنَّت کے ''دینی تصلُّب'' سے بھی بالاتر سمجھتے ہیں۔ اَلْعِیَاذُبِاللّٰہِ تبارَک وتعالیٰ۔

یہ فکروعمل نہ ''تصلُّبِ مطلوب'' ہے۔نہ ''تعصُّبِ محمود'' بلکہ واضح وصریح الفاظ میں ''تحمُّقِ محض'' اور ''جہالتِ فاحشہ'' ہے جونہایت معیوب اورشدید مذموم ہے۔

کیاایسے ہی جاہلوں، بےعقلوں اور بدنصیبوں کی انتہاپسندی وکج رَوِی کی خبر، رسولِ اکرم، نبیِ معظَّم، مُخبرِ صادق صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیہِ وَسَلَّم نے اِس ارشادِ گرامی میں اہلِ ایمان کونہیں دی ہے؟

ھَلَکَ الْمُتَنَطِّعُون۔(صحیح مسلم)

ہلاک ہوئے غُلُو وتشدُّد والے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے غُلُو وتشدُّد اوراس کی ہلاکت سے اہلِ سُنَّت کی حفاظت فرمائے۔

آمین! بِجاہِ حَبِیبِکَ سَیِّدِالمُرسَلِین عَلَیہِ وعَلیٰ آلِہِ الصَّلوٰۃُ والتَّسلِیم۔

ربِّ کائنات ارشادفرماتا ہے:

وَمَاجَعَلَ عَلَیکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (سورۂ حج۔آیت ۷۸)

اورتم پردین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔''

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم ارشادفرماتے ہیں:

یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

سہولت وآسانی پیدا کرو اور دِقّت ومشقّت میں نہ ڈالو۔اوربشارت وخوش خبری دواور وحشت ونفرت نہ پیدا کرو۔''

اورارشادفرماتے ہیں:اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُبَشِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ۔(صحیح بخاری ومسندِامام احمد)

تم آسانی کرنے والے بھیجے گئے ہو۔نہ کہ دشواری میں ڈالنے والے۔''

اورارشادفرماتے ہیں:اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ ۔وَلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَہٗ ۔فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَبَشِّرُوا۔ (صحیح بخاری وسُنَنِ نسائی)

بےشک، دین آسان ہے۔اور جودین میں تشدُّد وتعمّق کرے گا،اُس پر یہ دین غالب اور سخت ہوجائے گا۔تودرستی ونرمی وبشارت کی راہ اختیار کرو۔''

یہ حقیقت، روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ:

مسلکِ حق، مذہبِ اہلِ سُنَّت وجماعت ہی ہے جسے آج کل، ہندو پاک میں مسلکِ اعلیٰ حضرت بھی کہا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص، مذہبِ اہلِ سُنَّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت کے بالمقابل اوراس کے برعکس کوئی فکر وخیال ظاہر کرتا ہے تو یہ فکروخیال، نہ مذہبِ اہلِ سُنَّت ہے اورنہ ہی مسلکِ اعلیٰ حضرت ہے۔بلکہ صاف وصریح الفاظ میں یہ کوئی فرضی ومزعوم مسلک ہے جس کا مذہبِ اہلِ سُنَّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت سے کوئی تعلق اوراکابر واسلافِ اہلِ سُنَّت کا اس سے کوئی بھی واسطہ نہیں۔

مذہب واصولِ مذہب کے علم وعرفان اورشعور وادراک کانمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تواِس ''تقریب'' (رقم شدہ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء) میں ملاحظہ فرمائیں جسے برادرِ مکرَّم، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی (موجودہ صدرُالمدرسین الجامعۃُ الاشرفیہ، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔یوپی) نے پوری علمی وفقہی بصیرت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے:

''امام احمد رضا نے علمی تحقیقات اورفنّی تدقیقات کے جواَنمول موتی اپنی تصانیف میں جلوہ آرا فرمائے ہیں،اُن کا اعتراف غیروں کو بھی ہے۔

اِسی طرح دینِ حنیف اور فقہِ حنفی کی جولازوال خدمات، امامِ موصوف قُدِّسَ سِرُّہٗ نے انجام دیں، اُن کے اعتراف پر سبھی مجبور ہیں۔ ع

جس سَمت آ گئے ہو، سکّے بٹھا دیے ہیں۔

لیکن اِن تمام مناقب وفضائل کے خزانے میں ایک ''عیب'' بھی ہے۔ زبردست عیب۔ وہی عیب جسے شیخ سعدؔی شیرازی نے فرمایا ہے: ع

ہنر بچشمِ عداوت، بزرگتر عیبے ست۔

ان کا ''عیب'' یہی ہے کہ وہ ع

بامسلماں، اللہ اللہ، بابرہمن، رام رام۔

والے مذہبِ صلحِ کل کے قائل نہ تھے۔ ان کے یہاں دوستی اور دشمنی کا ایک پختہ نظریہ موجود تھا۔

وہ قرآن وحدیث اور اِتباعِ ائمہ پر سختی سے قائم تھے۔ انھوں نے قرآنِ کریم سے محبتِ ایمان ومومن کے ساتھ عداوتِ کفر وکافر کا بھی درس لیا۔

حدیثِ پاک سے اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ، دونوں کی تعلیم حاصل کی۔ ائمۂ کرام سے انھوں نے یہ سبق بھی سیکھا کہ:

''محبت خداورسول، بےعداوتِ دشمنانِ آں، صورت نہ بندد۔

''تولّا بےتبرّا نیست ممکن'' دریں جاصادق است۔''

(مکتوباتِ امامِ ربّانی، مجدّدِ الفِ ثانی، شیخ احمد فاروقی سرہندی۔ وصال ۱۰۳۴ھ)

اس لئے ان کا نتیجۂ فکروقلم، جہاں بارگاہِ خداورسول اور نگاہِ اہلِ ایمان میں ایک ''نغمۂ دل نواز'' تھا، وہیں دشمنانِ خداورسول اور اَعْدَاے دین وسُنّت کے لئے ''سوہانِ روح'' اور ''پیامِ موت۔''

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضؔا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہُدیٰ، مجھے شوخیٔ طبعِ رضؔا کی قسم

....

کلکِ رضؔا ہے خنجرِ خونخوار، برق بار
اَعْدَا سے کہہ دو، خیر منائیں نہ شر کریں

(ص ۵۵ و ص ۵۶۔ ''امام احمد رضا اور ردِّ بدعات ومنکرات''۔ مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور۔ ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء)

''اَوراق اُلٹ کر دیکھیے پھر فیصلہ کیجیے کہ:

یہ کس کا قلم ہے جس نے بدعات ومفاسِد کی بیخ کنی میں پوری جُرأت وہمت کا مظاہرہ کیا ہے۔ نہ تو اسے لَوْمَۃِ لائم کا خوف ہے۔ نہ دنیاوالوں کی ناراضی کا اندیشہ۔ اسے اپنے مولیٰ کی رضا، کافی ہے۔

اس کی آنکھوں میں شریعتِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کا کیف وسرور ہے اس لئے وہ فیصلے کرتا ہے تو حق اور اَٹل فیصلے کرتا ہے۔

نہ تو اس میں اِفراط ہے کہ بدعت کو شرک۔ گناہ کو کفر۔ مکروہ تنزیہی کو حرام۔ یا کم از کم صغیرہ بلا اِصرار کو کبیرہ۔ خفی کو جلی۔ کہہ دے۔

نہ اس میں تفریط ہے کہ مکروہ یا خلافِ اولیٰ کو غیر مکروہ ومستحب۔ بدعت کو سُنّت۔ مُنکَر کو معروف۔ یاناجائز کو جائز کہہ دے۔

اِعتدال ہے اور صرف اِعتدال۔ یہی وہ اِصلاح ہے جو فساد واِفساد سے پاک ہوتی ہے۔''

(ص ۳۷ وص ۴۷۔ تقریب از مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی۔ در ''امام احمد رضا اور رَدِّ بدعات ومُنکرات''۔ مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور۔ ۱۹۸۵ء)

یہی ''مسلکِ رضا''، مشاہیرِ اسلام، عُلما وفُقہا واکابر صوفیہ ومشائخِ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیہِم اَجْمَعِین کے ارشادات وہدایات کا عِطرِ مجموعہ ہے۔

یہی ''فکر رضا''، امامُ المحدّثین، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی ومجدّدِ الفِ ثانی، شیخ احمد فاروقی سرہندی وشمس العارفین، سید شاہ آلِ احمد اچھے میاں مارہروی وسراجُ الھند، شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی و بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی فرنگی محلی وعلاّمہ فضلِ حق خیرآبادی وعلاّمہ فضلِ رسول عثمانی بدایونی وخاتمُ الاکابر، سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی ونورُ العارفین، سید شاہ ابوالحسین احمد نوری

مارہروی وحضرت مفتی ارشاد حسین مجدّدی رام پوری ومحبِ رسول ،تاج الفحول، مولانا عبدالقادر عثمانی بدایونی وشیخ المشائخ، سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی وغیرہُم رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیہِم اَجْمَعِین کے عقائد وافکار کا نمائندہ وترجمان ہے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے موجودہ صدرُالمدرسین، برادرِ مکرّم، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی نے مندرجہ بالا تحریر میں جو کچھ پیش کیا ہے وہی آئینۂ فکرِ رضا ومسلکِ رضا ہے۔

بِحَمْدِہٖ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ وبِکَرَمِ حَبِیبِہِ الْاَعْلیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم، سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت، ہندوپاک کی سب سے عظیم دینی وعلمی درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے بارے میں ''تحدیثِ نعمت'' کے طور پر کہا اور لکھا جاسکتا ہے کہ:

اس نے اپنی تاسیس سے آج تک ہمیشہ اور ہر دَور میں فکرِ رضا ومسلکِ رضا کو علمی وفکری وفقہی انداز میں پیش کرتے رہنے کی ایسی ممتاز اور لازوال خدمت انجام دی ہے جس سے اہلِ سُنَّت وجماعت کا سَر، فخر سے اونچا ہوتا رہا ہے اور آج بھی اس کی نمایاں خدمات ہر جہت سے سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کے لئے باعثِ اِعزاز واِفتخار اور مدارسِ اہلِ سُنَّت وجماعت کے لئے قابلِ تقلید و لائقِ اِتّباع ہیں۔

بِحَمْدِہٖ تَعَالیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا ماضی وحال واستقبال، تینوں نہایت روشن وتابناک ہیں۔

مدرسہ مصباح العلوم مبارک پور (قائم شدہ ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) میں صدرُ الشریعہ، مولانا امجد علی اعظمی رضوی (وصال ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) وتلمیذِ علاّمہ ہدایت اللہ جون پوری (وصال ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) اورمحدّثِ اعظم، مولانا سید محمد محدّث اشرفی کچھوچھوی (وصال ۱۳۸۱ھ/ دسمبر ۱۹۶۱ء) کے مشترکہ انتخاب اور صدرُ الشریعہ کے حکم پر حافظِ ملّت، مولانا الشاہ عبدالعزیز مرادآبادی (وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء میں مبارک پور تشریف لائے اور آپ کی شبانہ روز

کدّ وکاوش کے نتیجہ میں ۱۰؍شوال ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء کو گولہ بازار، مبارک پور کی وسیع وعریض زمین میں ایک جدید اور شان دار عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ جس کا تاریخی نام ''باغِ فردوس'' (۱۳۵۳ھ) ہے۔

اِس عمارت کا سنگِ بنیاد، شیخ المشائخ، حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی (وصال ۱۳۵۵ھ) اور صدرُ الشریعہ ومحدّثِ اعظم وغیرہُم کے دستِ مبارک سے رکھا گیا۔

اِس مبارک تاریخی موقع پر شیخ المشائخ، حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی نے اشرفیہ کے اِستحکام وترقی کی دعا کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

''جو اِس کی ایک اینٹ کھسکائے گا اُس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔''

صدرُ الشریعہ جب ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں اپنے دوسرے سفرِ حج وزیارت کے لئے جارہے تھے تو حافظِ ملّت نے عرض کیا تھا کہ: اپنی دعاؤں میں اشرفیہ کو بھی یاد رکھیے گا۔''

صدرُ الشریعہ نے اُس وقت ارشاد فرمایا تھا:

''اشرفیہ بڑھے گا، پھلے گا، پھولے گا، اور جو اس کی مخالفت کرے گا، ذلیل ہوگا۔''

مدرسہ مصباح العلوم (قائم شدہ ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) اپنے نئے سنگِ بنیاد ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء کے بعد دارُ العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کے نام سے بڑھتا، پھلتا، پھولتا رہا۔ تا آں کہ قصبہ مبارک پور سے نکل کر نہایت وسیع وعریض زمین پر ۲۰/۲۱/۲۲/ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ/۵/۶/۷/ مئی ۱۹۷۲ء کو، سیدی ومُرشدی، مفتیِ اعظم، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی (وصال محرمُ الحرام ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) وسیدُ العلما، مولانا السّیّد الشاہ آلِ مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) ومجاہدِ ملّت، مولانا الشاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری (وصال ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) وغیرہُم اکابرِ عُلما ومشائخ اہلِ سُنَّت کے مبارک ہاتھوں سے اُس کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اور اب اَلْجَامِعَۃُ الْاَشْرَفِیَّہ کے نام سے اسے شہرتِ عام، حاصل ہے۔

احسنُ العلما، مولانا سید شاہ مصطفیٰ حیدر حَسَن قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء) نے اپنے ایک مفاوضۂ عالیہ، محرّرہ رجب المرجب ۱۳۹۸ھ/جون ۱۹۷۸ء کے ذریعہ اہلِ سُنَّت وجماعت سے ارشاد فرمایا کہ:

.... اَلجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر کے لئے آیئے ہم سب مل کر ایک سیسہ پلائی ہوئی

دیوار بن جائیں۔ ''اَلسَّعْیُ مِنِّی وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ۔''

جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے فکری و علمی و عملی طور پر جس طرح دنیا کے سامنے ''مذہبِ اہلِ سُنَّت'' اور ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کو پیش کیا ہے اُس کی ایک نہایت روشن تاریخ ہے جس سے دوسروں کو سبق سیکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

اِس جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فارغُ التحصیل عُلما، ہندو بیرونِ ہند جو دینی و علمی و دعوتی واصلاحی خدمات، وسیع پیمانے پر انجام دے رہے ہیں، اُس سے ہندو پاک ہی نہیں بلکہ یورپ وافریقہ وامریکہ وآسٹریلیا کے مسلمانانِ اہلِ سُنَّت بھی اچھی طرح باخبر اور واقف ہیں۔

آج کے بعض حاسدین ومخالفینِ اشرفیہ اگر اشرفیہ کی ہمہ جہت قدیم وجدید خدمات اور اس کے آفتابِ عروج واقبال کو اپنے تعصّب وعِناد کی وجہ سے دیکھنے سے معذور ہیں تو اِس میں کوئی قصور اس روشنی بکھیرتے ہوئے آفتاب کا نہیں بلکہ خود ان کی آنکھوں کا فتور ہے۔ کیوں کہ:

گر نہ بیند بروز شپّرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

ایسے افراد کو جلد تر اپنی خبر لینی چاہیے، اپنی نیت درست کرنی چاہیے اور، اپنے فسادِ مزاج کا علاج کر لینا چاہیے۔ ورنہ ہوتا یہی ہے کہ:

دُکھتی ہوئی آنکھوں کو بُرا لگتا ہے سورج
بیمار زبانوں کو بُرا لگتا ہے پانی

کسے نہیں معلوم کہ فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ کے فقہی شاہکار (بزبانِ اردو) کو زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کی توقع، سیّدی و مُرشدی، حضور مفتیِ اعظمِ ہند، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی بریلوی نے ۱۹۵۹ء میں اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی۔ انڈیا) کی ایک مبارک مجلس میں ظاہر فرمائی تو فرزندانِ اشرفیہ ہی سے۔ کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''تم لوگوں کے علاوہ اور کس سے اِس کی توقع ہو سکتی ہے؟۔''

اور پھر ''سنّی دارُالاشاعت'' مبارک پور (زیرِ اہتمام وانتظام، حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی وحضرت مفتی عبدالمنان اعظمی وحضرت مولانا محمد شفیع اعظمی وحضرت مولانا قاری

محمد یحییٰ مبارک پوری۔ زیر سرپرستی حافظِ مِلّت، مولانا الشاہ عبدالعزیز مرادآبادی۔ رَحمۃُ اللّٰہِ تعالیٰ علیہم اَجمَعین) نے فتاویٰ رضویہ کو بڑی کدّ وکاوش وعرق ریزی وجاں کاہی اور ذِمّہ داری کے ساتھ قوم کے سامنے پیش کر کے ایک گراں قدر تاریخی کارنامہ انجام دیا۔

فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے دوسرے فقہی شاہکار ''جَدُّ الْمُمْتَارِ عَلٰی رَدِّ الْمُحْتَار'' (بزبانِ عربی) کی طباعت واشاعت کی سعادت بھی فرزندانِ اشرفیہ (مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری مصباحی، راقمِ سطور یٰسٓ اختر مصباحی اور مولانا نصرُ اللہ رضوی مصباحی) کو حاصل ہوئی۔

جنھوں نے ''المجمع الاسلامی مبارک پور'' کے ذریعہ یہ قابلِ افتخار فقہی سرمایہ، قوم کی خدمت میں پیش کر کے سُرخ رُوئی وسرفرازی حاصل کی۔

اتنا ہی نہیں بلکہ دنیا جانتی ہے کہ آزادیِ ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد سے ''رضویات'' کے موضوع پر فرزندانِ اشرفیہ کی قلمی وتحریری خدمات، ہندوستان کے دیگر سبھی سُنّی اصحابِ قلم کی مجموعی خدمات پر بھاری ہیں۔ وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ۔

اشرفیہ مبارک پور کی ایک عظیم الشان اور پُرشکوہ عمارت ''امام احمد رضا لائبریری'' کے نام سے موسوم ہے۔ جس میں درسی وغیر درسی، ہزاروں کتب ورسائل، موجود ہیں۔

یومِ رضا (۲۵ رصفر) کے موقع پر مدتِ دراز سے اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ، ''تحریری وتقریری مقابلہ'' کا اِہتمام کرتے اور اس میں ذوق وشوق کے ساتھ حصہ لے کر اپنی روحانی بالیدگی میں اضافہ کرتے رہے ہیں۔

سیدی ومُرشدی، حضور مفتیِ اعظمِ ہند، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری بریلوی کی نسبت سے اشرفیہ مبارک پور کا ایک مرکزی گیٹ ''بابِ مفتیِ اعظم'' کے نام سے موسوم ہے۔

تقریباً تیس (۳۰) سال سے یومِ مفتیِ اعظم (بتاریخ ۱۴ رمحرم) کے موقع پر، اشرفیہ کے طلبہ، نہایت اہتمام کے ساتھ ''تحریری مقابلہ'' کے اپنے پروگرام میں حصہ لیتے ہیں۔ اور اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق بہترین مضامین تحریر کرتے ہیں۔

تین سو چار (۳۰۴) صفحات پر مشتمل ''انوارِ مفتیِ اعظم'' مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی۔ طبع اول ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ/ اکتوبر ۱۹۹۲ء۔ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ کے ایسے ہی مضامین کا دلکش مجموعہ اِس

وقت میرے پیشِ نظر ہے۔ جسے برادرِ مکرّم، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی (موجودہ صدرُ المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) نے مرتّب کر کے وقیع بنادیا ہے۔

تقریباً چالیس (۴۰) سال سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مختلف درجات کے طلبہ، رضویات واسلامیات پر مشتمل چھوٹی بڑی کتب ورسائل کی طباعت واشاعت بڑی سرگرمی کے ساتھ کررہے ہیں۔

اِدھر چند سالوں سے انھوں نے اردو زبان کی قدیم وضخیم اور نایاب کتبِ اکابر عُلماے اہلِ سُنّت کی نئی کمپوزنگ کراکے ان پر اپنے اساتذۂ کرام سے تعارف وتقدیم لکھوا کر انھیں قوم وملّت کے سامنے پیش کرنے کا نہایت گراں قدر سلسلہ شروع کیا ہے۔

ان میں انوارِ ساطعہ، الصوارم الہندیہ، نصر المقلدین، نصرۃ المجتہدین، انوارِ آفتابِ صداقت، انتصار الحق خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

اِن طلبہ کا یہ اِقدام وعمل، ہمارے دیگر مدارسِ اہلِ سُنّت کے باشعور طلبہ کے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

سیدی ومُرشِدی، حضور مفتیِ اعظم ہند، قُدِّسَ سِرُّہٗ کی عظیم حیات وخدمات پر مشتمل، گیارہ سو (۱۱۰۰) صفحات کا ضخیم مجموعہ ''جہانِ مفتیِ اعظم'' (مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی۔ ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء) مرتّبہ مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی ومولانا محمد عبدالمبین نعمانی مصباحی ومولانا مقبول احمد مصباحی، فرزندانِ اشرفیہ ہی کا گراں قدر کارنامہ ہے۔

اتنا ضخیم وعظیم مجموعہ نہ آج تک مرتّب ہوا، نہ شائع ہوا۔ اہلِ سُنّت کے ہر حلقے تک اس کی رسائی اور پذیرائی ہوئی۔ مگر بعض حضرات نے اس کی اِس طرح ''قدردانی'' فرمائی کہ چند کلماتِ تحسین کہنے اور لکھنے کی بجاے یہ شوشہ بازی فرمائی کہ جہاں جہاں لفظِ مفتی اعظم تھا اسے مرتّبین نے حذف کردیا۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی صفحہ بلکہ کوئی پیراگراف بھی شاید ہی لفظِ مفتی اعظم سے خالی ملے۔ قارئین اتنے سادہ لوح نہیں کہ سامنے کی اِس واضح حقیقت کو نظرانداز کر کے ایسی کسی انگشت نمائی پر یقین کر بیٹھیں۔

اِس طرح کے کسی پروپگنڈہ کی تردید وتکذیب کے لئے ''جہانِ مفتیِ اعظم'' خود کافی وشافی

ہے۔ جس کا ورق ورق، روشن وتابناک حیات وخدماتِ مفتی اعظم کا مظہرِ انوار بن کر اپنے قارئین کے دیدہ ودل پر اپنی شعاعیں بکھیر رہا ہے۔

یہ فیض ہے اَکابرو اسلافِ سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کے مذہب ومسلکِ حق کی ترجمانی اور فکرِ رضا کی خدمتِ تفہیم وتبلیغ وترویج کا کہ:

فرزندانِ اشرفیہ مبارک پور جہاں ایک طرف علم وفضل کے مالک ہوتے ہیں، وہیں دوسری طرف وہ شعور وادراک اور فکر وبصیرت کے بھی حامل ہوتے ہیں۔ اُن کی نظر، وقت کے بدلتے حالات اور متعدد جہات کی طرف ہوتی ہے۔

۱۹۷۰ء کی دَہائی سے درجنوں مصباحی عُلما وفُضلا، یورپ وافریقہ وامریکہ وآسٹریلیا جاکر اپنے اپنے طور پر اسلام وسُنّیت اور جماعتِ اہلِ سُنّت کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جن میں ورلڈ اسلامک مشن (برطانیہ) جامعۃ الاسلام، اسلامک اکیڈمی (نیدرلینڈ) وغیرہ کئی اہم ادارے شامل ہیں۔

تعلیمی وتدریسی میدان میں بھی اپنے وطن، ہندوستان ہی کی طرح ان فرزندانِ اشرفیہ نے اپنے اپنے نئے ممالک میں بھی ٹھوس پیش رفت کی ہے۔

درسِ نظامی کے طرز پر کسی ہندوستانی عالم کا قائم کردہ اگر کوئی ایسا ادارہ اس دیارِ غیر میں ہے جہاں اپنے نصاب کے مطابق، طلبہ مکمل تعلیم حاصل کررہے ہیں اور اُس کے فارغُ التحصیل عُلما، مختلف افریقی ممالک میں اپنے اپنے طور پر دینی وتبلیغی کام میں بھی مصروف ہوچکے ہیں تو وہ ہے صرف اور صرف: ''دارُ العلوم قادریہ غریب نواز، لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ''

جس کے بانی عزیز گرامی، مولانا حافظ علیم الدین اعظمی مصباحی۔ اور اس کے شیخ الحدیث: صدیقِ مکرّم، مولانا افتخار احمد قادری مصباحی ہیں۔

عزیزِ گرامی، مولانا احمد القادری مصباحی (برادرِ مکرّم، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی کے برادرِ صغیر) بھی امریکہ میں اِسی طرح کا شاندار ادارہ قائم کرچکے ہیں۔ امریکی معیار کے مطابق اس کی پُرشکوہ عمارت، مکمل ہوچکی ہے۔

ابھی اِسی ربیع الاول (۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء) میں صَدیقِ مکرّم، مولانا بدر القادری مصباحی جو مُدَّتِ دراز، سے ہالینڈ میں رہ کر اپنی دینی ودعوتی خدمات ومشاغل ومصروفیات کے ساتھ

تصنیفی کام بھی کرتے رہتے ہیں، اُنھوں نے فون کر کے مجھے بتایا کہ:

اِس وقت مَیں امریکی دورہ پر آیا ہُوا ہوں اور مولانا احمد القادری مصباحی کے یہاں سے بول رہا ہوں۔ مولانا احمد القادری مصباحی نے اپنے دارُالعلوم کی شاندار و باوقار عمارت کی تعمیر مکمل کر لی ہے۔ اسے دیکھ کر مجھے بے پناہ قلبی وروحانی مسرت حاصل ہوئی۔ وغیرہ وغیرہ

اس کے بعد انھوں نے مولانا احمد القادری مصباحی سے میری بات کرائی۔ میں نے اپنی بے پناہ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے انھیں پُر جوش مبارک باد، دی۔

حضرت مولانا قمر الزماں اعظمی مصباحی (مانچسٹر، انگلینڈ) کی پُر وقار شخصیت، آپ کی طبعِ سلیم وفکرِ قویم، آپ کی شہرۂ آفاق خطابت، اور سرزمینِ یورپ میں آپ کی نمایاں دعوتی خدمات سے دنیائے اہلِ سُنَّت نہ صرف یہ کہ واقف بلکہ معترف ومدَّاح اور رَطبُ اللِّسان بھی ہے۔

میں اور صَدیقِ مکرَّم، مولانا افتخار احمد قادری مصباحی (موجودہ شیخ الحدیث، دارُالعلوم قادریہ غریب نواز، لیڈی اِسمتھ، ساؤتھ افریقہ) جب ریاض (سعودی عرب) میں تھے اُس وقت (۱۹۸۳ء) کی بات ہے کہ:

صوفی محمد اکرم رضوی مرحوم ومغفور ایک متصلّب سنّی تھے، ان کی ایک کتاب ''صحابہ کا عشقِ رسول''، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور کافی مشہور ہے۔ مخلص سنّی ہونے کی وجہ سے میرے اور مولانا افتخار احمد قادری مصباحی صاحب کے تعلقات، صوفی محمد اکرم رضوی سے بڑے اچھے تھے۔ ان کے گھر (ریاض، سعودیہ) بھی ہم لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

صوفی محمد اکرم رضوی مرحوم ومغفور، پنجاب (پاکستان) کے رہنے والے تھے۔ ریاض، (سعودیہ) میں ان کی اچھی خاصی تجارت تھی۔ ایک بار وہ یورپ کے اپنے تجارتی دورہ پر جارہے تھے تو اپنے دینی مزاج کے مطابق انھوں نے یورپ کے عُلماے اہلِ سُنَّت سے ملاقات کا بھی پروگرام بنا رکھا تھا۔

انھوں نے ہم لوگوں سے گذارش کی کہ کچھ ہندوستانی علماے اہلِ سُنَّت کے نام وپتہ وفون نمبر مجھے لکھوا دیں۔ تا کہ میں ان سے ملاقات کر سکوں۔ ہم لوگوں نے جو نام انھیں لکھ کر دیے اُن میں نمایاں نام، حضرت مولانا قمر الزماں اعظمی مصباحی کا تھا۔

دورۂ یورپ سے ریاض واپسی کے بعد انھوں نے بتایا کہ:

تجارتی مصروفیات کی وجہ سے حضرت مولانا قمر الزماں اعظمی سے ملاقات تو نہ ہو سکی مگر فون پر میں نے ان سے بات کی اور کافی متأثر ہوا۔

میں نے اپنے پاکستانی دوستوں سے ان کے بارے میں معلوم کیا تو سبھوں نے ان کی بڑی تعریف کی۔ اور کہا کہ:

''اگر یہ شخص، بھارتی نہ ہوتا تو پورے برطانیہ پر چھا جاتا۔''

یہ بات ۱۹۸۳ء کی ہے۔ اور مذکورہ تبصرہ کا صحیح مطلب وہی حضرات بخوبی سمجھ سکتے ہیں جو ہندوستان سے باہر کی فضا اور ماحول میں کچھ مدت بھی گذار چکے ہیں۔

۱۹۷۰ء کی دَہائی میں اشرفیہ کے قابلِ فخر فرزند، حضرت علاَّمہ ارشد القادری نے حضرت علاَّمہ شاہ احمد نورانی کے ساتھ مل کر جس ''ورلڈ اسلامک مشن'' کی تشکیل کی تھی، اُس کی خدمات اور سرگرمیوں سے سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کا ہر باشعور طبقہ اچھی طرح واقف ہے۔

بِحَمْدِہٖ تبارَکَ وتعالیٰ، فرزندانِ اشرفیہ مبارک پور اپنے تابناک ماضی کی وراثت کے تحفظ کے ساتھ روشن مستقبل کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں۔ دَرپیش چیلنجوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور نئے آفاق کی تلاش وجستجو میں ہمیشہ سرگرداں رہتے ہیں۔ یہ ذہن انھیں مذہبِ سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت وفکرِ اسلاف وفکرِ رضا ہی نے دیا ہے اور اپنے مذہب ومسلکِ قدیم ہی سے انھیں یہ غذا ملی ہے اور ملتی رہے گی۔

کیا مذہبِ اہلِ سُنَّت وجماعت ومسلکِ اعلیٰ حضرت کی اِن عظیم خدمات کا بھی کوئی جواب اور کوئی نظیر ومثال ہے؟

کیا جذباتی تقریریں کرنا اور نعرے لگوانا ہی ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کی سب سے بڑی خدمت ہے؟ مختلف شعبہاے فکر وعمل سے بے نیاز رہ کر اجتماعی مسائل کو نظر انداز کرتے رہنا کون سا مسلک اور کہاں کی دانش مندی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ تقسیمِ ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد سے اب تک جتنے وسیع وہمہ گیر انداز سے اشرفیہ مبارک پور وفرزندانِ اشرفیہ نے ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' پر عمل سے لے کر اس کے فروغ واشاعت کی مستحکم علمی وفکری خدمت تک جو عظیم فریضہ انجام دیا ہے، اُس کا جواب ہندوپاک کا کوئی اِدارہ پیش نہیں کر سکتا، نہ کوئی درس گاہ اِس سلسلے میں اپنی ستَّر (۷۰) اَسّی

(۸۰) سالہ مسلسل خدمات کا اتنا گراں قدر سرمایہ پیش کرسکتی ہے۔

آئندہ بھی اِنْ شَاءَ اللّٰہ، اِس اشرفیہ وفرزندانِ اشرفیہ کی خدمات کا سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔اور رہے گا یوں ہی اِس کا چرچا رہے گا۔

بے شک ہندوستان میں بہت سے مدارسِ اہلِ سُنَّت وہ ہیں جن میں بعض قدیم بھی ہیں اور عظیم بھی ہیں۔ان کی دینی وعلمی خدمات بھی ہیں۔ان کے فارغ التحصیل عُلما، اسلام وسنّیت کی خدمات بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ان کا دائرۂ عمل اور حلقۂ اثر وسیع بھی ہے۔

یہ مدارسِ اہلِ سُنَّت، ترقی پذیر بھی ہیں۔جن میں سے بعض سے بہت اچھی توقعات بھی وابستہ ہیں۔اہلِ سُنَّت و جماعت کا انھیں بھر پور تعاون بھی حاصل ہے اور جماعتِ اہلِ سُنَّت میں مشہور و نیک نام بھی ہیں۔

اِن سارے مدارس کے ساتھ حُسنِ ظن رکھنا، ان کا ذکرِ خیر کرنا، انھیں حسبِ توفیق واستطاعت، مالی تعاون پیش کرتے رہنا، سارے اہلِ سُنَّت کا اجتماعی فریضہ ہے۔جس سے کبھی کسی حال میں غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

لیکن اِس حقیقت سے ہر باخبر وذی ہوش اور انصاف پسند سنّی عالم اور عوامِ اہلِ سُنَّت بھی بخوبی واقف ہیں کہ:

جامعہ اشرفیہ مبارک پور ان مدارس کے ہجوم میں اپنی ایک منفرد، شناخت اور ممتاز، حیثیت رکھتا ہے۔اور اسے دیکھنے، سننے، جاننے والوں کا بے ساختہ تأثر کچھ اِس قسم کا ہوتا ہے کہ:

کیا حُسن ہے، جمال ہے، کیا رنگ روپ ہے
وہ بھیڑ میں بھی جائے تو تنہا دکھائی دے

بِحَمدِہٖ تَعَالیٰ اشرفیہ کا ماضی، قابلِ رشک۔حال، حوصلہ افزا اور مستقبل، روشن وتابناک ہے۔اسے معلوم ہے کہ حال سے مستقبل کی طرف کس طرح شاندار پیش رفت کی جاتی ہے۔

اَصحابِ علم وفضل اور اَربابِ فکر ونظر کو اِس اعتراف میں کوئی تأمّل نہیں کہ:

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت و جماعت کا عصرِ حاضر میں سب سے باوقار دینی وعلمی وفکری ادارہ ہے اور اس کا معیارِ تعلیم، مجموعی طور پر سب سے ممتاز ونمایاں اور قابلِ صد تحسین وآفرین ہے۔

کئی سال پیشتر، حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی (متوفی ۱۴؍ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ؍ ۲۰؍اکتوبر ۲۰۱۳ء) عَلَیۡہِ الرَّحۡمَۃُ وَالرِّضۡوَان نے جناب سراج الدین شریفی (شہسرام، بہار) کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ:

''عمارت اور معیارِ تعلیم، دونوں اعتبار سے ''جامعہ اشرفیہ، مبارک پور'' اوّل نمبر پر ہے۔

جب کہ معیارِ تعلیم کے اعتبار سے ''جامعہ علیمیہ، جَمدا شاہی'' دوسرے نمبر پر ہے۔

اور عمارتی جدیدیت کے اعتبار سے ''مَرکزُ الدِّراساتِ الْاِسلامیۃ، جامِعَۃُ الرَّضا، بریلی شریف، اوّل نمبر پر ہے۔''

(ص ۲۶۔تحقیقاتِ امامِ علم وفن۔مرتَّبہ مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی۔ناشر:۔امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر۔بریلی شریف۔طبع اول جنوری ۲۰۱۲ء)

یہ اشرفیہ مبارک پور اِنْ شاءَ اللّٰہ بڑھتا اور پھلتا پھولتا ہی رہے گا۔حاسدین کا حَسَد اور مخالفین کی مخالفت اِنْ شاءَ اللّٰہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

اس کے ساتھ اللہ کا فضل ہمیشہ شاملِ حال رہا ہے۔فیضانِ نبوی سے اس کا وجود ہمیشہ سیراب وسرسبز وشاداب رہا ہے۔بزرگوں نے اسے ہمیشہ اپنی خصوصی توجُّہات سے نوازا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر فتنہ اور ہر حادثہ کے بعد اسے مزید تقویت وتوانائی اور شہرت ونیک نامی حاصل ہوتی رہی ہے۔

حضرت مولانا محمود احمد قادری، اشرفی، رفاقتی، مظفر پوری نے ربیع الاول شریف (۱۴۳۵ھ؍۲۰۱۴ء) کی ایک ٹیلیفونی گفتگو میں راقمِ سطور سے یہ روایت بیان کی کہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں رَحۡمَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ نے ایک بار اشرفیہ کے بارے میں مبارک پوری زبان میں ارشاد فرمایا تھا کہ:

''اے کے خلاف فتنہ بہُت اُٹھیہَہ اور ہر فتنہ کے بعد ای اُبھرِ یہَہ۔''

یعنی اشرفیہ کے خلاف فتنے، بہت اٹھیں گے مگر ہر فتنہ کے بعد یہ مضبوطی کے ساتھ ابھر کر سامنے آئے گا۔''

جنھیں کچھ معلوم نہیں وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں اور اچھی طرح سمجھ لیں۔اور جنھیں کچھ معلوم ہے وہ مَزید جان لیں کہ مستقبل بینی اور دور اندیشی کیا چیز ہوتی ہے؟

پڑھیں اور سُنیں کہ فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کیا تحریر کرتے ہیں اور کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

ملک العُلما، مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی (وصال ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کے نام ایک مکتوب میں امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ رقم طراز ہیں: (واضح رہے کہ اِس مکتوب میں ''حاجی صاحب'' سے مُراد ہیں: حاجی لعلِ محمد مدراسی۔ وصال ۱۵/ذوالقعدہ ۱۳۳۹ھ/۲۱/جولائی ۱۹۲۱ء۔ کلکتہ۔ جو بہت بڑے تاجر اور مُخیّر و مُحسنِ اہلِ سُنّت، نیز خلیفۂ امام احمد رضا تھے۔)

''کلکتہ میں ایک سُنّی عالم کی بہت ضرورت ہے۔ حاجی صاحب کو اللہ تعالیٰ برکات دے۔ تنہا اپنی ذات سے وہ کیا کیا کریں؟

سُنّیوں کی عام حالت یہی ہو رہی ہے کہ: ''جن کے پاس مال ہے، اُنھیں دین کا کم خیال ہے۔ اور جنھیں دین سے غرض ہے، اِفلاس کا مرض ہے۔''

ورنہ کلکتہ میں حمایتِ دین کے لئے دو ہزار ماہوار بھی کوئی چیز نہ تھی۔

مدرسہ شمس الھدیٰ، پٹنہ جس کی نسبت مَیں نے سنا ہے کہ سولہ ہزار روپے سالانہ کی جائداد اس کے لئے وقف ہے۔ اس کا بھی ہاتھ میں رکھنا ضرور ہے۔''

(مکتوب محرَّرہ ۲۶/ماہِ مبارک، یوم جمعہ ۱۳۳۴ھ۔ ص ۲۷۰۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلدِ اول۔ مطبوعہ کراچی)

غالبًا یہی وہ ترغیبی خط ہے جس سے متأثر ہو کر ملکُ العُلما، مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی (وصال ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء)، اس مدرسہ شمسُ الھدیٰ، پٹنہ کے مدرس اور پھر اس کے پرنسپل بھی ہوئے۔

حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری ثُمَّ علی گڑھی (وصال ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) صدر شعبۂ اسلامیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بارے میں خانوادۂ رضویہ، بریلی شریف کے ایک عالمِ جلیل، حضرت مفتی اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی (ولادت ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء۔ وصال ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء) شیخ الحدیث جامعہ نعمانیہ، لاہور تحریر فرماتے ہیں:

''آپ، اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے حسبِ ارشاد، مسلم یونیورسٹی سے منسلک ہوئے۔

آپ رُشد و ہدایت کے پیکر، صداقت و دیانت کے مجسّمہ تھے۔ سیاسی بصیرت میں لاثانی تھے۔''

(ص ۳۱۔ مقالاتِ یومِ رضا۔ حصہ سوم۔ مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۷۱ء)

مولانا سید سلیمان اشرف علی گڑھی اور صدرُ الشریعہ، مولانا امجد علی اعظمی رضوی، خُلفاے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی اُس نصاب کمیٹی، کی مِٹنگوں میں مدعو رُکن کی حیثیت سے شریک تھے جسے شعبۂ اسلامیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے دینی نصاب کی تدوین و ترتیب کے لئے ذِمّہ دارانِ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے تشکیل کر کے اس کی مِٹنگوں کا اہتمام کیا تھا۔

چنانچہ دارُالمصنفین، اعظم گڑھ کے سید سلیمان ندوی (متوفی ۱۹۵۳ء۔ کراچی) اپنے ادارہ کے ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ کے اداریہ میں لکھتے ہیں کہ:

''مسلم یونیورسٹی کے بعض اَرکان کی کوشش ہے کہ:

''یونیورسٹی میں علومِ شرقیہ کا بھی شعبہ قائم ہو۔ کیوں کہ مسلم یونیورسٹی کے لئے جب روپیہ فراہم کیا جا رہا تھا تو مسلمانوں کو اس کی توقع دلائی گئی تھی۔ اس لئے اب اس وعدہ کے وفا کرنے کے دن آ گئے ہیں۔

چنانچہ اس غرض سے منتظمینِ یونیورسٹی کی دعوت پر چند ایسے عُلما، جو جدید ضروریات سے آگاہ اور درس گاہوں کا تجربہ رکھتے تھے، علی گڑھ میں جمع ہوئے۔

اور متواتر سات (۷) اجلاس ۱۱/فروری سے ۱۷/فروری تک منعقد ہوتے رہے۔

مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو سمجھا اور اس کے لئے یہ نقشۂ عمل اور ایک نصاب، میٹرک سے ایم اے تک تیار کر کے یونیورسٹی کے سامنے پیش کر دیا۔

اس مجلس کے اَرکان حسبِ ذیل افراد تھے:

نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیبُ الرحمٰن خاں شیروانی، مولانا سید سلیمان اشرف، صدر علومِ شرقیہ، مسلم یونیورسٹی، مولانا مناظر اَحسن گیلانی استاذِ دینیات، جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دَکن، مولانا امجد علی صدر مدرس، مدرسہ معینیہ اجمیر، اور خاکسار۔

مولانا عبدالعزیز صاحب میمن راج کوٹی، استاذِ ادبیات عربی، مسلم یونیورسٹی نے خاص موقعوں پر شرکت کی۔

علومِ شرقیہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ عقلیات، دینیات، اور ادبیات۔ اور ہر ایک کا علیحدہ نصاب ترتیب دیا گیا۔ جو ایف اے کے پہلے سال سے، ایم اے تک ختم ہوگا۔

ہمارا کام ختم ہو گیا۔ اب نہیں کہا جا سکتا کہ منتظمین و اَرکانِ یونیورسٹی اس کو رَد کریں گے

یا قبول کریں گے؟

ہندو یونیورسٹی نے اپنے یہاں سنسکرت لازمی کردی ہے۔ اور ہم کو ابھی رَدّ وقبول ہی میں پس وپیش ہے۔'' (اداریہ، ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ۔ شمارہ فروری ۱۹۲۶ء)

حضرت مولانا سید سلیمان اشرف نے اپنی پوری زندگی دینی وعلمی وقار وشوکت وعظمت کے ساتھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں لگ بھگ چالیس (۴۰) سال تک گذاری۔ آپ نواب صدر یا جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی علی گڑھی (متوفی ۱۹۵۱ء) کی خواہش اور امام احمد رضا کی اجازت وایما کے مطابق علی گڑھ سے ۱۹۰۲ء میں وابستہ ہوئے تھے۔

ملک العلما، مولانا ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی، ایک روایت مولانا محمد حسین بریلوی ثم میرٹھی، موجد و مالکِ طلسمی پریس، میرٹھ کی بیان کرتے ہیں کہ سر ضیاء الدین، وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ریاضی کے ایک پیچیدہ مسئلہ کے حل کے لئے دورۂ جرمنی کی تیاری کر رہے تھے کہ:

''حُسنِ اتفاق سے جناب مولانا سلیمان اشرف صاحب بہاری، پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ذکر کیا۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ آپ، بریلی جاکر اعلیٰ حضرت، مولانا احمد رضا خاں صاحب سے دریافت کیجیے۔ وہ ضرور حل کردیں گے۔

...........دو چار دن کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے ان کو پریشان دیکھ کر پھر یہی مشورہ دیا۔ الیٰ آخرہٖ۔

(ص ۲۶۵۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی۔ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء)

امام احمد رضا کے تعلق سے بعض لوگوں نے سر ضیاء الدین کو بدگمان کرنا چاہا کہ وہ بڑے سخت مزاج ہیں، تم جیسے داڑھی مُنڈے سے بات بھی نہیں کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سر ضیاء الدین اپنے عزم میں کامل تھے۔

''انھوں نے ارادہ نہ بدلا اور جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری سے (کہ بڑے زبردست سنّی اور اعلیٰ حضرت کے ہم خیال وعقیدہ عالم، اس زمانہ میں وہاں پروفیسر دینیات تھے) مشورہ کیا۔ انھوں نے بہت زبردست طریقہ سے نہ صرف مشورہ دیا بلکہ بہت زور دیا۔

............یہ مشورہ دے کر احتیاطاً، حضرت صاحب زادۂ اکبر، مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب حجۃ الاسلام کے نام لکھ دیا کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب ایک مسئلۂ ریاضی کے سلسلے میں

اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں، ان کی حسبِ شان خاطرداری ہونی چاہیے۔ الخ۔ (ص ۲۶۷۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مطبوعہ بمبئی)

''سید ایوب علی رضوی صاحب ہی کا بیان ہے کہ:

ڈاکٹر (ضیاء الدین) صاحب، مولانا سلیمان اشرف صاحب کو لے کر مارہرہ شریف پہنچے اور وہاں سے وَالا دَرجت، جناب سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب، سجادہ نشین مارہرہ شریف، پیرزادۂ اعلیٰ حضرت کو لے کر بریلی شریف پہنچے۔'' الخ

(ص ۲۷۱۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول، مطبوعہ بمبئی ۲۰۰۳ء)

بُرہانِ مِلّت، مفتی محمد عبدالباقی بُرہان الحق رضوی جبل پوری (وصال ۱۹۸۴ء) تحریر فرماتے ہیں:

..........رجب شریف ۱۳۳۹ھ/مارچ ۱۹۲۱ء میں اجمیر شریف حاضری کے بعد بریلی حاضر ہوا۔ آستانۂ رضویہ (بریلی شریف) پر چند مقتدر عُلماے کرام کی مجلسِ شوریٰ ہو رہی تھی۔ مولانا سید سلیمان اشرف (صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) صدرِ مجلس تھے۔ سب سے سلام ومصافحہ کے بعد مَیں بھی بیٹھ گیا۔

معلوم ہوا کہ جمعیۃ العُلما ہند کے اہتمام سے ابوالکلام آزاد کی زیرصدارت ایک کھُلا اجلاس بریلی میں ہو رہا ہے۔ جس میں وہ اِتمامِ حجت کریں گے۔ اِس امر کا اظہار انھوں نے مختلف اشتہارات شائع کرکے، کیا ہے۔

.......صدرُ الشریعہ، مولانا امجد علی رضوی صاحب کے مرتّب کردہ، ستّر (۷۰) سوالات کا مجموعہ بعنوان ''اِتمامِ حجتِ تامّہ (۱۳۳۹ھ) شائع ہو کر اراکینِ خلافت کمیٹی تک پہنچ گیا تھا۔

ابوالکلام آزاد نے ان کوششوں کے برعکس، اعلیٰ حضرت کو جلسہ میں شرکت کی اور رَفعِ نزاع کی دعوت بھیج دی۔ آستانے پر حاضر عُلما، ''جماعتِ رضائے مصطفیٰ'' کی طرف سے اس سے پہلے جمعیۃ عُلماءِ ہند کے اجلاس میں شرکت کرنے اور رَفعِ نزاع کے لئے ایک زور کا اعلان بذریعۂ اشتہار کرچکے تھے۔ جو کھُلے اجلاس میں ابوالکلام آزاد اور خلافتی لیڈروں سے، جاکر گفتگو کرے گا۔

.........ابوالکلام آزاد نے (اجلاس بریلی میں) سید سلیمان اشرف کو تقریر کی دعوت دی۔

سید سلیمان اشرف تقریر کے لئے کھڑے ہوگئے۔ تقریر کے دوران انھوں نے اپنا

(جماعتِ رضائے مصطفیٰ کا) موقف، نہایت وضاحت سے بیان کیا۔ اپنے موقف کی حمایت میں قوی دلائل پیش کیے۔ ''اِتمامِ حُجّتِ تامّہ'' کا جواب، طلب کیا۔

آزاد کے کچھ اخباری بیانات، کچھ تقریروں اور بعض حرکات پر شدید اعتراضات کیے۔

اپنی کتاب ''اَلرَّشاد'' اور ایک کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے آزاد سے جواب طلب کیا۔ اور اپنی پوزیشن صاف کرنے کا مطالبہ کیا۔

آزاد کے پاس اِن باتوں کا کوئی جواب نہ تھا'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(اکرام امام احمد رضا۔ مؤلّفہ برہانِ مِلّت، مفتی برہان الحق رضوی جبل پوری۔ مطبوعہ پاک و ہند)

تحریکِ خلافت اور جمعیۃ العلماء ہند کے دَورِ اِفراط وتفریط میں ۲۲ تا ۲۴ رشعبان ۱۳۳۹ھ/ ریکم تا ۳ رمئی ۱۹۲۱ء کو امام احمد رضا کی سرپرستی میں اہلِ سُنَّت کی تنظیم ''انصارُ الْاِسلام'' کی طرف سے بریلی میں عظیم الشان جلسے منعقد ہوئے جن میں مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت اور تُرکوں کی حمایت میں پُر جوش تقاریر ہوئیں۔ ان جلسوں کو حضرت مولانا سید اولادِ رسول محمد میاں مارہروی کے علاوہ مندرجہ ذیل خُلفائے امام احمد رضا نے خطاب فرمایا:

حضرت مولانا محمد ظفرالدین رضوی عظیم آبادی وحضرت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی وحضرت پروفیسر سید سلیمان اشرف علی گڑھی وحضرت مولانا سید دیدار علی شاہ اَلْوَرِی ثُمَّ لاہوری۔

(ماہنامہ اَلسَّوَادُ الاعظم۔ مرادآباد۔ شمارہ شعبان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء۔ وقت روزہ، دبدبۂ سکندری۔ رام پور۔ بابت ۲۸ رمئی ۱۹۲۱ء۔ وروزنامہ ''پیسہ۔ اخبار، لاہور، ۱۳ رمئی ۱۹۲۱ء)

وقت اور حالات کے تیور پر نظر رکھنے اور مُفید ترین شعبۂ عمل کے انتخاب وسببِ انتخاب سے متعلق یہ روایت بھی پڑھیں اور غور سے پڑھیں۔

ابوالبرکات، مولانا سید احمد قادری، شیخ الحدیث مرکزی دارُ العلوم حزبُ الاحناف، لاہور۔ فرزندِ حضرت مولانا سید دیدار علی محدّث اَلْوَرِی، لاہوری کی ایک روایت، مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری لاہوری (وصال ۱۸ رشعبان ۱۴۲۸ھ/ ریکم ستمبر ۲۰۰۷ء) تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جب اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی عمر شریف، پچاس (۵۰) برس ہوگئی تو آپ نے اپنی تمام تر توجہ، تصنیف و تالیف کی طرف پھیردی۔ اور فرمایا:

''ایک دَور یعنی نصف صدی گذر گئی۔ زمانے کے حالات بدل گئے۔ اب ہمیں بھی اپنی عادت میں تبدیلی کرنی چاہیے۔''

''چوں کہ لوگ تحریر سے زیادہ استفادہ کرتے ہیں، اس لئے اعلیٰ حضرت، تقریر کی بہ نسبت، تحریر کی طرف زیادہ توجہ فرمایا کرتے تھے۔''

(ص ۴۴۔ ''یادِ اعلیٰ حضرت''۔ مؤلّفہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری۔ مکتبہ قادریہ۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

بدلتے اوقات واَحوال کے تحت اپنے اُمور ومعاملات کا جائزہ لے کر ان کی اِفادیت میں اضافہ کرتے رہنا ہی بیدار مغزی ومستقبل بینی کی علامت ہے اور اِس فکرِ مستقبل کے جلوے، آپ کو الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور فرزندانِ اشرفیہ کی فہرستِ خدمات میں جگہ جگہ ضیابار ملیں گے۔

تقریباً ۷۸۔۱۹۷۷ء میں بعض فرزندانِ اشرفیہ (مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری مصباحی اور راقمِ سطور یٰسٓ اختر مصباحی) نے اِصلاحِ نصاب کی طرف توجہ دی اور اِس سلسلے میں عُلمائے کرام کی متعدد میٹنگیں کیں۔ اور ان کی روشنی میں ایک نصاب، مرتّب کرکے مع دیگر تفصیلات اسی دَور میں شائع کردیا گیا تھا۔

اصلاحِ نصاب کا عمل مختلف مَراحل سے گذر کر بِحَمْدِہٖ تعَالیٰ کامیابی سے ہم کنار ہوا۔ اور آج تنظیم المدارس، مبارک پور (قائم شدہ ۲۰۰۷ء) کے تحت مرتّبہ نصاب، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے علاوہ صوبہ اتر پردیش کے کم از کم پچیس بڑے مدارس میں نافذ ورائج ہے۔ اور اس کا سلسلہ روز افزوں ہے۔

مجلسِ شرعی، مبارک پور کے قیام (۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء) اور اس کے زیرِ اہتمام، فقہی سیمینار کے اِنعقاد کے ذریعہ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے جو تاریخ ساز فقہی خدمت انجام دی اور اس سلسلے میں اشرفیہ کو جو شرف وتقدُّم واَوَّلِیَّت حاصل ہے اس سے عُلمائے اہلِ سُنَّت بخوبی واقف اور اس کے مُعترف ومَدَّاح ہیں۔

فقہی سیمینار کے ذریعہ عصرِ حاضر کے جدید اُمور ومسائل کے شرعی وفقہی حَل کی طرف پیش قدمی کرکے اگر ایک طرف متعدد مشکلات ومسائل کو کتاب وسُنَّت کی روشنی میں فقہِ حنفی کے مطابق ان کی توضیح وتنقیح کی گئی اور جواز وعدمِ جواز کی حیثیت واضح کی گئی ہے تو دوسری طرف نوجوان عُلما ومفتیانِ

کرام کو بحث وتحقیق اور اِستنباط واِستخراجِ احکام ومسائل کے اصول وآداب بھی سکھائے گئے ہیں۔

اِس فقہی تربیت کے ذریعہ فقہ واِفتا سے دل چسپی رکھنے والے نوجوان عُلَما کی اچھی خاصی، تجربہ کار اور مُستعِد وفعّال جماعت تیار ہوچکی ہے۔ اور سال بہ سال اس فقہی سمینار کی عظمت واہمیت اور اِفادیت میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔

قدیم فقہی مَصادِر ومَراجع کے ساتھ فتاویٰ رضویہ وبہارِ شریعت وفتاویٰ امجدیہ وفتاویٰ مصطفویہ جیسے جدید مَآخذ سے اِستفادہ اور ان کے اَقوال وجُزئیاتِ مُفتیٰ بِھَا کے مطابق ہی فقہی سمینار کے فیصلے ہوا کرتے ہیں جن پر مندوبینِ فقہی سمینار کے دستخط ثبت ہوتے ہیں۔

اِس فقہی سمینار کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ:

حاضرینِ سمینار کو علمی وفقہی بحث ومباحثہ اور سوال وجواب کی مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر کسی عالم ومفتی کو کسی فیصلے سے اتفاق نہیں ہے تو اس کو عدمِ اِتفاق کا پورا اِختیار دیا جاتا ہے اور فیصلے پر تصدیقی دستخط کے لئے کوئی ادنیٰ جبر واِکراہ بھی رَوا نہیں رکھا جاتا۔

بِفَضْلِہٖ تَعَالیٰ فقہی سمینار مجلسِ شرعی مبارک پور کے حل کردہ اور فیصل شدہ، جدید مسائل کی تعداد، پچاس سے مُتجاوِز ہوچکی ہے۔

مجلسِ شرعی مبارک پور کے صدر، حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی اور اس کے ناظم، حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی ہیں۔

''فیصل بورڈ'' کا اب وجود ہی نہیں رہا اِس لئے اس کی کسی نشست کے انعقاد یا اس میں کسی رُکن کے داخل خارج کرنے یا ہونے کا سوال ہی عَبَث ہے۔

مرکزِ اہلِ سُنّت، بریلی شریف میں بھی ''شرعی کونسل'' کا قیام عمل میں آچکا ہے جس کے زیرِ اہتمام، سال بہ سال فقہی سمینار کا اِنعقاد جامعۃ الرضا، متھرا روڈ، بریلی شریف میں ہوتا رہتا ہے اور جدید مسائل ومعاملات پر غور وخوض کرکے ان کے سلسلے میں کوئی شرعی وفقہی فیصلہ کیا جاتا ہے۔

یہ فقہی سمینار، جانشینِ مفتیِ اعظمِ ہند، حضرت مولانا مفتی محمد اختر رضا قادری برکاتی رضوی اَزہری بریلوی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ کی سرپرستی میں ہوتا ہے۔ جس میں شہزادۂ صدرُ الشریعہ، محدّثِ کبیر، علاّمہ ضیاء المصطفیٰ قادری اور ملک کے دیگر عُلَما ومفتیانِ کرام شرکت فرماتے رہتے

ہیں۔ شرعی کونسل بریلی شریف کی جانب سے منعقد ہونے والے فقہی سمینار، حوصلہ افزا اور خوش آئند ہیں۔ خدا کرے اس کا سلسلہ، مدتِ دراز تک باقی اور جاری رہے۔ آمین! **بِجاہِ حَبِیبِکَ وَرَسُولِکَ الکریم علَیهِ الصَّلٰوۃُ والتَّسلیم۔**

سات آٹھ سال پہلے کی بات ہے کہ حضرت مولانا خواجہ مظفرحسین رضوی پورنوی وحضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی وحضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی وحضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی پورنوی اور راقمِ سطور یٰسٓ اختر مصباحی کے نام، فہرستِ مندوبین سے بیک جنبشِ قلم، اجتماعی طور پر خارج کردیے گئے۔

مجھے اپنے بارے میں اِس اعتراف واظہار واعلان میں کوئی تکلّف نہیں کہ فقہ واِفتا میں دَرک وکمال تو دور کی بات ہے، اوسط بلکہ ادنیٰ درجہ کا بھی علم اور صلاحیت میرے پاس نہیں ہے اس لئے جو ہُوا، بہتر ہوا۔ البتّہ دیگر حضرات کا کیا جُرم وقصور تھا؟ کیا وہ مندوبینِ سمینار کی فہرست کے آخر میں بھی جگہ پانے کے اہل نہیں؟

ع یہ معمّا ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

اِخراج کی کارروائی جس سال ہوئی اُس سے پہلے والے سمینار میں ہونے والی ایک جارِحانہ واہانت آمیز تقریر سے شرعی کونسل بریلی شریف کے اس فقہی سمینار میں شریک سبھی علما ومفتیانِ کرام اچھی طرح واقف ہیں۔ (راقمِ سطور، یٰسٓ اختر مصباحی بھی مدعو وشریکِ سمینار تھا) اور اس سے بھی واقف ہیں کہ جانشینِ مفتیِ اعظمِ ہند، حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ اور آپ کے صاحبزادے، مولانا عسجد رضا بریلوی نے بھی اس حادثے پر اظہارِ ناراضی کیا۔

اس کے بعد والے سمینار کے موضوعات اور مندُوبین کی فہرست جب حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ کی مرضی واجازت کے مطابق تیار ہوئی اور دعوت نامہ جاری کرنے کا وقت آیا تو ''ویٹو پاور'' کا استعمال کرتے ہوئے مندرجہ بالا مندوبین کے نام، فہرست سے خارج کردیے گئے۔

اس کے چند سال بعد کے ایک حادثہ کا ذکر کرتے ہوئے مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی (مدرسِ جامعہ امجدیہ، قصبہ گھوسی ضلع مئو۔ یوپی) مسئلہ کفاءت پر اپنا موقف واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

.........مجھے حد درجہ تعجب اُس وقت ہوا جب ۲؍جون ۲۰۱۲ء کو شرعی کونسل، بریلی شریف کی آخری فقہی نشست میں مجھ پر یہ الزام قائم کیا گیا کہ:

مجلسِ شرعی مبارک پور میں جو ظاہرُ الرِّوایۃ پر فیصلہ ہوا ہے، شرعی کونسل میں دستخط کے

بعد میں نے مذکورہ فیصلے پر بھی دستخط کردیے ہیں۔'' جو اِلزامِ محض ہے۔

اوّلاً تو شرعی کونسل، بریلی میں یہ مسئلہ بعد میں آیا۔ اس سے قبل میرا فتویٰ اور فتویٰ پر اخبار ورسائل میں زبردست ہنگامہ ہوچکا تھا۔ میں نے فقہائے کرام کے قول مفتیٰ بہ پر فتویٰ دیا تھا۔ امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ ودیگر اکابرین کے فتویٰ کو اپنا فتویٰ بنایا تھا۔ اور باوجودے کہ ہمارے موجودہ اکابرین میں سے بعض کو چھوڑ کر کسی کے بھی کھل کر اخبار ورسائل میں میری حمایت میں بیانات شائع نہیں ہوئے۔ جب کہ ایک طرف مَیں تھا اور دوسری جانب غیروں کی پوری ٹیم میرے خلاف محاذ آرا تھی۔

مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے فقہی سمینار میں یہ مسئلہ سالِ رواں آیا۔ اگرچہ سوال نامہ مَیں نے ہی مرتّب کیا تھا۔ جس میں مجلسِ شرعی کے ایک رُکن و مرتّب ہونے کی حیثیت سے مَیں نے روایتِ نادرہ و ظاہرُ الرِّوایہ کے دونوں پہلو کو رکھ کر سوال قائم کیا تھا تاکہ دیانت دارانہ طور پر کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے۔

اس پر مجلسِ شرعی مبارک پور کا فیصلہ ظاہرُ الرِّوایۃ پر ہوا، یہ صحیح ہے۔ مگر میں نے اس فیصلے پر ہرگز دستخط نہیں کیے تھے۔ جب کہ میرے علاوہ دیگروہ مندوبین (جو دونوں مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں) جن کے دونوں فیصلوں پر دستخط ہیں۔ مگر یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اِلزام میرے ہی سر آیا۔

ایک بات اور واضح کردوں کہ:

مجلسِ شرعی، مبارک پور نے کبھی کسی مندوب پر فیصلے پر دستخط کے لئے دباؤ نہیں ڈالا۔''

(ص ۴۵۔ ماہنامہ جامِ نور، دہلی۔ شمارہ شعبان و رمضان ۱۴۳۳ھ/جولائی ۲۰۱۲ء)

جارِحانہ واہانت آمیز تقریر اور ''ویٹو پاور'' کے استعمال سے ''اِلزامِ محض'' کے ارتکاب تک کے سارے معاملات کس ذاتِ شریف کے کارنامے ہیں؟ اس کے بارے میں بیشتر علما اچھی طرح واقف ہیں کہ یہ وہی حضرت ہیں جو بریلی شریف کے ''کاندھے'' پر سوار ہوکر اور اس کو ڈھال بناکر برسوں سے منصوبہ بند ''اشرفیہ مخالف مُہم'' کی خفیہ وعلانیہ قیادت فرمارہے ہیں۔

''مجلسِ برکات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور'' کے نام سے چند سال پیشتر ایک اشاعتی شعبہ قائم ہوا جس کے سرپرست امینِ مِلّت، حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری

برکاتی، سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہّرہ ہیں۔

اِس مجلسِ برکات کے زیرِ اہتمام، درسِ نظامی کی بیشتر کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ جو سُنّی علما ومصنّفین ومؤلفین کے شروح حواشی سے مزیّن ہیں۔

مدارس میں مجلسِ برکات کے مطبوعہ نسخے ہی اب عام طور پر پسند کیے جارہے ہیں اور انھیں کے ذریعہ طلبہ کو تعلیم دی جارہی ہے۔

''خیرآبادیات''، علمی وتحقیقی دنیا میں ایک نئی اصطلاح اور نیا عُنوان ہے۔

۲۰۱۱ء میں سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کے عظیم وجلیل عالم ومفکّر وفلسفی اور جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے ممتاز اور صفِ اول کے قائد، علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی (وصال ۱۲؍صفر ۱۲۷۸ھ/۲۰؍اگست ۱۸۶۱ء۔ درجزیرۂ انڈمان) کے وصال کے ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال پورے ہونے پر دہلی و لکھنؤ و پٹنہ و کلکتہ و بھیونڈی وغیرہ میں جو کانفرنسیں ہوئیں وہ ابھی کل کی بات ہے۔

''فضلِ حق شناسی کی تحریک'' کہاں سے اور کیسے شروع ہوئی؟ اسے سب جانتے ہیں کہ یہ بھی فرزندانِ اشرفیہ ہی کی سَعیِ بلیغ کا نتیجہ ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کی وہ عظیمُ المرتبت اور جلیلُ القدر شخصیت، جس کا ''رَدِّ وہابیہ'' میں اوّلین اور نمایاں ترین کردار ہے اُس کے ذِکر وبیان سے اُن کی زبانیں خاموش اور اُن کے قلم خشک کیوں ہوگئے جو دن رات ''رَدِّ وہابیہ'' کا جھنڈا اُٹھائے پھرتے ہیں؟

''تحریکِ فضلِ حق شناسی'' ہندستان بھر میں پورے زور وشور کے ساتھ چلی اور سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کے درمیان اسے بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔ یہ اہلِ سُنَّت کی جدید تاریخ کا بے مثال کارنامہ ہے۔

جھنڈا بردار افراد میں سے کسی کے بارے میں مجھے کوئی علم واطلاع نہیں کہ ان میں سے کسی نے ''تحریکِ فضلِ حق شناسی'' میں کوئی حصہ لیا، کسی قسم کا تعاون کیا، کوئی کلمۂ خیر کہا، کسی طرح کی حوصلہ افزائی کی۔

اگر ایسا کرنے میں کوئی اَمر، مانع تھا تو وہ خود اپنی سرپرستی ونگرانی میں یہ تحریک چلاسکتے تھے، کانفرنس کرسکتے تھے، عام جلسوں میں منظّم انداز سے علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی کی حیات

وخدمات پر تقریریں کر سکتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مگر ایسا کچھ نہ کر کے محض اِس تحریک کو نشانہ بناتے رہنا جھنڈا بردار افراد کی بے شعوری یا بے حسی یا غیر ذِمّہ داری اور ان کی منفی ذہنیت کا وہ ''شاہکار'' ہے جس کی مثال، کم از کم نصف صدی کے اندر مشکل ہی سے مل پائے گی۔

بِحَمْدِہٖ تَعَالیٰ ''تحریکِ فصلِ حق شناسی'' کے بَطن سے ''تحریکِ اسلاف شناسی'' کا وجود ہُوا جسے مارہرہ مطہرہ کی سرپرستی حاصل ہے۔ اِس تحریک کے پہلے مرحلے میں یہ دو بڑے پروگرام ہوئے:

(۱) امامِ اعظم ابوحنیفہ سمینار و کانفرنس، گوونڈی۔ بمبئی۔ مؤرخہ ۲۱،۲۲،۲۳ دسمبر ۲۰۱۲ء۔

اس سمینار و کانفرنس کی رپورٹ اور اس کے مضامین ومقالات کا ضخیم مجموعہ بنام

''انوارِ امامِ اعظم'' شائع ہو چکا ہے۔ اس سمینار و کانفرنس کا انتظام وانصرام، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ، پپرا کنک، ضلع کوشی نگر۔ مشرقی اتر پردیش کی طرف سے ہوا۔

(۲) امامِ اعظم ابوحنیفہ سمینار و کانفرنس، قیصر باغ لکھنؤ۔ مؤرخہ ۲۴، مارچ ۲۰۱۳ء۔

اِس کانفرنس وسمینار کا اہتمام وانتظام، دارُالعلوم حنفیہ رضویہ، رِنگ روڈ لکھنؤ نے کیا۔ جس کے کنوینر مولانا محمد اقبال قادری اور قاری محمد احمد بقائی تھے۔ اس سمینار و کانفرنس کے مضامین ومقالات اور دیگر تفصیلات زیرِ ترتیب ہیں۔

بِحَمْدِہٖ تَعَالیٰ: بمبئی ولکھنؤ کے یہ پروگرام بے حد کامیاب اور تاریخ ساز ثابت ہوئے۔ دونوں مقامات کے خواص وعوام اور عُلما وطلبہ کا مجموعی تأثر یہ ہے کہ ایسا معیاری اور باوقار علمی وتحقیقی پروگرام یہاں اہلِ سُنَّت کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا تھا۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ سمینار و کانفرنس بمبئی ولکھنؤ کے بارے میں عُلما ومشائخ اور مدارسِ اہلِ سُنَّت کے اساتذہ وطلبہ، سب جانتے ہیں کہ اس کی تجویز وتحریک میں کس کا دل دماغ کارفرما ہے؟ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ شریکِ سمینار عُلما ومقالہ نگار اہلِ قلم کی غالب اکثریت، فرزندانِ اشرفیہ مبارک پور ہی کی ہے۔

حیرت بالائے حیرت ہے کہ امامِ اہلِ سُنَّت، فقیہِ اسلام، حضرت مولانا الشاہ مفتی محمد احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے جس فقہِ حنفی کی زندگی بھر تائید وحمایت فرمائی اور اس

کے امام، امامُ الائمّہ، ابوحنیفہ النُّعمان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا آخری دَم تک گُن گایا، ایسے امامِ اعظم ابوحنیفہ کی حیات وخدمات پر ہونے والے خالص علمی وفقہی سمینار و کانفرنس پر بھی کچھ پیشانیاں شکن آلود ہیں۔

علاّمہ فصلِ حق خیرآبادی اور امامِ اعظم ابوحنیفہ پر دہلی وبمبئی اور لکھنؤ وپٹنہ وغیرہ میں ہونے والے سمینار و کانفرنس اگر جھنڈا بردار افراد کے معیار کے مطابق نہیں تھے۔ یا ان میں کسی طرح شریک ہونا، یا شرکت کیے بغیر ان کی تائید میں کوئی کلمۂ خیر کہنا، ان افراد کی ''شانِ سُنّیت'' کے خلاف تھا اور اب بھی ہے۔ تو وہ الگ سے اپنا سمینار و کانفرنس کر سکتے تھے اور اب بھی کر سکتے ہیں۔

کیا اِس طرح کی خدمات کے لئے یہ افراد، تیار ہیں؟ یا صرف تنقید وتبصرہ ہی اِس سلسلے میں ان کی کُل ''متاعِ عمل'' اور ''ذخیرۂ بے بدل'' ہے؟ یا کہیں ایسا تو نہیں کہ تنقید وتبصرہ ہی ان کی نظر میں ہر عمل کا ''نِعْمَ الْبَدل'' ہے؟

مسلک کی دن رات دُہائی دینے والے بعض جھنڈا بردار اور ان کے حاشیہ بردار، بدگمانی اور طَعن وتشنیع سے اہلِ سُنَّت وجماعت کے مذہبی ماحول کو جس طرح پراگندہ کرنے پر آمادہ ہیں، یہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی ہے۔

علاّمہ فصلِ حق خیرآبادی سے امامِ اعظم ابوحنیفہ تک اور دیگر اکابر واسلافِ اہلِ سُنَّت پر ہونے والے سمینار و کانفرنس تک، جن افراد کے دلوں میں تنگی اور دماغوں میں بدگمانی کے جراثیم کُلبُلا رہے ہیں، اُنھیں اپنے دل ودماغ کی خبر جلد تر لینی چاہیے اور مائل بہ اصلاح ہو کر ان کا صحیح علاج کر لینا چاہیے۔

یہ ایک مخلصانہ مشورہ ہے جس پر عمل کرنا ہی ہوگا۔ ورنہ خدا نہ کرے آئندہ کوئی ناخوش گوار صورت پیدا ہو۔ جس کے بعد انھیں کفِ افسوس ملنے کے سِوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اور وقت ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔

برادرِ مکرّم ، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی (صدرُالمدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) اِس سلسلے میں مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے بیسویں فقہی سمینار، منعقدہ جامعۃُ البرکات، علی گڑھ کی اِختتامی تقریب مؤرخہ ۸ ر رجب ۱۴۳۴ھ/۱۹ ر مئی ۲۰۱۳ء کے اپنے فکر انگیز خطاب میں فرماتے ہیں کہ:

...........علاّ مہ فضلِ حق خیرآبادی کے وصال (۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کے ڈیڑھ سو سال پورے ہونے کی مناسبت سے مولانا یٰسٓ اختر مصباحی کے ذریعہ کافی جگہوں میں کانفرنسیں ہوئیں اور غیروں نے بھی اس کا اثر محسوس کیا کہ یہ جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) کا سہرا ایک سنّی کے سر باندھ رہے ہیں۔

ایک جماعت ایسی بھی تھی جو علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی سے اپنا رشتۂ تلمّذ جوڑتی تھی، وہ حیرت زَدہ اس بات پر ہے کہ یہ ہم پر سبقت کیسے لے گئے؟ دوسری جماعت جو مخالف تھی وہ پہلے ہی اس کو نظرِ بد سے دیکھتی تھی۔

لیکن پہلی جماعت کی حیرت اور دوسری جماعت کی بدنظری ہمارے لئے تعجب کی بات نہیں۔

یہ تو ہونا ہی تھا۔ اس لئے کہ علاّمہ فضل حق خیرآبادی نے سب سے پہلے اسمٰعیل دہلوی کا رَدّ کیا اور **تَحقیقُ الفتویٰ فی اِبطالِ الطَّغْویٰ** لکھا۔ جیسا کہ خود اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ نے ان کے فرزند ،مولانا عبدالحق خیرآبادی سے (رام پور کی ایک ملاقات میں) فرمایا:

ہندوستان میں وہابیت کا رَدّ کرنے والے سب سے پہلے شخص، آپ کے والدِ ماجد تھے۔''

تو جس نے وہابیت کا سب سے پہلے رَد کیا اس کی تعریف وتوصیف سے تمام اہلِ سُنّت کو مسرت اور خوشی ہونی چاہیے۔ لیکن کچھ لوگوں کو خوشی ہورہی ہے اور کچھ لوگوں کو غم ستا رہا ہے۔ جب کہ یہ سب کے لئے ایک خوشی کا موقع تھا۔

اور بھی ہمارے افراد ہیں جو جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) میں بہت نمایاں طور پر شریک رہے اور ان پر باقاعدہ ،مولانا یٰسٓ اختر مصباحی صاحب نے کتاب بھی لکھی ہے۔

ضروری تھا کہ ہم ، ان تمام شخصیات کو عام کرنے کی کوشش کرتے ۔ لیکن ایک شخصیت کو لیا گیا ہے تو وہ بھی عُقلاے جماعت کے اوپر بھاری ہورہی ہے۔

غیروں کی مساعی اور تگ ودَو کتنی زیادہ ہورہی ہے اور کس کثرت سے ہمارے لوگ ، ہمارے ہاتھوں سے نکلتے جارہے ہیں۔ اِس کی کوئی فکر نہیں ہے۔

اور اگر کچھ لوگ اپنے طور پر اپنے لوگوں کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں اور اپنے بزرگوں سے لوگوں کو متعارف کرانا چاہتے ہیں تو یہ بھی گوارا نہیں ہے۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ:

پوری جماعت، معطّل ہوکر بیٹھ رہے تو یہ بہتر ہے۔ اور بھیڑیے جیسے چاہیں بکریوں کو کھا جائیں۔''

ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم صحیح طور سے مسلک کی، مذہب کی ،اشاعت کریں، خدمت کریں۔

اور یہ سمجھ لینا کہ جہاں علاّمہ فضل حق خیرآبادی کا نام آگیا تو اعلیٰ حضرت سے اِنحراف ہوگیا۔ بحرالعلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی لکھنوی کا نام آگیا تو بھی اِنحراف ہوگیا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کا نام آگیا تو بھی اِنحراف ہوگیا۔

یہاں تک کہ امامِ اعظم ابوحنیفہ کا نام آگیا تو بھی اِنحراف ہوگیا۔ اِس طرح کی فکر، کم از کم اہلِ علم میں نہیں ہونی چاہیے۔

اور اِس بیمار فکر کا علاج کرنا، اس کا حل نکالنا، پوری جماعت کی ذِمّہ داری ہے۔ جس طریقہ سے پوری جماعت کی ذِمّہ داری ہے کہ اہلِ سُنّت کو بچائیں اور غیروں کی دست بُرد سے ان کو محفوظ رکھیں۔ یہ بھی ہمارا اَہم دینی فریضہ ہوتا ہے۔'' (ختم شد خطاب مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی)

منفی ذہنیت کے حامل بعض افراد کا تقریباً پچیس (۲۵) سال سے یہ افسوسناک شیوہ وطریقہ بنا ہوا ہے کہ ''مصباحی'' کو بے جا طور پر طنز وتعریض کا نشانہ بناتے چلے آرہے ہیں۔ مجلسی گفتگو ہو کہ تقریر ہو کہ تحریر، ہر سطح پر اس حاسدانہ ومُعانِدانہ رَوِش کا مظاہرہ بعض افراد وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔

جامعہ ازہر مصر کی جانب اپنی نسبت کرتے ہوئے سیکڑوں سال قبل سے ''ازہری'' لکھنے کا رواج ہے۔ ان میں بعض بڑی تاریخی اور اہم شخصیات بھی شامل ہیں، جب کہ جامعہ ازہر ایک مخلوط قومی ادارہ ہے۔ اس کے باوجود آج تک کسی نے اس انتساب پر قدغن نہ لگائی۔

تقسیمِ ہند (۱۹۴۷ء) سے پہلے ہی متعدد عُلما وفُضلاے جامعہ نعیمیہ ،مرادآباد اپنے نام کے ساتھ ''نعیمی'' لکھتے رہے ہیں۔ مثلاً:

حضرت مولانا محمد عمر نعیمی وحضرت مفتی محمد اجمل شاہ نعیمی وحضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی وحضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی وحضرت مولانا محمد یونس نعیمی وحضرت مولانا نذیرُ الاَکرم نعیمی وحضرت مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی وحضرت مولانا محمد اطہر نعیمی وحضرت مولانا محمد حسین نعیمی وحضرت مفتی

اشفاق حسین نعیمی وغیرھُم رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن ۔

آج بھی جامعہ نعیمیہ، مرادآباد کے معمَّر اساتذہ وذِمَّہ داران وو ابستگان اپنے نام کے ساتھ ’’نعیمی‘‘ لکھ رہے ہیں۔مثلاً:

مفتی محمد ایوب نعیمی، مولانا محمد ہاشم نعیمی، مولانا محمد یامین نعیمی، مولانا شاہد رضا نعیمی وغیرھُم۔

مگر ۱۹۴۷ء سے سالہاسال پیشتر سے رائج اِس ’’نعیمی‘‘ نسبت سے ایسے حضرات کو کسی طرح کی کوئی پریشانی نہیں۔اگر پریشانی ہے تو صرف ’’مصباحی‘‘ کہنے اور لکھنے سے۔جس کا رواج، تقریباً ۱۹۶۰ء سے ہوا ہے۔

ایک قابلِ رحم مولوی کا یہ ’’عجوبۂ روزگار خیال‘‘ جان کر آپ اس کے حق میں دعا کرنے لگیں گے کہ اللہ تعالیٰ اسے علم نہیں تو کچھ عقل ہی عطا فرمادے۔

’’حافظِ مِلّت نے تو کبھی اپنے آپ کو ’’مصباحی‘‘ نہیں کہا۔یہ آج کے نئے فارغینِ اشرفیہ اپنے آپ کو ’’مصباحی‘‘ کیوں کہتے اور لکھتے ہیں؟‘‘

کیا اِس مَرفوعُ القلم کے سوال کا جواب کوئی علاَّمۃُ الدَّہر بھی دے سکتا ہے؟ اور کوئی طبیبِ حاذق بھی اس کے جَہلِ مرکَّب کا علاج کرسکتا ہے؟

اس نسبتِ ’’مصباحی‘‘ پر تنقید بلکہ تنقیص وتنفُّر کے پسِ پردہ کون سا مذموم ومَسموم جذبہ کارفرما ہے؟ آخر اس کی وجہ، حسد وعِناد کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے؟

اپنے دارُ العلوم اور اپنے مدارس کی طرف نسبت کرتے ہوئے کوئی فاضل وفارغُ التحصیل عالم، فیضی لکھے۔علیمی لکھے۔شمسی لکھے۔جامعی لکھے۔منظری لکھے۔مظہری لکھے۔مرکزی لکھے۔کوئی بات نہیں۔لیکن ’’مصباحی‘‘ پر نظر پڑتے ہی کچھ پیشانیاں، شکن آلود کیوں ہوجاتی ہیں؟ اور ان کے بخار کا درجۂ حرارت کیوں بڑھ جاتا ہے؟ ایں چہ بوالعجبی ست؟

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں اُفتد راز
ورنہ در محفلِ رِنداں، خبرے نیست کہ نیست

ذہن نشین رہے کہ منفی ذہن وفکر سے انسان کو خسارہ کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

اور مثبت ذہن وفکر، انسان کی کامیابی کے دروازے کھول دیتا ہے۔’’منفی رَدِّ عمل‘‘، جس کی حیثیت عموماً وقتی وعارضی ہوتی ہے، اُس کی نااَہلی وبے عملی کو ’’مثبت فکر وعمل‘‘ کا سیلاب، خس وخاشاک کی

طرح بہا لے جاتا ہے۔

اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ وقت کا کارواں کسی کا انتظار نہیں کرتا۔جسے شریکِ کارواں ہونا ہے، ہوجائے۔اور پھر اپنی صلاحیت وکارکردگی کے ذریعہ میر کارواں بھی بن جائے۔ ورنہ کارواں گذر جانے کے بعد غبارِ کارواں اور رہ گذر دیکھ کر اپنا خون جلانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

یہ محض ایک کارواں سے متعلق بات ہے۔اور ایسا نہیں کہ اسی کی شرکت وعدمِ شرکت پر ہر طرح کی کامیابی یا ناکامی کا دارومدار ہے۔لیکن اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس کارواں میں شرکت، ہمیں اور آپ کو بہت سی کامیابیوں سے ہم کنار کردے گی۔اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعالیٰ۔

قارئین کے علم میں یہ بات بھی آجانی چاہیے کہ مخدومِ اَوَدھ، حضرت شاہ محمد مینا چشتی لکھنوی وقطبِ کوکن، حضرت مخدوم مہائمی وامامُ المحدِّثین، شیخ عبدالحق محدِّث دہلوی وسراجُ الھند، شاہ عبدالعزیز محدِّث دہلوی اور بحرالعلوم، مولانا عبدالعلی فرنگی محلی لکھنوی پر یکے بعد دیگرے سمینار وکانفرنس کا انعقاد ہونا تقریباً طے ہوچکا ہے۔اِسی طرح دیگر اکابر واسلاف سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت پر بھی سمینار وکانفرنس کا سلسلہ جاری رہے گا۔اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعالیٰ۔

اسی کے ساتھ قارئین کو یہ خوش خبری دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ:

(۱) خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ کے دینی وعلمی اَحوال وآثار (۲) خانوادۂ ولی اللّٰہی عزیزی، دہلی کے دینی وعلمی اَحوال وآثار‘‘ کے نام سے راقمِ سطور (یٰسٓ اختر مصباحی) کی دو کتابیں قریبُ التکمیل ہیں۔

تذکرۂ اسلاف، حرزِ جاں وراحتِ قلب ہے اور اس سے تکدُّر وانقباض، آفتِ جاں اور مرضِ قلب ہے۔جس سے جلد از جلد نجات حاصل کرلینا ہر اُس شخص پر فرض ہے جو کسی طرح بھی اپنی شومیِ قسمت سے مبتلائے مرض ہے۔

وَاللّٰہُ مُقَلِّبُ الْقُلُوبِ وَھُوَالشَّافِی وَالْکَافِی وَالْمُعِیْنُ وَالْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَان ۔

اپنے سلیم الطبع قارئین کو اس تحریر کے ذریعہ راقمِ سطور یہ خوش خبری دینا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ اِنْ شَاءَ اللّٰہ تَعَالیٰ ۶ ۱۴۳ھ/۲۰۱۵ء کے آغاز میں عظیم الشان پیمانے پر ایک علمی وفقہی سمینار وکانفرنس (امام احمد رضا سمینار وکانفرنس، بمبئی) کا اِنعقاد سرزمینِ بمبئی میں ہونے والا ہے جو نہایت عظمت واہمیت وافادیت کا حامل ہوگا اور اِس سمینار وکانفرنس کے ذریعہ ابوحنیفۂ ہند، فقیہِ

اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ (وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء) کی دینی وفقہی وعلمی خدمات کامختلف جہتوں سے احاطہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ملک کے معروف عُلما وارباب فکر وقلم اِس ''امام احمد رضا سمینار وکانفرنس'' میں شرکت فرمائیں گے۔ حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، صدرُ المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی صدر شعبۂ اِفتا، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی ہدایت ونگرانی میں اِس سمینار وکانفرنس کا انعقاد ہوگا۔

اِن حضرات کے معاوِن کی حیثیت سے راقم سطور بھی شریکِ سمینار وکانفرنس رہے گا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی۔

مقامِ مسرت ہے کہ فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے صدسالہ جشن کی تیاری شروع ہوگئی ہے۔ صدسالہ جشنِ یومِ رضا (از ۱۳۴۰ھ تا ۱۴۴۰ھ) کے سلسلے میں رضا اکیڈمی بمبئی اور امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف کے زیرِ اہتمام وانصرام چند عُلماے کرام، منصوبہ کے مطابق تحقیقی وتحریری کام پہ مامور بھی ہوچکے ہیں۔

اِس جشنِ صدسالہ کی پہلی مِٹنگ کلیر شریف میں زیرِ سرپرستی امینِ مِلّت، حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی، سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ شریف ہوئی۔ جس کی رپورٹ، محمد عارف رضوی، رضا اکیڈمی ممبئی کی طرف سے ہفت روزہ مسلم ٹائمز بمبئی میں اِس طرح شائع ہوئی:

''دیارِ حضرت سیدنا علاء الدین صابر کلیری (کلیر شریف) میں واقع ''دارُ العلوم قادریہ صابریہ برکاتِ رضا'' میں ایک اہم مِٹنگ ہوئی جس کا بنیادی مقصد، دس گیارہ سال بعد مجدِّدِ اعظم امام احمد رضا کے جشنِ صدسالہ کے موقع پر آپ کی گراں قدر حیات وخدمات کو عصری اسلوب میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کا خاکہ تیار کرنا ہے تاکہ بلیغ اور حکیمانہ اسلوب اپنا کر دانشور طبقے میں امام احمد رضا کا جامع تعارف کرایا جائے اور آپ کی کتابوں کو عربی، انگریزی اور بعض دوسری معروف زبانوں میں منتقل کرکے انھیں ایشیا ویورپ کے اہلِ علم وارباب فکر ودانش تک پہنچایا جائے۔

مِٹنگ کی سرپرستی، امینِ مِلّت، حضرت سید محمد امین میاں صاحب قبلہ قادری برکاتی

مارہروی، سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ قادریہ، مارہرہ شریف اور صدارت، رئیس التحریر علاّمہ یٰسٓ اختر مصباحی، بانی وصدر دارُ القلم دہلی نے فرمائی۔

علاّمہ یٰسٓ اختر مصباحی نے فرمایا کہ:

رضویات پر گراں قدر کام کرنے والے پروفیسر محمد مسعود احمد مجدِّدی (متوفی ۲۱ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ/۲۸ اپریل ۲۰۰۸ء کراچی۔ پاکستان) عَلَیْہِ الرَّحْمَة جن کا آج عرسِ چہلم بھی ہے، انھوں نے کوئی پندرہ بیس سال قبل، امام احمد رضا کی حیات وخدمات کا خاکہ تیار کیا تھا۔ اس خاکہ میں کچھ حذف واضافہ کرکے اس کے مطابق رضویات کے ماہر اصحابِ علم وقلم سے ایسی تفصیلی ومحقّقانہ سوانح مُرتّب کرائی جائے جس کو رضویات کے حوالے سے ''انسائیکلوپیڈیا'' کہا جاسکے۔

مِٹنگ میں یہ بھی طے ہوا کہ اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی کتابوں اور آپ پر لکھی جانے والی کتابوں پر گہری نظر رکھنے والے حضرات کو مدعو کرکے مرکزی جگہ پر ایک سمینار بھی منعقد کیا جائے۔

حضرت امینِ مِلّت، گُلِ گلزارِ قادریت، مُدَّ ظِلُّہُ الْعَالِی نے اس تحریک کا خیر مقدم کرتے ہوئے بڑے حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرمائے۔ اور اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی حیات وخدمات کا مختصر مگر جامع تعارف پیش کرتے ہوئے آپ کے جشنِ صدسالہ کی تیاری سے متعلق منعقدہ اِس مِٹنگ کو مستحسن اِقدام قرار دیا۔ اور رضویات کے حوالے سے پروفیسر محمد مسعود احمد عَلَیْہِ الرَّحْمَة کے کارناموں کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

ساتھ ہی یہ بھی یقین دِہانی کرائی کہ امام احمد رضا کی حیات وخدمات پر مشتمل کتابیں تیار کرنے میں ہمارا ہر ممکن تعاون رہے گا۔ مگر یہ کام مل جل کر کرنے کا ہے، تنہا نہیں ہوسکتا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس تعلق سے سمینار یا بڑے پیمانے کی مِٹنگ، امام احمد رضا کے شہر، بریلی شریف میں ہوتو زیادہ بہتر ہے۔

حضرت مولانا آلِ مصطفیٰ مصباحی اور رضا اکیڈمی ممبئی کے بانی وسکریٹری جنرل، الحاج، محمد سعید نوری نے امید ظاہر کی کہ اِس تعلق سے جامع منصوبہ بندی اور ٹھوس لائحۂ عمل جلد ہی تیار کرلیا جائے گا۔ تاکہ بعد میں قِلّتِ وقت کا شکوہ نہ ہو۔

مِٹنگ میں ماہرِ رضویات، پروفیسر محمد مسعود احمد مجدِّدی عَلَیْہِ الرَّحْمة کے عرسِ چہلم کی مناسبت سے اُن کی روح کو ایصالِ ثواب بھی کیا گیا۔ اور اُن کے لئے دعاے مغفرت کی گئی۔

متعدد عُلماے کرام نے مِٹنگ میں شرکت کی۔ اخیر میں حضرت امینِ مِلّت ،سید محمد امین میاں صاحب مُدَّظِلُّہُ الْعَالِی کے دعائیہ کلمات پر مِٹنگ کا اختتام ہوا۔"

(ہفت روزہ مسلم ٹائمز، بمبئی۔ شمارہ ۱۶ تا ۲۲ جون ۲۰۰۸ء)

اِس سلسلے کی دوسری مِٹنگ مؤرخہ ۱۰؍فروری ۲۰۱۰ء کو استاذِ گرامی، بحرالعلوم، مفتی عبدالمنان اعظمی کی سرپرستی اور برادرِ مکرّم، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی صدرُ المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی صدارت میں امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف میں ہوئی۔ تیسری مِٹنگ بھی امام احمد رضا اکیڈمی صالح نگر، بریلی شریف میں مؤرخہ ۲۲؍ربیع الآخر ۱۴۳۴ھ/ مارچ ۲۰۱۳ء کو ہوئی۔ اور چوتھی مِٹنگ المجمع الاسلامی ، مبارک پور میں مؤرخہ ۱۲؍اپریل ۲۰۱۳ء کو برادرِ مکرّم، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی کی صدارت میں ہوئی۔

مذہب ومسلک کے اصول وضوابط اور سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کے مفادات ومصالح پر نظر رکھنا اور ان کے مطابق اپنے ہر فکر وعمل کو مرکوز کرتے ہوئے ان کے دائرے میں ہی انھیں محدود رکھنا، یہی وہ شعور وعرفان ہے جو مطلوب ومقصودِ شرعی ہے۔

اِس کے لئے جس علم وفضل ،تدبُّر وبصیرت ،مشاہدہ وتجربہ اور معاملہ فہمی ومستقبل بینی کی ضرورت ہے، اُس کے نقوش وآثار، اکابر واسلافِ اہلِ سُنّت کی کتب ورسائل اور حیات وخدمات ہی میں مل سکیں گے جن کی اِقتدا واتباع ہمارا جماعتی ومِلّی وشرعی فریضہ ہے۔

اپنے ذاتی خیالات ورُجحانات کو جذبات اور نعرہ بازی کی شکل میں پیش کرتے رہنا اور مذہبی واجتماعی تقاضوں کو نظر انداز کرتے رہنا کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔

جو قوم وجماعت ،فکروعمل سے عاری ہوکر محض لفّاظی وچَرب زبانی اور جذباتی نعروں کے سہارے، اپنے آپ کو زندہ رکھنا چاہے اُسے کسی کی رہنمائی ومسیحا نفسی بھی زوال وانحطاط اور آخری ہچکی لینے سے روک نہیں سکتی۔

ہم جس مذہب ومسلک کے ماننے والے ہیں وہ آفاقی اور عالم گیر ہے۔ وہ کسی صوبہ وملک وبرِّ اعظم میں محدود نہیں۔ وہ ہزار سال پہلے بلکہ اُس سے بھی پہلے موجود تھا اور ہزار سال بعد بلکہ اُس کے بعد بھی زندہ اور باقی رہے گا۔

وہ اُس وقت بھی تھا جب ہندوستان کے موجودہ اور مروّجہ سلاسلِ طریقت

، دنیا میں کہیں موجود نہیں تھے۔ اور اُس وقت بھی رہے گا جب خدانخواستہ یہ سلاسلِ طریقت یا اِن میں سے کچھ سَلاسِل اپنی موجودہ شکل میں باقی نہ رہیں۔

اِس آفاقی مذہب ومسلک کو کسی خانقاہ یا کسی درس گاہ کی چہار دیواری میں محدود اور مقیّد نہیں کیا جاسکتا۔ اِس لئے مذہب ومسلکِ اہلِ سُنّت بہر حال راجح ومقدّم ہے اور اسے ہر حال میں راجح ومقدّم ہی رکھا جانا چاہیے۔ اور اہلِ سُنّت کے ہر سلسلۂ علم وطریقت اور ہر خانقاہ ودرس گاہ کے لئے اہلِ سُنّت کے مجموعی مفاد ومصلحت کو پیشِ نظر رکھنا ہر حال میں ضروری ہے۔

یہ رَوِش کچھ اچھی نہیں کہ دوسروں کی لغزشوں اور خطاؤں کی گرفت میں اتنی تیزی ہو کہ ایران توران کی ہر حرکت پر نظر ہو اور اپنے پاس پڑوس کی کوئی خبر ہی نہ ہو۔ گویا: ع

سارے جہاں کا جائزہ، اپنے جہاں سے بے خبر

محدود فکر وخیال کے ساتھ، غیر محدود مفادات ومصالحِ اہلِ سُنّت کا تحفظ کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟ یہ سوال بڑا ہی اہم، بے حد توجُّہ طلب اور قابلِ غور ہے۔

مسلمانانِ اہلِ سُنّت کے اجتماعی امور ومعاملات کے باب میں اپنے اوپر عائد شدہ فریضۂ ہدایت وقیادت سے اِغماض وصَرفِ نظر کرکے کس طرح اہلِ سُنّت کا بھلا کیا جاسکتا ہے اور اسے فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے؟ یہ سوال بھی تشویش ناک مَرحلے میں داخل ہوکر کسی فوری حل کا ہم سب سے مطالبہ اور تقاضا کر رہا ہے۔

پیری مُریدی اور تقریر وخطابت، شرائطِ معہودہ کے ساتھ مفید اور ضروری ہے۔

مگر سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت کی ہر مشکل وپریشانی کا حَل محض پیری مُریدی اور تقریر وخطابت نہیں ہے۔ نہ ہی صرف تدریس اور تحریر ہے۔

ان سب کے ساتھ کچھ اور بھی سوچتے اور کرتے رہنے کی شدید ضرورت ہے۔ ہر شعبۂ حیات میں سَوادِ اعظم کی رہنمائی کرتے رہنا، عُلما ومشائخِ کرام کا ہمہ وقتی فریضہ ہے۔

دین، نام ہی ہے ہر مسلمان کی خیر خواہی کا۔ اور یہ خیر خواہی اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کی مسلسل اور ہمہ جہتی رہنمائی کی جاتی رہے۔

اور اگر یہ فریضہ انجام دینے میں قصور وفتور ہے تو پھر ہمیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا

چاہیے کہ اپنے فرائض کی تکمیل کے ہم اہل بھی ہیں یا نہیں؟

اِن مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں، تماشائے لبِ بام نہیں

اپنے فرائض اور ذِمّہ داریوں کو صحیح طور پر سمجھنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہمیں اپنے اکابر واسلاف کے نقشِ قدم پر چلنا ہوگا اور ان کی دینی وعلمی زندگی کے ہر پہلو سے ہمیں رہنمائی حاصل کرنی ہوگی۔

اپنے اکابر واسلافِ کرام کو جاننا، ان کی خدمات سے واقف رہنا، ان کے ارشادات وتعلیمات پر عمل کرنا اور دوسروں کے سامنے ان کا تعارف کرانا، یہ ہمارا مذہبی، ملّی اور قومی فریضہ ہے۔

جس طرح کوئی سعید وصالح اولاد، کوئی نیک بخت لڑکا، اپنے آباو اَجداد کا ذکر کرتا ہے، ان کی تعریف کرتا ہے۔ اور ذکر وتعریف سن کر قلبی مسرت حاصل کرتا ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ، اپنے اکابر واسلاف کا، اور جتنی بھی نمایاں اور ممتاز اسلامی شخصیات ہیں، ان سب کا حسبِ ضرورت واہمیت واِفادیت ذکر وبیان ہمیں کرتے رہنا چاہیے۔ تاکہ نئی نسل بھی ان سے واقف ہو۔ اور یہ وراثت، نسل در نسل آگے کی طرف منتقل ہوتی رہے۔

سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کے فقہی مذاہبِ اربعہ (حنفیت وشافعیت و مالکیت وحنبلیت) اور جُملہ طُرُق وسَلاسِلِ تصوف وطریقت، مثل قادریہ وچشتیہ ونقشبندیہ وسہروردیہ و رِفاعیہ وشاذلیہ اور ان سے وابستہ جملہ قدیم وجدید عُلما وفقہا وفُضلا وصوفیہ ومشائخِ کرام ومبلّغین وداعیانِ اسلام جو مذہب ومسلکِ سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت پر اِستقامت کے ساتھ حمایت وتائیدِ اسلام وخدمتِ دینِ حنیف ونشرواشاعت وترویجِ مذہب ومسلک ومشرب کے کسی بھی شعبہ سے وابستہ اور کسی بھی خطہ اور علاقہ میں اِخلاص ودیانت کے ساتھ مصالح ومفاداتِ مِلّت وجماعتِ حق واہلِ حق ونُصرت واِعانتِ سَوادِ اعظم میں مشغول ومصروف تھے اور آج بھی سرگرم ہیں، ان سب کے ساتھ حُسنِ ظن، ان سب کی تحسین وتشجیع، ان سب کی ممکن نصرت وحمایت واِعانت واِمداد، اور ان سب کے حق میں جذبۂ خیر اور ان کا ذِکرِ خیر، سَوادِ اعظم کے ہر فرد پر حسبِ صلاحیت ووسعت واِستطاعت، نہایت اہم مذہبی وملّی فریضہ، اِنفرادی واِجتماعی شعور واِدراک وعلم وعرفان کی واضح علامت، اور دینی ودنیوی فوز وفلاح وسعادت ونجات کی بہترین ضمانت ہے۔

وقتِ بَرہنہ گفتن ست، مَن بہ کِنایہ گفتہ اَم
خود تو بگو کجا بُرم؟ ہم نفسانِ خام را

آخر میں ایک بات اور عرض کردوں کہ قوم ومِلّت وجماعت کی قیادت بڑا عظیم اور اہم منصب ہے۔ عمومی طور سے کسی بھی رہنمائی کو قیادت کہہ سکتے ہیں لیکن خصوصی بلکہ اصطلاحی طور سے قوم ومِلّت وجماعت اور ملک کی صحیح اجتماعی رہنمائی ورہبری کرنے کو قیادت کہتے ہیں۔ کسی بھی اجتماعی مسئلہ میں مِلّت وجماعت اور قوم وملک کے افراد کی جو صحیح رہنمائی کرے یا باشعور وبیدار مغز افراد جس سے رہنمائی ورہبری کے طالب ہوں، وہ قائد کہا جاتا ہے۔ مثلاً:

تحریکِ خلافت (١٩١٩ء) وتحریکِ ترکِ موالات (١٩٢٠ء) وتحریکِ ہجرت (١٩٢١ء) کے ہنگامہ خیز دَور میں فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی وحجۃ الاسلام، مولانا حامد رضا قادری برکاتی بریلوی ومفتیِ اعظمِ ہند، مولانا الشاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری بریلوی وعلاّمہ سید سلیمان اشرف علی گڑھی وصدرُ الافاضل، مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی اور دیگر عُلمائے اہلِ سُنَّت رَحْمَۃُاللّٰہِ تعالیٰ عَلَیھِم اَجْمَعِین نے اپنی مسلسل تحریر وتقریر کے ذریعہ جس طرح قوم ومِلّت کی صحیح اور بروقت رہنمائی ورہبری فرمائی، اُسے قیادت کی اعلیٰ مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس کی روشنی میں اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ۔ ع   قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے؟

لیکن یہ صفت بڑے وسیع علم ومطالعہ وتدبُّر وبصیرت وتجربہ ومشاہدہ ومعاملہ فہمی ومستقبل بینی کے بعد ہی کسی کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اور۔ ع   جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

اِسی لئے کہا جاتا ہے کہ: ع   جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی

دینی ودنیوی فوز وفلاح کی ضمانت اُسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب ہم اپنے اکابر واسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ گذاریں اور انفرادی واجتماعی زندگی کے مفادات ومصالح کا حتی الامکان خیال ولحاظ رکھتے ہوئے اپنے آپ کو نمونۂ فکر وعمل بنانے کی کوشش کریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ہدایتِ حق اور بصیرت واستقامت کی توفیق عطا فرمائے اور خدمتِ اسلام وسُنّیت کی بیش از بیش توفیق سے نوازے۔ آمین!

بِجاہِ حبیبک سیّدِالمُرسَلین عَلَیہِ الصَّلوٰۃُ والتسلیم۔

پیغامِ عمل

سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کے مُعتقدات اور اَفکار ونظریات کو اکابر واسلافِ کرام نے ہر دَور میں علمی وفکری سَطح پر منظّم ومربوط انداز میں پیش کرتے رہنے کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں، اُنھیں ہی اپنا نمونۂ فکر وعمل بنا کر آج کے عُلماے اہلِ سُنّت کو بھی قلمی ولسانی طور سے اور جائز ذرائعِ ابلاغ کا استعمال کر کے اپنا مذہبی وعلمی فریضہ انجام دینا چاہیے۔

سطحی تحریروں اور ہیجان انگیز تقریروں سے اِجتناب واحتراز کرتے ہوئے بہتر اور مفید طرز واسلوب میں مذہبِ اہلِ سُنّت کی تائید وتقویت اور فِرَقِ باطلہ کی تردید واِبطال کی طرف خصوصی توجہ دی جانی چاہیے۔

قوم ومِلّت کا سرمایہ اور اپنی صلاحیت ولیاقت کا غیر ضروری استعمال نہ صرف یہ کہ اہلِ سُنّت کی داخلی کمزوری کا سبب بن سکتا ہے، بلکہ مخالفین اور اہلِ باطل کو ہماری صفوں میں داخل ہونے کی راہیں بھی ہموار کر کے چندر چند مسائل اور مشکلات ومصائب سے ہمیں دوچار کر سکتا ہے۔ جس سے ہمیں ہر لمحہ چوکنّا اور بیدار رہنے کی شدید ضرورت ہے۔

ذخیرۂ کتاب وسُنّت کے مطالعہ اور اس سے اِستفادہ کے ساتھ اسلامیات کے ہر پہلو پر کام کرتے رہنے کا ہمارے سامنے ایک وسیع وعریض میدان موجود ہے۔ علومِ اسلامیہ کے بہت سے شعبے ہمارے مطالعہ وتحقیق کے منتظر ہیں۔ اسلافِ کرام کے روشن کارنامے، اپنی جانب ہمارا دامنِ دل کھینچ رہے ہیں۔

برِصغیر ہندوپاک کے تناظر میں بھی بہت سے کام ہماری چشمِ توجہ کے منتظر ہیں۔ خیرآبادیات ورضویات کے بہت سے گوشے ابھی تشنۂ تحقیق ہیں۔

مسلم معاشرے کی اصلاح وہدایت اور معاشرتی مفاسد کا ازالہ، وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

نئی نسل کی ذہن سازی، اس کی تعلیم وتربیت کا اہتمام، اس کے دل ودماغ میں تعلیماتِ اسلام کو راسخ کر کے اسے کسی فکری اِنحراف سے محفوظ رکھنے کی کوشش اور اس طرح کی بہت سی چیزیں ہم سب سے بہت کچھ مطالبہ اور تقاضا کر رہی ہیں۔

اِن نیک کاموں کی طرف توجہ دینا اور ان میں خاطر خواہ کردار ادا کرنا ہماری مذہبی وقومی ومِلّی ذِمّہ داری ہے۔ ایسے اُمور میں اپنی صلاحیت اور اپنی کوشش، صَرف کر کے جذبۂ خیر کے ساتھ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں اپنی توانائی خرچ کرنی چاہیے۔ اسی میں ہمارا مفاد مضمر ہے۔ اور یہی حکمِ قرآنِ حکیم بھی ہے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۴۸۔ سورۂ مائدہ۔ آیت ۴۸)

اچھے اور نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو۔"

فقہِ اسلامی کی بے مثال جامعیت اور دائمی اِفادیت

فقہِ حنفی کی تازگی وشادابی اور فکر انگیز وروح پرور زرخیزی

یہ ایک زندہ وتابندہ حقیقت ہے کہ شریعتِ اسلامی وفقہِ اسلامی کی ہدایات وتعلیمات، حیاتِ انسانی کے ہر شعبے کو حاوی ومُحیط ہیں۔

کتاب وسُنّت پر مبنی "فقہِ اسلامی" کی حیثیت ایک موج زَن آبشار کی سی ہے۔

جس کی نَہرِ رواں، ہر زمان ومکان کی انسانی کِشت زار کو سیراب کرتے ہوئے اُسے سَدا بہار تازگی وشادابی اور رَعنائی وبَرنائی عطا کرتی رہتی ہے۔

یہ نَہرِ رواں اپنے ذخیرۂ آبِ حیات سے ہر لمحہ زندگی وتازہ دَمی کا فیضان حاصل کر کے عُلما وفُقہا ومفتیانِ کرام کے نہاں خانۂ قلب ودماغ کو قوت بخش غذا فراہم کرتی رہتی ہے۔ اور قافلۂ حیات کی حوصلہ افزا رہنمائی وقیادت کے لئے انھیں مستعد ومتحرک اور آمادۂ سفر بناتی رہتی ہے۔

یہ نَہرِ رواں نہ کہیں رُکنے اور تھمنے والی ہے اور نہ انسانی قافلۂ حیات کسی منزل پہ رُکنے اور خیمہ زَن ہونے والا ہے۔ جاوِداں، پیہم دَواں، ہر دَم جواں ہے زندگی

یہی وجہ ہے کہ مسلسل سفر پر آمادہ وکمربستہ رہنے والے قافلۂ حیات کی صحیح اور ہمہ جہت رہنمائی ورہبری کرتے رہنے کے لئے ربِّ کائنات عَزَّوَجَلَّ کا یہ ارشادِ واجبُ العمل ہے کہ:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ ۔ (سورۂ توبہ۔ آیت ۱۲۲)

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں۔ تو کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔"

شریعتِ مطہّرہ کی حکمتِ بالغہ

یہ دنیا مظہرِ کُنْ فَیَکُوْن ہے۔ مظہرِ آیاتِ رَبّانی ہے۔ ربِّ کائنات کی قدرتِ کاملہ کے اَسرار ومعارِف کا مَعدن ہے۔ اُس کی بے کراں نعمتوں کا مَخزن ہے۔ اُس کے انوار وتجلّیات کی رنگا رنگی کا ایک جہانِ حیرت ہے۔ کیف وکم سے ماوَرا اُس کے وجودِ حقیقی پر اِس کائنات کی ہر شَئی ایک دلیل وبُرہان ہے۔ اُس کی کسی صفت میں کسی بھی جہت سے کوئی اُس کا شریک وسہیم نہیں۔ اور:

ہر گیا ہے کہ ازز میں روید
وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ می گوید

وہی خالقِ ہست وبود ہے۔ ارض وسما کی ہر شَئی کو اُسی نے خلعتِ وجود سے سرفراز فرمایا ہے۔ زندگی کی حرارت اور ہر سانس کی آمد ورفت اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہی مالکِ اَرواح و اَبدان ہے۔ ہر مُتنفِّس کا رِزق اسی کے ذِمّۂ کرم پر ہے۔ وہ اپنے بندوں کے لئے بے پناہ رحیم وکریم ہے۔ وہ سَتَّارُ الْعُیُوب بھی ہے اور غَفَّارُ الذُّنُوب بھی ہے۔ اُس کی رحمت وغُفران، اس کے اختیار واقتدار اور اس کی حاکمیت ورُبُوبیت کی جلوہ گاہ ہے یہ سارا عالَمِ موجودات ومخلوقات۔

جس کے عرفان ومعرفت کے لئے اُس نے ہر انسان کو عقل جیسی عظیم دولت سے مالا مال فرمایا ہے۔ اور اُس کی ہدایت ورہنمائی کے لئے سلسلۂ نبوت ورسالت وکرامت وولایت سے اُس کا رشتہ جوڑ دیا ہے۔

یہ عقل اگر عقلِ سلیم ہے اور اس کے ساتھ توفیقِ الٰہی شامل ہے تو فطری طور پر اُس دینِ فطرت کی طرف رہنمائی کرتی ہے جس کے بارے میں ربِّ کائنات ارشاد فرماتا ہے:

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَاتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ۔ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔
(سورۂ روم۔ آیت ۳۰)

اُس کتاب کی نشان دہی کرتی ہے جس کے بارے میں اُس کا فرمان ہے کہ:

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ۔ (سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۹)

اُس اسلام تک اسے یہ عقل پہنچا دیتی ہے جس نے اس کی فلاح ونجات کی ضمانت دے

رکھی ہے اور وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَفِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (سورۂ آلِ عمران۔ آیت ۸۵) کی وعید بھی سنا دی ہے۔

یہی عقل ہر توفیق یافتہ انسان کی، رہنمائی اُس رسولِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی طرف کرتی اور اس کی بارگاہ تک پہنچاتی ہے جو شہکارِ قدرت وخاتمِ دَورِ رسالت اور حاملِ لِوائے فطرت ہے۔

جس کے بارے میں اللہ ربُّ العزّت کا یہ ارشاد واعلان ہے کہ:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ۔ (سورۂ احزاب۔ آیت ۲۱)

انسانی سعادت اور صحیح احکام ومسائلِ حیات پر مشتمل شریعتِ اسلامیہ کا راستہ یہی عقل بتلاتی ہے۔ انسان کو حلال وحرام کا فرق وامتیاز بتانے والی شریعت کی طرف یہی عقل رہنمائی کرتی ہے۔
اور ذرا غور تو کیجیے اور دیکھیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی جسم وروح اور عقل وبصیرت کو اپنے فضل وتوفیق سے کس طرح شریعتِ مطہّرہ کی ہدایت بخشی ہے۔

اِنھیں حقائق کا اظہار کرتے ہوئے فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"اللہ عَزَّ وَ جَلَّ نے بندے بنائے۔ انہیں کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ آلات و جوارِح عطا فرمائے۔ اور انہیں کام میں لانے کا طریقہ، اِلہام کیا۔ اور ان کے ارادے کا تابع و فرماں بردار کر دیا کہ اپنے منافع حاصل کریں اور مضرتوں سے بچیں۔

پھر اعلیٰ درجہ کے شریف جوہر یعنی عقل سے ممتاز فرمایا جس نے تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا۔ عقل کو ان اُمور کے اِدراک کی طاقت بخشی۔ خیر وشر، نفع وضرر، یہ حواسِ ظاہری نہ پہچان سکتے تھے۔

پھر اسے بھی فقط اپنی سمجھ پر بے کس ویاوَر نہ چھوڑا۔ ہنوز لاکھوں باتیں ہیں جن کو عقل، خود اِدراک نہ کر سکتی تھی۔ اور جن کا اِدراک ممکن نہ تھا، اُن میں لغزش کرنے، ٹھوکر کھانے سے پناہ کے لئے کوئی زبردست دامن ہاتھ میں نہ رکھتی تھی لِھٰذا اَنبیا بھیج کر، کتابیں اتار کر، ذرا ذرا بات کا حُسن وقبح خوب جتا کر، اپنی نعمت، تمام وکمال فرمادی۔ کسی عذر کی جگہ باقی نہ چھوڑی۔

لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ (سورۂ نساء۔ آیت ۱۶۵)

حق کا راستہ آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا۔ ہدایت وگمراہی پر پردہ نہ رہا۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ (سورۂ بقرہ۔آیت ۲۵۶)

بایں ہمہ کسی کا خالق ہونا، یعنی ذات ہو یا صفت، فعل ہو یا حالت، کسی معدوم چیز کو عدم سے نکال کر لباسِ وجود پہنانا، یہ اُسی کا کام ہے۔

یہ نہ اُس نے کسی کے اختیار میں دیا نہ کوئی اس کا اختیار پا سکتا تھا۔ کہ تمام مخلوقات خود اپنی حدِّ ذات میں نیست ہیں۔ ایک نیست، دوسرے نیست کو کیا ہَست بنا سکے؟

ہَست بنانا اُس کی شان ہے جو آپ اپنی ذات سے ہَستِ حقیقی وہَستِ مطلق ہے۔

ہاں! یہ اُس نے اپنی رحمت اور اپنی غِنائے مطلق سے عادت اِجرا فرمائی ہے کہ بندہ جس اَمر کی طرف قصد کرے، اپنے جوارح ادھر پھیرے، مولیٰ تعالیٰ اپنے ارادہ سے اسے پیدا فرما دیتا ہے۔ (ثَلجُ الصَّدرِ لِاِیمَانِ الْقَدَر۔ از امام احمد رضا حنفی قادری بریلوی)

اسلام جولان گاہِ عمل میں تگ ودَو کی ترغیب وتحریک اپنے ہر ماننے والے انسان کے اندر پیدا کرتا ہے۔ کہ یہ دنیا عالَمِ اسباب ہے اور اسبابِ حیات کو حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے رہنا ہی تقاضائے عقل وخرد ہے۔

اپنے آپ کو، اپنی مِلّت کو، اپنے معاشرہ کو، شریعت سے وابستہ رکھنے اور اسے عزت وسُرخ روئی سے ہم کنار کرنے کے لئے ہمہ وقت متحرک وسرگرم رہنا ضروری ہے۔ یہی قانونِ فطرت ہے اور یہی شریعتِ اسلامیہ کا مقتضیٰ اور اس کی یہی حکمتِ بالغہ ہے۔

اسلام نے معرفتِ رَبّانی اور علم وادراکِ حقائق کی دعوت دی ہے۔ رَزمِ گہہِ حیات میں تگ وتاز کا اس نے حکم دیا ہے۔ اس کی شریعت نے رہبانیت کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس نے تدبیر سے فرار کو جائز نہیں قرار دیا ہے۔

ذاتی واجتماعی زندگی میں نفاذِ شریعت کے لئے اس نے حکم دیا ہے کہ سَعی وتدبیر کرو، مقاصدِ خیر تک پہنچنے کے لئے مفید ذرائع پیدا کرو، کارآمد وسائل مہیّا کرو، معاشی اِستحکام کے لئے زراعت وتجارت کرو، اِجرائے اَحکام وحُدود کے لئے قضا وامارت کی ذِمّہ داری سنبھالو۔ خلقِ خدا کی ہدایت اور اس کی اِعانت ودستگیری کرو۔

اِس دنیا سے بھاگو نہیں بلکہ اس کے اندر رہ کر اس پر غلبہ حاصل کرو۔ اہل وعیال کی کفالت

کرو، اور خوش گوار وبامُراد عائلی ومعاشی زندگی گذارتے ہوئے اپنے آپ کو دوسروں کے لئے نمونۂ عمل بناؤ۔

صحابیِ رسول، حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ نے بیان کیا۔

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ بِخَیْرِکُمْ مَنْ تَرَکَ دُنیَاهُ لِآخِرَتِهٖ وَ لَا آخِرَتَهٗ لِدُنیَاهُ۔ حَتّٰی یُصِیبَ مِنْهُمَا جَمِیعاً۔ فَاِنَّ الدُّنیا بَلَاغٌ اِلٰی الآخِرَة۔ و لاتَکُونُوا کَلًّا عَلیٰ النَّاس۔

(کَنزُ العُمَّال لِلمُتَّقِی، اَلجَامِعُ الصَّغِیر لِلسُّیُوطِی)

تمہارے درمیان بہتر وہ آدمی نہیں ہے جو اپنی آخرت کے لئے اپنی دنیا تَرک کردے۔ اور نہ وہ جو اپنی دنیا کے لئے اپنی آخرت، تَرک کردے۔ بہتر وہ ہے جو دین ودنیا، دونوں سے اپنا حصہ لے۔

اور تم، دوسروں پر بوجھ نہ بنو۔"

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ نے بیان کیا۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهٖ لَاَنْ یَّأْخُذَ اَحَدُکُمْ حَبْلَهٗ فَیَذهَبَ بِهٖ اِلیٰ الْجَبَلِ فَیَحتَطِبَ ثُمَّ یَأتِی بِهٖ فَیَحْمِلَهٗ عَلیٰ ظَهْرِهٖ فَیَأکُلَهٗ، خَیْرٌ لَهٗ مِنْ اَنْ یَسْأَلَ النَّاسَ۔

و لَاَنْ یَأْخُذَ تُرَاباً فَیَجعَلَهٗ فِی فِیهِ، خَیْرٌ لَهٗ مِنْ اَنْ یَجْعَلَ فِی فِیهِ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اُس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے:

تم میں کا کوئی شخص رَسّی لے کر پہاڑ کی طرف جائے۔ وہاں لکڑیاں چُنے۔ اُن کا گٹّھر اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے۔ اُسے بیچ کر کھائے۔ تو ایسا کام، لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بہتر ہے۔

اور منہ میں خاک بھر لینا، حرام نوالہ سے بہتر ہے۔"

اسباب وتدابیر سے بے نیاز ہو کر بیٹھے رہنے کو شریعت نے قطعاً جائز نہیں ٹھہرایا ہے۔ جس

مقصد اور جس کام کے جو اسبابِ عادیہ، دائرۂ شریعت کے اندر ہیں انھیں اختیار کرنا لازم ہے۔

اِسی طرح بلا کسی سبب کے، حرج وتنگی کو دعوت دینا بھی شریعت کی نظر میں معیوب و مذموم ہے۔ کہ اسلام دینِ یُسر وسَماحت ہے۔ وُسعت وکشادگی اور مژدہ وبشارت کو وہ پسند کرتا ہے۔

پیغمبرِ اسلام، حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں:

یَسِّرُوا وَلاتُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَ لاتُنَفِّرُوا۔ (بخاری ومسلم)

آسانی پیدا کرو، تنگی نہ کرو۔ بشارت دو، بِدَکنے، والی بات نہ کرو۔"

ابوحنیفۂ ہند، فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی، نہایت بصیرت وحکمت وجامعیت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حضرت حق جَلَّ و عَلا نے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں جو واقع و نَفۡسُ الۡاَمر میں طاہر وحلال ہوں۔ کہ اس کا علم ہمارے حیطۂ قدرت سے وَرا۔

قالَ اللّٰہُ تعالیٰ: لایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ٢٨٦)

نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شَی برتیں جسے ہم اپنے علم ویقین کی رو سے طیب وطاہر جانتے ہیں۔ کہ اس میں بھی حَرجِ عظیم۔ اور اَلۡحَرَجُ مَدۡفُوۡعٌ بِالنَّصِ۔

قالَ تعالیٰ: وَمَاجَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ۔ (سورۂ حج۔ آیت ٧٨)

اے عزیز! یہ دین بِحَمۡدِاللّٰہِ تعالیٰ آسانی وسَماحت کے لئے آیا ہے۔ جو اسے اس کے طور پر لے گا اس کے لئے ہمیشہ رِفق ونرمی ہے۔ اور جو تعمق وتشدُّد کو راہ دے گا، یہ دین اُس کے لئے سخت ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہی تھک رہے گا اور اپنی سخت گیری کی آپ ندامت اٹھائے گا۔"

نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

اِنَّ الدِّیۡنَ یُسۡرٌ۔ وَ لَنۡ یُّشَادَّ الدِّیۡنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَہٗ۔ فَسَدِّدُوا۔ وَ قَارِبُوا۔ وَبَشِّرُوا۔ رَوَاہُ البخاری و النَّسائی عَنۡ اَبِی ھُرَیۡرَۃَ۔

بلکہ صرف اِس قدر حکم ہے کہ وہ چیز تصرف میں لائیں جو اپنی اصل میں حلال وطیب ہو۔ اسے مانع، ونجاست کا عارض ہونا، ہمارے علم میں نہ ہو۔

و لہٰذا جب تک اُس خاص شَی میں جسے استعمال کرنا چاہتا ہے، کوئی مظنّۂ قویہ، حظر وممانعت کا نہ پایا جائے، تفتیش وتحقیقات کی بھی حاجت نہیں۔

مسلمان کو رَوا کہ اصل حل وطہارت پر عمل کرے۔ و یُمۡکِنُ وَ یَحۡتَمِلُ وشاید و لَعَلَّ کو جگہ نہ دے۔

فِی الۡحَدِیۡقَۃِ: لاَ حُرۡمَۃَ اِلَّا مَعَ العلم۔ لِاَنَّ الۡاَصۡلَ اَلۡحِلُّ۔ وَ لایَلۡزَمُہُ السُّوَالُ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰی یَطَّلِعَ عَلٰی حُرۡمَتِہٖ وَ یتحقَّق بھا فیحرم علیہ۔ مُلَخَّصاً۔

ہاں! اِس میں شک نہیں کہ شبہ کی جگہ تفتیش وسوال بہتر ہے۔ جو اس پر کوئی فائدہ مترتّب ہوتا سمجھے۔ یہ بھی اُس وقت ہے جب اِس احتیاط ووَرع میں کسی اہم وآکد کا خلاف نہ لازم آئے کہ شریعتِ مطہّرہ میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا اِزالہ، مقدّم تر ہے۔

مثلاً: مسلمان نے دعوت کی۔ یہ اُس کے مال وطعام کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ کہاں سے آیا؟ کیوں کر پیدا کیا؟ حلال ہے یا حرام؟ کوئی نجاست تو اس میں نہیں ملی ہے؟

کہ بے شک یہ باتیں وحشت دینے والی ہیں اور مسلمان پر بدگمانی کر کے ایسی تحقیقات میں اسے ایذا دینا ہے۔ خصوصاً اگر وہ شرعاً معظّم ومحترم ہو۔ جیسے عالمِ دین، سچا مُرشد، یا باپ، یا استاد، یا ذی عزت مسلمان سردارِ قوم، تو اس نے اور بے جا کیا۔

ایک تو یہ بدگمانی، دوسرے موحش باتیں، تیسرے بزرگوں کا ترکِ ادب۔

ایک قاعدۂ کلّیہ واجبۃُ الحفظ یہ ہے کہ:

فعلِ فرائض وترکِ محرَّمات کو اِرضائے خلق پر مقدم سمجھے۔ اور ان اُمور میں کسی کی پرواہ نہ کرے۔ اور فتنہ ونفرت وایذا ووحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔

اِسی طرح جو عادات ورُسوم خَلق میں جاری ہوں اور شرعِ مطہّر سے اُن کی حُرمت و شناعت نہ ثابت ہو، اُن میں اپنے ترفُّع وتنزہ کے لئے خلاف وجُدائی نہ کرے۔ کہ یہ سب اُمور، اِئتلاف ومؤانست کے معارِض، اور مراد ومحبوبِ شارِع کے مناقض ہیں۔

ہاں، ہاں! ہوشیار و گوش دار کہ:

یہ وہ نکتۂ جمیلہ وحکمتِ جلیلہ وکوچۂ سلامت وجادۂ کرامت ہے جس سے بہت زاہدانِ خشک واہلِ تقشّف غافل وجاہل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے زعم میں محتاط ودین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغزِ حکمت ومقصودِ شریعت سے دور جا پڑتے ہیں۔"

(مقدمۂ عاشرہ۔ اَلۡاَحۡلیٰ مِنَ السُّکّرِ لِطَلَبَۃِ سُکّرِ رُوۡسَرۡ۔ از امام احمد رضا حنفی قادری بریلوی مشمولہ فتاویٰ رضویہ، جلد دوم)

اسباب و مسبّبات اور تدبیر و تقدیر پر جامع بحث کرتے ہوئے امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

''فی الواقع، عالَم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ کی تقدیر سے ہوتا ہے۔

قَالَ تَعَالیٰ: وَ کُلُّ صَغِیْرٍ وَّ کَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ۔ (سورۃ الرحمٰن: آیت ۵۳)

وَ قَالَ تَعَالیٰ: وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ۔ (سورۂ یٰسٓ: آیت ۱۲)

وَقَالَ تَعَالیٰ. وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔ (سورۃ الانعام: آیت ۵۹)

مگر تدبیر، زِنہار معطّل نہیں۔ دنیا عالَمِ اسباب ہے۔ رب جَلَّ مَجْدُهٗ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق اس میں مسبّبات کو اسباب سے رَبط دیا۔ اور سُنّتِ الٰہیہ جاری ہوئی کہ سبب کے بعد مسبَّب پیدا ہو۔

جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا، کفّار کی خصلت ہے۔ یوں ہی تدبیر کو محض عَبَث و مطرود و فضول بتانا، کسی کھلے گمراہ یا سچے مجنوں کا کام ہے۔ جس کی رو سے صدہا آیات واحادیث سے اِعراض اور انبیا و صحابہ وائمہ و اولیا سب پر طَعن و اِعتراض، لازم آتا ہے۔

حضرت داؤد عَلَیْهِ السَّلَام زِرہیں بناتے۔ موسیٰ عَلَیْهِ السَّلَام نے دس برس شعیب عَلَیْهِ السَّلَام کی بکریاں، اُجرت پر چَرائیں۔ خود حضور پُر نور سید المرسلین صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم، حضرت اُمُّ المؤمنین، خدیجہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا، کا مال بطورِ مضاربت لے کر شام، تشریف فرما ہوئے۔

حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی، عبد الرحمٰن بن عوف بڑے بڑے نامی تاجر تھے۔ امامِ اعظم بَزّازی کرتے تھے۔

بلکہ کوئی مُنْکِرِ تدبیر، تدبیر سے خالی نہیں ہوتا۔ ہم نے فرض کیا کہ وہ زراعت، تجارت، نوکری، حرفت، کچھ نہ کرتا ہو۔ آخر اپنے لئے کھانا پکاتا یا پکواتا ہوگا؟ آٹا پیسنا، گوندھنا، پکانا، کیا یہ تدبیر نہیں؟ یہ بھی جانے دیجیے۔ اگر بغیر اُس کے سوال یا اشارہ وایما کے خود بخود پکی پکائی اُسے مل جاتی ہو، تاہم نوالہ بنانا، منہ تک لانا، چبانا، نگلنا، یہ بھی تدبیر۔'' (اَلتَّحبِیر بِبَابِ التَّقْدِیر ازامام احمد رضا بریلوی)

''رب جَلَّ وَ عَلَا فرماتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔'' وہ قادر تھا کہ بے دعا، مُراد بخشے۔ پھر اس نے تدبیر کی طرف کیوں ہدایت فرمائی؟

بلکہ خلافت وسلطنت وقضا و جہاد وحُدود وقصاص وغیر ہا یہ تمام اُمورِ شرعیہ، عین تدبیر ہیں۔ کہ انتظامِ عالَم وترویج دین ودَفعِ مُفْسِدِین کے لئے اِس عالَمِ اسباب میں مقرّر ہوئے۔

بلکہ اور ترقی کیجیے تو نماز وروزہ، حج وزکوٰۃ وغیر ہا اعمالِ دینیہ خود ایک تدبیر اور رضائے الٰہی و ثواب نامتناہی ملنے اور عذاب وغضب سے نجات پانے کے اسباب ہیں۔

قَالَ تَعَالیٰ: وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعیٰ لَهَا سَعْیَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْکُوْرًا۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۱۹)

اگرچہ ازل میں ٹھہر چکا کہ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ۔ پھر بھی اعمال، فرض کیے کہ جس کے مقدّر میں جو لکھا ہے اُسے وہی آسان اور اُس کے اسباب، مہیّا ہو جائیں گے۔

یہاں سے ظاہر ہوا کہ تدبیر اگر مُطلقاً مُہمَل ہو تو دین وشرائع و انزالِ کتب و ارسالِ رُسل و اِتیانِ فرائض و اِجتنابِ محرّمات، معاذَ اللّٰه سب لَغو وفضول وعَبَث ٹھہریں۔ آدمی کی رسّی کاٹ کر بجار کر دیں۔ دین و دنیا یکبارگی برہم ہو جائیں۔ لَاحَوْلَ وَ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ (اَلتَّحبِیر بِبَابِ التَّقْدِیر۔ ازامام احمد رضا بریلوی)

''اور تدبیر کی بعض صورتیں، فرضِ قطعی ہیں۔ جیسے فرائض کا بجالانا، محرّمات سے بچنا، بقدرِ سَدِّ رَمَق کھانا پینا، یہاں تک کہ بحالتِ مَخمَصہ، شراب ومُردار کی اجازت دی گئی۔ اسی طرح جان بچانے کی کل تدبیریں، اور حلال کسبِ معاش کی سَعی وتلاش جس میں اپنے اور اپنے متعلقین کے تن، پیٹ کی پرورش ہو۔'' (اَلتَّحبِیر بِبَابِ التَّقْدِیر۔ ازامام احمد رضا بریلوی)

''تلاشِ حلال وفکرِ معاش وتعاطیِ اسباب، ہرگز منافیِ توکّل نہیں، بلکہ عین مرضیِ الٰہی ہے کہ آدمی تدبیر کرے اور بھروسہ تقدیر پر رکھے۔

اِس لئے جب ایک صحابی نے عرض کی کہ:

اپنی اونٹنی چھوڑ دوں اور خدا پر بھروسہ رکھوں یا اسے باندھوں اور خدا پر توکّل کروں''

ارشاد فرمایا۔ قَیِّدْ وَ تَوَکَّلْ۔ باندھ دے اور خدا پر تکیہ کر۔

بر توکّل زانوئے اشتر بہ بند۔'' (اَلتَّحبِیر بِبَابِ التَّقْدِیر۔ ازامام احمد رضا بریلوی)

''شریعتِ مطہّرہ میں طہارت وحِلّت، اصل ہیں۔ اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اِثبات میں کسی دلیل کے محتاج نہیں۔ اور حرمت ونجاست عارضی، کہ ان کے ثبوت کو دلیلِ خاص، درکار۔

اور محض شکوک وظُنون سے ان کا اِثبات، ناممکن۔ کہ طہارت وحِلّت پر بوجہِ اَصالت، جو یقین تھا، اس کا زوال بھی اس یقین کے مثل ہی سے متصوّر۔

رِزاظنِ لاحق ،یقینِ سابق کے حکم کورفع نہیں کرتا۔

یہ شرع شریف کا ضابطۂ عظیمہ ہے۔جس پر ہزار ہا اَحکام ،متفرَّ ع۔ یہاں تک کہتے ہیں کہ تین چوتھائی فقہ سے زائداس پر مبتنی ۔اورفی الواقع جس نے اس قاعدہ کوسمجھ لیا، وہ صد ہا وَ ساوِسِ ہائِلہ وفتنہ پرِدَازیِ اَوہامِ باطلہ ودست اندازیِ ظُنُونِ عاطلہ سے امان میں رہا۔

جب کسی کوکسی شئ پرانکارومنع کرتے ،اوراسے مکروہ ،حرام ،ناجائز، کہتے سنو۔

جان لوکہ بارِثبوت اس کے ذِمَّہ ہے۔ جب تک دلیلِ واضح سے ثابت نہ کرے اُس کا دعویٰ اُسی پر مردود۔

اورجائزومباح کہنے والا ،بالکل سبکدوش کہ اُس کے لئے تمسُّک بأصل موجود۔

احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیقِ بالغ ، وثبوتِ کامل، کسی شئ کوحرام ومکروہ کہہ کر شریعتِ مطہَّرہ پر اِفترا کیجیے۔ بلکہ اِحتیاط، اِباحت ماننے میں ہے۔کہ وہی اصل متیقن ، اور بے حاجتِ مبین خودمبین۔

(اُلَا حُلٰی مِنَ السُّکَّرِ لِطلبَۃِ سُکَّرِرَ وُ سَر ،از:امام احمدرضاحنفی قادری بریلوی)

”دیکھو!اگرآدمی کوجنگل میں ایک چھوٹاسا گڈھا پانی سے بھرا ملے اوراس کے کنارے پر اَقدامِ وحوش کاپتہ چلے اورپانی بھی جانورکے پینے سے کنارے پرگرادیکھے۔بلکہ فرض کیجیے کہ جانوربھی جاتاہوانظرپڑے مگربوجہِ بُعد یاظلمتِ شب، پہچان میں نہ آئے۔تواس سے خواہی نخواہی یہ ٹھہرالینا کہ کوئی درندہ یا خاص خنزیرہی تھا۔اورپانی کوناپاک جان کراس سے اِحتراز کرنا، ہرگزحکمِ شرع نہیں۔بلکہ وَسوَسَہ ہے۔

ماناکہ جنگل میں سِباع وخنزیربھی ہیں۔ماناکہ وہ بھی انھیں پانیوں سے پیتے ہیں۔ماناکہ وہ جانورجوجاتے دیکھا،ممکن کہ سوَّ رہو۔مگرکیاممکن نہیں کہ کوئی ماکولُ اللَّحم جانورہو؟۔“

(اُلَا حُلٰی مِنَ السُّکَّرِ لِطلبَۃِ سُکَّرِرَ وُ سَر ،از:امام احمدرضاحنفی قادری بریلوی)

شبہات سے بچنااورمُشتبہ اشیاسے پرہیزکرناالگ بات ہے جومحمودومستحسن ہے۔مگر،محض شک وشبہ اورتقشُّف وتشدُّد کی بنیادپرکسی جائزچیزکوناجائزقراردینااوراسے جائزسمجھنے والوں پرطَعن وتشنیع کرنا،سخت معیوب ومذموم ہے۔

اسی حقیقت کی امام احمدرضاقادری برکاتی بریلوی نے تشریح وتوضیح فرمائی ہےاورایسے حالات ومعاملات میں تقشّف وتشدُّد برتنے والوں کوتنبیہ وہدایت فرماتے ہوئے تحریرفرماتے ہیں:

”عجب اس سے کہ وَرع کاقصد کرےاورمحرَّماتِ قطعیہ میں پڑے۔یہ صرف تشدُّد وتعمُّق کانتیجہ ہے۔اورواقعی دین وسُنَّت ،صراطِ مستقیم ہیں۔ان میں جس طرح تفریط سے آدمی ،مُدَاہِن ہوجاتاہے یوہیں اِفراط سے اس قسم کے آفات میں اِبتلاپاتاہے۔ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَهٗ عِوَجاً۔ دونوں مذموم۔

بھلاعوام بے چاروں کی کیاشکایت؟ آج کل بہت جُہّال منتسب بنامِ علم وکمال یہی رَوِش چلتے ہیں۔مکروہات بلکہ مباحات بلکہ مستحبات جنھیں بزعمِ خودممنوع سمجھ لیں اُن سے تحذیروتنفیرکو کیاکچھ نہیں لکھ دیتے؟حتیٰ کہ نوبت تابہ اِطلاقِ کفروشرک پہنچانے میں باک نہیں رکھتے۔

پھریہ نہیں کہ شایدایک آدھ جگہ قلم سے نکل جائے تودس جگہ اس کاتدارُک عمل میں آئے۔ نہیں،نہیں۔بلکہ اسے طرح طرح سے جمائیں۔اُلٹی سیدھی دلیلیں لائیں۔پھرجب مؤاخذہ کیجیے تو ہَواخواہ بفحوائے عذرِگناہ بدترازگناہ،تاویل کریں۔کہ بنظرِتخویف وترہیب،تشدُّد مقصود ہے۔

سُبۡحٰنَ اللّٰه!اچھاتشدُّد ہے کہ ان سے زیادہ بدترگناہوں کاخوداِرتکاب کربیٹھے۔کیانہیں جانتے کہ مسلمان کوکافرومشرک بتانا بلکہ براہِ اِصرارا سے عقیدہ ٹھہرانا، کتناشدیدوعظیم؟

اوردینِ حنیف،سہلِ لطیف،سحِ نظیف میں یہ سخت گیری کیسی بدعت وشنیع ووخیم؟

وَلَاحَوۡلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡم۔

نبی صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیۡهِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

آسانی کرواوردِقّت میں نہ ڈالو،اورخوش خبری دواورنفرت میں نہ ڈالو۔

احمد و البخاری و مُسلم و النَّسائی عن اَنس رَضِیَ اللّٰهُ تعالیٰ عنهُ مَرۡفُوۡعاً۔ یَسِّرُوا وَلَاتُعَسِّرُوا، وَ بَشِّرُوا وَلَاتُنفِرُوا۔

و لِمُسلم و ابی داؤد عَنۡ ابی موسیٰ الاشعری رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنۡهُ۔ کانَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیۡهِ وَسَلَّم اِذَا بَعَثَ اَحداً مِنۡ اَصحابِهٖ فی بعضِ اَمرِهٖ۔ قال: بَشِّرُوا وَ لَاتُنَفِّرُوا وَیَسِّرُوا وَلَاتُعَسِّرُوا۔

اورفرماتے ہیں صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیۡهِ وَسَلَّم:

تم آسانی کرنے والے بھیجے گئے نہ کہ دشواری میں ڈالنے والے۔

احمد و السِّتَّةُ ماخَلَا مُسۡلِماً عَنۡ ابی هُرَیرة رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنۡهُ عَنِ النَّبِی صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیۡهِ وَسَلَّم:

اِنَّمَا بُعِثۡتُمۡ مُیَسِّرِیۡنَ وَ لَمۡ تُبۡعَثُوا مُعَسِّرِین۔

اورفرماتے ہیں صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّم: ہلاک ہوئے غُلو وتشدُّد والے۔''

احمد و مسلم و ابوداؤد عن ابنِ مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ۔

عَنِ النَّبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّم: ھَلَکَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ۔

اورواردہوا۔فرماتے ہیں صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّم:

میں نرم شریعت پر، باطل سے کنارہ کرنے والی ، لے کر بھیجا گیا۔ جو میرے طریقے کا خلاف کرے، میرے گروہ سے نہیں۔

اَلخطیب فی التاریخ عن جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ۔ عَنِ النَّبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّم:

بُعِثْتُ بِالْحَنِیْفِیَّةِ السَّمْحَاءِ وَ مَنْ خَالَفَ سُنَّتِی فَلَیْسَ مِنِّی۔

اِلیٰ غیرذلکَ مِنْ اَحادیث یَطُولُ ذِکرُھا۔ وَالّتِی ذَکَرْنَا کافِیَةٌ وافِیَةٌ۔

نَسْأَلُ اللّٰہَ سُبْحٰنَہٗ الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَةَ۔ آمین۔

(اَلاَ حُلٰی مِنَ السُّکَّرِ لِطلبَةِ سُکَّرِرَ وْ سَر، مشمولہ فتاویٰ رضویہ دوم۔از: امام احمدرضا بریلوی)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس دنیا میں بے شمار اَسباب اور بہت ساری تدبیریں اپنی مخلوق کے نفع و فائدہ کے لئے تخلیق فرمائی ہیں۔ جنھیں اپنے دینی و دنیاوی اُمور و معاملات کے حل اور اِستحکام وترقی کے لئے اپنانے کا اس نے ہمیں حکم بھی دیا ہے۔

اِن اسباب وتدابیر کو ہمارے لئے لازم کیا گیا ہے اِس لئے کسی موقع پر بھی ان کو کسی خاص سبب کے بغیر، مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں حِلّت وطہارت کے ضابطے اور احکام ومسائل بیان کیے جاچکے ہیں۔

(مطبوعہ، ماہنامہ کنزالایمان، دہلی۔شمارہ ربیع الآخر/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ/ جون ۲۰۰۴ء)

مقاصدِ شریعت اور اِستنباط و اِستخراجِ اَحکام ومسائل

دینِ اسلام، صالح معتقدات ونظریات کا داعی اور شریعتِ اسلامیہ، جامع احکام ومسائلِ حیات کی حامل ہے۔ اِس دین وشریعت کے اندر حرج وعُسر نہیں، نہ ہی توحُّش وتقشّف اور تنفرُّ وتنطُّع کو اس نے رَوا رکھا ہے۔

تیسیر وتبشیر اور سَماحت وسہولت، شریعتِ اسلامیہ کا امتیاز واختصاص ہے۔ اس کے احکام واعمال مبنی بر حکمت ومصلحت ہیں۔ خواہ ان کا علم ہمیں ہو یا نہ ہو۔ بہر دوصورت ہم یہی کہیں گے کہ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

علمِ کتاب وسُنَّت اور فقہِ دینِ متین، پیغمبرِ اسلام، حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فیض وتاثیرِ صحبت وتربیت سے اَجِلَّۂ صحابہ واکابر تابعین رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن کا شِعار رہا ہے۔

تبع تابعین وائمۂ مجتہدین اور ہمارے اسلاف ومتقدمین، انھیں ''اَلرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْم'' کے نور سے عہد بہ عہد مستفید ومستنیر ہوتے رہے ہیں۔

ان نفوسِ قدسیہ کو ہر قدم پر مندرجہ ذیل نصوصِ کتاب وسُنَّت سے ہدایت ملتی رہی ہے کہ:

فَلَوْلاَ نَفَرَمِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْھُمْ طَائِفَةٌ لِیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْن (سورۂ توبہ:۱۲۲)

تو کیوں نہ ہُوا کہ ان کے ہر گروہ سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔''

مَنْ یُّرِدُاللّٰہُ بِہٖ خَیْراً یُفَقِّھْہُ فِی الدِّین وِانَّمَااَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی ۔ولَنْ تزالَ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِی ظاھِرِیْنَ عَلٰی الْحق لاَیَضُرُّھُمْ مَنْ خَالَفَھُم حَتّٰی یَاْتِی اَمْرُاللّٰہِ وھُمْ عَلٰی ذالِکَ۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

معاویہ بن ابوسفیان نے بیان کیا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ جس کے لئے خیر کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔ میں ہی تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے۔

میری اُمَّت کا ایک طبقہ، حق پر قائم رہے گا۔ جسے اس کے مخالف کوئی ضرر نہ پہنچاسکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور وہ اسی حال پر باقی رہیں گے۔''

صحابۂ کرام کے بعد فقہِ اسلامی کے اصول وفروع میں اجتہادی ملکہ رکھنے والے ائمۂ اربعہ اوران کے معاصر ائمۂ اجتہاد و مجتہدین فی الشرع، ان کے مجتہدین فی المذہب تلامذۂ کبار، پھر مجتہدین فی المسائل، ان کے بعد اصحابِ تخریج، پھر اصحابِ ترجیح، پھر اصحابِ تمییز نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں احکام ومسائلِ شرعیہ کا ہمیں ایسا خزانہ عطا فرما کر اس کا وارث وامین بنادیا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں وہ ہماری ہدایت ورہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ اور ہمیں کسی دوسری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔

ذخیرۂ فقہِ اسلامی میں ائمۂ احناف کا بیش بہا خزانہ، کتبِ اصول (ظاہر الرّوایۃ) وکتبِ نوادِر وکتبِ واقعات کے وسیع دامن میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے جلوے کتبِ متون وکتبِ شروح وکتبِ فتاویٰ میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔

عالَمِ اسلام میں عرصۂ دراز سے شروطِ اجتہاد کی جامع کوئی شخصیت ہمیں نظر نہیں آتی۔ علاّمہ جلال الدین سیوطی شافعی (وصال ۹۱۱ھ) اجتہاد کے لئے مندرجہ ذیل علوم وفنون کے اندر مہارت وکمال کو شرط قرار دیتے ہیں:

(۱) علوم کتاب اللہ (۲) علوم سُنّتِ رسولِ اللہ (۳) علمِ اصولِ فقہ (۴) علم اللُّغۃ (۵) علم المعانی المفھومۃ مِن سیاقِ القرآن (۶) علمِ نَحو (۷) علمِ صَرف (۸) علمِ معانی (۹) علمِ بیان (۱۰) علمِ بدیع (۱۱) علمِ اجماع وخلاف (۱۲) علمِ حساب (۱۳) فقہُ النفس (۱۴) علمِ قواعدِ شریعت (۱۵) علمِ اخلاق۔

مقلّدینِ محض کے ہجوم میں آج مجتہد کیا صحیح معنیٰ میں فقیہ بھی کہاں ملتے ہیں؟ تفقُّہ فی الدِّین کی نعمت کسے آسانی سے میسر آتی ہے؟ چند صدی پیشتر کے فُقہا اور مفتیانِ کرام، مجتہد بھی ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ علاّمہ ابنِ عابدین شامی حنفی (وصال ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

اَلمفتی ھُوَ الْمُجتھد۔ فامّا غیر المجتھد مِمَّن یحفظ اقوالَ الْمُجتھد فلیس بِمُفتٍ۔ والْوَاجبُ علیہ اِذاسُئِل اَن یذکر قولَ المجتھد کَالِامام عَلٰی وجہِ الحِکایۃ۔ فعُرف اَنَّ مایکونُ فِی زمانِنا مِنْ فتاویٰ الْموجودین لیس بفتویٰ بل ھُوَ نقلُ کلامِ المفتی لِیَأْخُذَ بِہٖ الْمُستفتی۔

(رَدُّ الْمُحتار عَلَی الدُّرِّ الْمُختار۔ اَلْمجلَّدُ الْاَوَّل)

عہدِ حاضر کے فقیہ ومفتی حضرات، مقلّدینِ محض نہیں بلکہ کتبِ فتاویٰ کے صرف ناقلینِ جزئیات ہیں۔ اور یہ بھی صحیح ومُصیب کم ہی ہیں۔ اور:

''فِقہ، یہ نہیں کہ کسی جُزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے۔ یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان، عربی ہے۔

بلکہ فقہ، بعد ملاحظۂ اصولِ مقرَّرہ وضوابطِ محرَّرہ ووُجوہِ تکلُّم وطُرُقِ تفاھُم وتنقیحِ مناط ولحاظِ اِنضباط ومَواضعِ یُسر واحتیاط وتجنُّبِ تفریط واِفراط وفَرْقِ روایاتِ ظاہِرہ ونادرہ وتمییزِ درایاتِ غامِضہ وظاہِرہ ومنطوق ومفہومِ صریح ومحتمل وقولِ بعض وجمہور ومُرسَل ومعلَّل ووَزنِ الفاظِ مفتین وسَبرِ مَراتبِ ناقلین وعُرفِ عام وخاص وعادات بلاد واشخاص وحالِ زمان ومکان واَحوالِ رعایا وسلطان وحفظِ مصالحِ دین ودَفعِ مفاسدِ مُفسِدین وعلمِ وُجوہِ تجریح واسبابِ ترجیح ومناہجِ توفیق ومدارکِ تطبیق ومسالکِ تخصیص ومناسکِ تقیید ومشارعِ قیود وشوارعِ مقصود وجمعِ کلام ونَقدِ مرام وفہمِ مراد کا نام ہے۔

کہ تطلُّعِ تام واِطلاعِ عام ونظرِ دقیق وفکرِ عمیق وطولِ خدمتِ علم وممارستِ فن وتیقُّظِ وافی وذہنِ صافی، معتاد، تحقیق مؤیَّد بتوفیق کا کام ہے۔

اور حقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزَّوَجلَّ بہ محض کرم اپنے بندہ کے قلب میں اِلقا فرماتا ہے۔

وَمَایُلَقّٰھَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَایُلَقّٰھَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ۔ (سورۂ حٰمٓ السَّجدۃ: آیت ۳۵)

(ص ۱۴۔ اِبانَۃُ الْمُتَوَارِی فِی مُصَالَحۃِ عبدالْباری (۱۳۳۱ھ) مؤلّفہ امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی۔ طبعِ اول، مطبعِ اہلِ سُنَّت۔ بریلی)

ایک طرف انفرادی حیثیت سے لوگوں کا اپنا دائرۂ علمِ کتاب وسُنّت، محدود۔ مطالعہ، ناقص ومنتشر۔ روحانیت، پژمردہ۔ اخلاق، زوال آمادہ۔ امانت ودیانت، رخصت پذیر۔ اور دنیاداری، حاوی وغالب ہے۔ اور دوسری طرف قافلۂ حیات، رَواں دَواں اور اس کے بے شمار تغیُّرات اور نئے نئے تقاضوں کا ہجوم ہے۔

فرد، معاشرہ، ملک اور ساری دنیا، علمی، فنّی، تجارتی، صنعتی، عسکری، سیاسی، صحافتی، تہذیبی، اخلاقی، معاشرتی شعبوں میں تیز رفتار انقلابی دَور سے گذر رہی ہے۔ زندگی کا پیمانہ اور معیارِ حیات

بدل رہا ہے۔لوگوں کے خیالات ونظریات تہ وبالا ہو رہے ہیں۔گویا نظامِ عالم، دِگرگوں ہو رہا ہے۔جس میں صرف شریعتِ اسلامیہ، واحد ایسی شریعت ہے جو اپنے ماننے والوں کی ہر سمت اور ہر جہت سے رہنمائی کر رہی ہے۔کیوں کہ یہ شریعتِ اسلامیہ، صرف **خاتمُ الشَّرائع** نہیں بلکہ ہدایتِ انسانی کے لئے **جامعُ الشَّرائط** بھی ہے۔

عہدِ حاضر میں بہتر اور افضل واسلم طریقہ یہی ہے کہ پیش آمدہ اہم مسائل کے شرعی حل کے لئے اجتماعی طریقہ کار اختیار کیا جائے اور ہر ملک کے وسیعُ النظر وکثیرُ المطالعہ مستند علما وفقہا ومفتیانِ کرام کی علمی وفقہی مجالس ومحافل میں غور وفکر اور بحث وتمحیص کے بعد متفقہ طور پر یا کثرتِ رائے کے ساتھ آخری فیصلہ کیا جائے۔

اِس موقع پر عصری اُمور ومعاملات کے کسی گوشہ کی تحقیق کے سلسلے میں یونیورسٹیوں کے قابلِ اعتماد مسلم ماہرین کے علم وفن اور ان کے تجربات سے استفادہ کی ضرورت محسوس ہو تو ان کی خدمات بھی حاصل کی جائیں۔

کتاب وسُنّت وقیاسِ شرعی واجماعِ اُمّت کی روشنی ہی میں اِستنباطِ احکام واِستخراجِ مسائل کا یہ عمل جائز ہوگا۔اِس سلسلے میں ضروری تحقیق وتفحُّص اور مقرَّرہ اصول وضوابط کو نظر انداز کر کے جو فیصلہ بھی کیا جائے گا وہ نہ صرف انحراف بلکہ ضَلالِ مُبین بھی ہوگا۔جس کی فقہِ اسلامی میں کوئی گنجائش نہیں۔

جَلبِ منفعت ودفعِ مضرَّت کے لئے ضروریات وحاجیات وتحسینات کا تعیُّن اور اِستنباطِ مسائل کے لئے مطلوبہ دینی وعلمی واخلاقی وعملی استعداد وصلاحیت لازمی ہے۔جو تبحرِ علم، وسعتِ مطالعہ، کمالِ فضل، توقُّدِ ذہن، اِصابتِ رائے، کثرتِ ممارست اور توفیقِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔

یہ اِستنباط واِستخراج، مقاصدِ شریعت (تحفظِ دین ونفس وعقل ومال ونسب) کی تکمیل کی نیت سے کیا جائے گا۔جن کی صراحت عُلمائے اصول بہت پہلے اِس طرح کر چکے ہیں:

ومَقصودُ الشَّرعِ مِنَ الخَلقِ خَمسةٌ۔

وهُوَاَنْ يحفظ عليهم دينهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم۔فَكُلُّ مايتضَمَّن حفظَ هٰذهِ الاصولِ الخمسة فهُوَمصلحةٌ وكُلُّ مايُفَوِّتُ هٰذهِ الاصول فهُوَمفسدةٌ ودَفعُها مصلحة۔

(اَلْمُستصفٰى مِنْ علمِ الاصولِ لِلْامام محمدالغزالی۔ اَلْمجلَّد الاول)

اِنَّ الشَّارِعَ قصدَ بالتَّشريع اِقامةَ الْمَصالحِ الْاُخرَوِيَّةِ والدُّنيَوِيَّة۔

لِاَنَّ اعمالَ الشَّريعةِ لَيستْ مقصودةً لِانفُسِها واِنَّما قصد بِهااُمورُاخرىٰ هِيَ معانِيها۔وهِيَ المصالحُ الَّتِي شُرِعَتْ لِاَجلِها۔

(اَلْمُوافقات فی اصولِ الشریعة لِاَبی اسحٰق الشَّاطِبی اَلْمَالِکی۔ اَلْمجلَّدُ الثّانی)

مقاصد کی اہمیت کا اندازہ اِن فقہی قواعد واصول سے ہوتا ہے کہ:

اَلْاُمُورُ بِمَقاصِدِها۔ (اَلْاَشباهُ والنَّظائرُ لِابنِ نُجيم الحنفی)

اَلْمَقاصِدُ تُغَيِّرُ اَحكامَ التَّصرُّفات (اَلْاَشباه لِابنِ نُجيم

مقاصدِ شریعت واَحوالِ اقوام واختلافِ زمان وعُرف وعاداتِ بلاد وغیرہ کو پسِ پشت ڈال کر ظاہرِ منقول کا اِعادہ کرتے رہنا، مصلحت نہیں بلکہ مفسدہ اور علم نہیں بلکہ جَہل ہے۔کیوں کہ تغیُّرِ اَحوال وفسادِ زمان کی وجہ سے بعض احکام بدلتے رہتے ہیں۔

كثيرٌ مِنَ الْاَحكامِ تختلفُ بِاختلافِ الزَّمان لِتغيُّرِعُرفِ اَهلِهٖ اَوْلِحُدُوثِ ضرورةٍ اَوْلِفَسادِاَهلِ الزَّمان بحيث لَوْبَقِىَ الحكمُ عَلٰى ماكانَ اوَّلًالزِمَ مِنْهُ الْمَشقَّة والضَّرَرُبالنَّاس۔ولَخَالَفَ قَواعِدَ الشَّريعةِ الْمَبْنِيةِ عَلٰى التَّخفيفِ والتَّيسيرِودَفعِ الضُّرورةِ والفسادِ۔

(نَشرُالْعَرف فِيمَابُنِیَ مِنَ الْاَحكام عَلَى الْعُرف، لِابنِ عابدین الشّامی الحنفی)

فَقَد ظَهرَلَكَ اَنَّ جُمُودَ الْمُفتى والقاضِى عَلٰى ظاهِرِ المنقول مَعَ تَركِ العُرف والقرائنِ الواضِحة والْجَهْل بِاَحوالِ النَّاس يَلزمُ مِنْهُ تَضْيِيعُ حقوقٍ كثيرةٍ وظلمُ خلقٍ كثيرٍ۔

(ص ۳۹۳۔ اَلْمجلَّد الاوَّل مِنَ الفتاوىٰ الرّضويه لِلْامام احمدرضا الحنفی البریلوی۔مطبوعہ بریلی وبمبئی)

مقاصدِ شریعت کو تحقیق وتفصیل سے سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ نہایت ضروری اور مفید ہے:

(۱) حکیم ترمذی (متوفی ۲۷۵ھ) کی ''اَلصَّلوٰۃُ و مَقاصِدُهَا اور اَلْحَجُّ وَاَسْرَارُه۔''

(۲) امام ابومنصور ماتریدی (متوفی ۳۳۳ھ) کی ''مَاَخِذُ الشَّرائِع'' (۳) ابوبکر قفال الشافعی

المعروف بہ قفال (متوفی ۳۶۵ھ) کی مَحَاسِنُ الشَّرِیْعَة(۴)ابوبکرابہری (متوفی ۳۷۵ھ) کی مَسْأَلَةُ الْجَوَابِ وَالدَّلَائِلُ وَالْعِلَل۔ (۵)امام باقلانی (متوفی ۴۰۳ھ) کی اَلْمُقْنِعُ فِي أُصُوْلِ الْفِقْه۔ اوراَلْاَحْکَامُ وَالْعِلَل (۶) اِمَامُ الْحَرَمَیْنِ عَبْدُالْمَلِکْ الْجُوَینی(متوفی ۴۷۸ھ) کی اَلْبُرْهَانُ فِی اُصُوْلِ الْفِقْه۔ اور۔غِیَاثُ الْاُمَم۔ (۷)حجۃ الاسلام امام محمدغزالی (متوفی ۵۰۵ھ) کی اَلْمَنْخُوْلُ مِنْ تَعْلِیْقَاتِ الْاُصُوْل۔ اور۔اَلْمُسْتَصْفیٰ مِنْ عِلْمِ الْاُصُوْل۔اورشِفَاءُ الْعَلِیْل(۸)امام فخرالدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کی اَلْمَحْصُوْل ۔ (۹) سیف الدین آمدی (متوفی ۶۳۱ھ) کی اَلْاَحْکَامُ فِی اُصُوْلِ الْاَحْکَام۔(۱۰)امام عزُّ الدین بن عبدالسلام (متوفی ۶۶۰ھ) کی اَلْقَوَاعِدُ السَّنِّیَةُ فِی الْاَسْرَارِ الْفِقْهِیَّة (۱۲) ابن السُّبکی (متوفی ۷۷۱ھ) کی جَمْعُ الْجَوَامِع (۱۳)امام ابواسحٰق شاطبی غرناطی مالکی (متوفی ۷۹۰ھ) کی اَلْمَوَافَقَاتُ فِی اُصُوْلِ الشَّرِیْعَة (۱۴)شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کی حُجَّةُ اللّٰهِ الْبَالِغَة۔

ائمۂ مجتہدین وفُقہائے اسلام کے بیان کردہ قولِ صوری وقولِ ضروری کوجان لیاجائے اور اسبابِ سِتّہ جوتغیُّرِ احکام کاسبب بنتے ہیں انہیں اچھی طرح سمجھ لیاجائے توبے شمارلوگوں کاذہنی خلجان دورہوجائے اور''تجدیدواجتہاد''اور''فقہِ اسلامی کی تشکیلِ جدید'' کی مُہم خودبخودسرد پڑ جائے۔اِسی طرح احکام ومسائلِ شریعت کے جُمودِ محض کاخیال بھی حرفِ غلط کی طرح مِٹ جائے۔

فقیہِ اسلام،امام احمدرضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّهٗ اپنے رسالہ''اَجْلَی الْاِعْلَام اَنَّ الْفَتْوٰی مُطْلَقاً عَلٰی قَوْلِ الْاِمَام''میں تحریرفرماتے ہیں:

(عربی سے ترجمہ)''قولِ صوری وہ ہے جوکسی نےصراحۃً کہااوراس سے نقل ہوا۔اورقولِ ضروری وہ قول ہے جسے قائل نےصراحۃً اورخاص طورپرنہ کہاہومگروہ کسی ایسےعُموم کےضمن میں اس کا قائل ہوجس سے ضروری طور پر برآمد ہوتا ہے کہ اگروہ اس خصوص میں کلام کرتاتواُس کاکلام ایساہی ہوتا۔

کبھی حکمِ ضروری،حکمِ صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ایسی صورت میں حکمِ صوری کے خلاف حکمِ ضروری،راجح اورفیصلہ کن ہوتا ہے۔یہاں تک کہ اب قولِ صوری پرعمل کرنا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے۔اورحکمِ صوری کوچھوڑکرحکمِ ضروری کی طرف رجوع کوقائل کی موافقت یااس

کی پَیروی کہاجاتا ہے۔مثلاً:

زید،نیک اورصالح انسان تھااس لئےعَمرو نے اپنے خادموں کوکھلےلفظوں میں صراحۃً حکم دیاکہ وہ زید کی تعظیم کیاکریں۔اس نے اس حکم کابار بار،اِعادہ کیا۔لیکن اس سے پہلے وہ خُدّام کویہ حکمِ عام بھی دے چکاتھاکہ کسی فاسق کی تعظیم ہرگزنہ کریں۔

اتفاق ایساہواکہ زید،فاسقِ مُعلن ہوگیا۔اب اگرعَمرو کےخُدّام اس کےمکرّروثابت شدہ صریح حکم پرعمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عَمرو کے نافرمان شمار ہوں گے ۔ اوراگراس کی تعظیم،ترک کردیں گےتواطاعت گذارٹھہریں گے۔

ایساہی معاملہ اَقوالِ ائمہ میں بھی پایاجاتا ہے۔

(رسالہ''اَجْلَی الْاِعْلام ۔مشمولہ درآغازفتاویٰ رضویہ،جلداول،مطبوعہ بریلی وبمبئی)

''ائمۂ مذہب کےقولِ صوری کے خلاف،حکمِ ضروری پرعمل ہوتا ہے،جس کے درج ذیل چھ(۶)اسباب ہوتے ہیں:

(۱)ضرورت (۲)حَرج (۳)عُرف (۴)تعامُل (۵) کوئی اہم مصلحت،جس کی تحقیق،مطلوب ہو(۶) کوئی بڑامفسدہ،جس کاازالہ مطلوب ہو۔

اِن اسباب کی بناپرقولِ ضروری پرعمل اس لئے ہوتا ہے کہ:

ضرورتوں کااِستثنا،حرج کادفعیہ،ایسی دینی مصلحتوں کی پاس داری جواپنے سے زیادہ فساد سے خالی ہوں۔مفاسدکودورکرنا،عُرف کالحاظ کرنا،اورتعامُل پرکاربندہونا،یہ سب ایسےقواعدِ کلّیہ ہیں جوشریعت سے معلوم ہیں۔

سارے ائمہ ان کی جانب مائل،ان کی پاسداری کے قائل اوران پراعتمادکرتے ہیں۔

اب اگرکسی مسئلہ میں امام کاکوئی صریح،حکم موجود ہوتوپھرحکم،تبدیل کرنے والے مذکورہ اُمورمیں سےکوئی ایک پیداہوتوہمیں یہ قطعی یقین ہوگاکہ:

اگریہ صورتِ حال،خودامام مذہب کے زمانے میں پیداہوتی تواُن کاقول،اس کےتقاضے کے مطابق ہوتا۔اِن حالات سے آنکھیں موندکراس کے برعکس،وہ امام بھی حکم نہ دیتے۔

ایسی صورت میں امام سے غیرمنقول،قولِ ضروری پرعمل کرناہی دراصل اُن کےقول پرعمل ہے۔

اب ان کے سابقہ منقول اَقوالِ صریح پر جَم جانا، ان کی پَیروی نہ کہلائے گی۔''

(رسالہ ''اَجلیٰ الْاِعلام ۔مشمولہ درآغاز فتاویٰ رضویہ، جلداول، مطبوعہ بریلی وبمبئی)

صدرُ الشریعہ، حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''احکامِ قطعیہ مَنصوصہ میں ردّ وبدل کا کسی کو اختیار نہیں۔ جو حرام ہیں، حرام ہی رہیں گے۔ اور جو حلال ہیں حلال۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذَالِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْم۔

اللہ کے کلمات، بدلے نہیں جاسکتے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''

اور فرماتا ہے: لَامُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ وَھُوَالسَّمِیْعُ الْعَلِیْم۔

اس کے کلمے، کوئی بدلنے والے نہیں۔ وہ سننے جاننے والا ہے۔''

بعض احکامِ ظَنّیہ میں مصلحت یاضرورت یاعُموم بلوٰی وغیرہاؤ جوہ سے عُلمائے کرام نے زیادت ونَقص وخلاف کاحکم دیا۔ اوراس کے نظائر، کتبِ فقہ میں کثیر ہیں کہ متقدمین نے ایک قول پرفتویٰ دیا تھا اورمتاخرین نے اس کے خلاف پر''

(ص ۱۶۰۔فتاویٰ امجدیہ، جلدِ سوم۔مطبوعہ دَائِرۃُ الْمَعَارِفِ الْاَمجدیہ۔قصبہ گھوسی، ضلع مئو، یوپی۔ ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء)

مُرورِ زمانہ سے متعدد احکام کے مبدَّل ہونے کی مثالیں پیش کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

''یہ کچھ نظائر، بیان میں آئے جن میں تبدُّلِ زمان سے حکم، مختلف ہوگیا۔ اور جس نے کلماتِ عُلما کا تتبع کیا وہ جانتا ہے کہ کلامِ عُلما میں اس کی بہت سی نظیریں ملیں گی کہ زمانۂ سابق میں اور حکم تھا اور اب کچھ اور۔

طحطاوی کا یہ جُملہ۔ قالُوا: اَلْاَحکامُ تَختَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمان۔ اس مضمون پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ نیز جواھرِ اَخلاطی میں ہے:

ھُو اِنْ کَانَ اِحْدَاثاً فَھُوَبِدْعَۃٌ حَسَنَۃٌ وَکَمْ مِنْ شَیءٍ یَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَ الْمَکَان۔

مگران سب صورتوں میں تبدیلِ احکام نہیں بلکہ :اَلضُّرُوْرَاتُ ،تُبِیْحُ الْمَحْذُوْرَات

پرنظر ہے۔ یااِذَاابتُلِیَ بِبَلِیَّتَینِ فَلْیَختَرْ اَھْوَنَھُمَا کالحاظ، ایسے اُمور کی طرف داعی ہوتا ہے۔ یااختلافِ زمانہ ومصالحِ مُسلمین ان کی مقتضی ہوتی ہیں کہ:

یہ حالت اگر زمانۂ متقدم میں پائی جاتی تواس وقت یہی حکم ہوتا جواَب ہے۔ اور متقدمین بھی اسی پرفتویٰ دیتے جس پر متاخرین نے دیا ہے۔

لِھٰذا سوال کا جواب یہ ہے کہ

احکام، حقیقۃً نہیں بدلتے۔ ہاں! بعض احکام صورۃً متغیّر ہوجاتے ہیں۔'' الخ

(ص ۱۶۴۔فتاویٰ امجدیہ۔جلد سوم)

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی ضروری ہے کہ:

اسبابِ ستّہ میں سے کسی سبب کی بنیاد پر حکمِ سابق کوتبدیل کرنے کا حق اُن فُقہا ومُفتیانِ کرام ہی کو حاصل ہے جوفقہ واِفتا کی مطلوبہ صلاحیت کے ساتھ اقوالِ ائمہ ومجتہدین کی تلفیق وتحقیق وتطبیق اوران کے محمولات وغیرہ پرمکمل عبور رکھتے ہوں۔

قدیم مسائل، حل کرنے کے جوقواعد وضوابط ہیں وہی جدید مسائل کے لئے بھی اَساس وبنیاد ہیں۔ اورنُصوصِ کتاب وسُنّت وآثار ورِوایاتِ صحابہ وتابعین اورارشادات واقوالِ مجتہدین کا اِلتزام، انہیں سے اِستدلال، انہیں سے اِستنباط، انہیں سے اِستخراج اورانہیں سے ہرحال میں اِستفادہ واِستفاضہ ضروری ہے۔ یہی وہ محور ومرکز ہے جس پرثابت وقائم رہ کر مقاصدِ شریعت کی تحصیل وتکمیل ہوسکتی ہے اورمصالح ومفاداتِ اُمّت کاتحفظ ودفاع ہوسکتا ہے۔

شریعتِ مطہَّرہ، نہ حُرِّیّت مطلقہ، نہ ہی جُمود وتعطُّلِ عام کی اجازت دیتی ہے۔ اس کا دامن، نہایت وسیع ہے اوراس کے دامن سے وابستہ رہ کر ہی فلاح وکامیابی میسر آسکتی ہے۔

یہ شریعت، یُسر وسَماحت کو پسند اور حَرج وتنگی کوناپسند کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمۂ مجتہدین وعُلمائے اصول نے اصولِ فقہ اسلامی کی ترتیب وتدوین کے وقت اس جہت سے بھی جوضوابط وکلیات وضع کیے وہ نہایت اہم ہیں۔ مثلاً:

اَلْمَشَقَّۃُ تَجلبُ التَّیسِیر۔ اَلْاَمرُاِذا ضَاقَ اِتَّسعَ۔ اَلضَّرَرُیُزَال۔

اَلضُّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْذُوْرَات۔ وغیرہ۔

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بیان کرتے ہیں۔ نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

نے ارشادفرمایا:

اَنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ۔ وَلَنْ یُشادَّالدِّیْنَ اَحَدٌاِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُواوَقَارِبُوا وَبَشِّرُوا۔

(صحیح بخاری وسُننِ نسائی)

بے شک، دین آسان ہے۔ اوردین میں جوتشدّد وتعمق کرے گا اُس پر یہ غالب اورسخت ہوجائے گا۔تو درستی ونرمی وبشارت کی راہ اختیار کرو۔‘‘

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بیان کرتے ہیں۔رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم نے ارشادفرمایا:

بُعِثْتُ بِالْحَنِیْفِیَّةِ السَّمْحَاءِ وَمَنْ خَالَفَ سُنَّتِی فَلَیْسَ مِنِّی۔

(رواه الخطيبُ فی تاریخه)

میں باطل سے کنارہ کرنے والی نرم شریعت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔جومیرے طریقے کا خلاف کرے،وہ میرے گروہ سے نہیں۔‘‘

ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بیان کرتے ہیں۔نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم نے ارشادفرمایا:

یَسِّرُوْاوَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَاتُنَفِّرُوْا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

سہولت وآسانی کرواور دِقّت ومشقت میں نہ ڈالو۔اور بشارت وخوش خبری دواوروحشت ونفرت میں نہ ڈالو۔‘‘

اپنے بندوں پررحیم وکریم خالقِ کائنات عَزَّوَجَلَّ ارشادفرماتا ہے:

وَمَاجَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ (سورۂ حج:۷۸)

اورتم پردین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔‘‘

مَایُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ حَرَجٍ (سورۂ مائدہ:۶)

اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے۔‘‘

(ص۱۲۱ تاص ۱۲۸۔ پیغامِ عمل، مؤلفہ یٰسٓ اختر مصباحی۔طبع رابع ۲۰۰۸ء وطبع خامس ۲۰۰۹ء)

چلتی ٹرین میں نماز کا مسئلہ

قارئینِ کرام،مندرجہ ذیل دوحقائق اچھی طرح سمجھ لیں توانھیں بعض احکام ومسائلِ فقہ اوران کے متعلقات پرغوروفکر کرکے صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں کافی مدد ملے گی۔

(۱)مجتہدینِ کرام اگرکسی غیرمنصوص اورظنّی امرمیں اپنے علم وتحقیق کے مطابق کسی نتیجہ تک پہنچ کر کوئی حکمِ شرعی واضح کریں اوران کا اَخذکردہ نتیجہ اور بیان کردہ مسئلہ اگرصحیح ہے تووہ حضرات،دواَجر کے مستحق ہوں گے۔ورنہ ایک اَجر کے بہرحال وہ مستحق ہوں گے۔

اِسی طرح آج کے فقہاے اسلام کسی حادِث وجدیدمسئلہ میں اپنے علم وتحقیق کے مطابق کوئی حکمِ شرعی واضح کریں تومجتہدینِ کرام کے دینی وعلمی وارِث ونائب ہونے کی حیثیت سے دویاایک اَجر کے مستحق یہ حضرات بھی ہوں گے۔

مُعتمد ومُستند فقہاے کرام ومفتیانِ عِظام اپنے علم وعقل اورتجربہ ومشاہدہ کی روشنی میں کسی جدیدمسئلہ کا جوبھی شرعی حل پیش کریں اورشرعی مسئلہ بیان فرمائیں اُن میں وہ ہرحال میں مستحق اَجروثواب ہوں گے۔

اَخذکردہ نتائج اور بیان کردہ مسائل میں جوبھی اختلاف ہومگر ہر مُعتَمد ومُستَند فقیہ ومفتی چوں کہ اپنی نیت میں مخلص ہے اوراس نے صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے اپنی بھرپور ذہنی وفکری وعلمی توانائی صَرف کی ہے اس لئے وہ بارگاہِ الٰہی میں اَجروثواب سے نوازاجائے گا۔

اورایسے کسی بھی فقیہ ومفتی پرانگشت نمائی کرنے والااوراسے طَعن وتشنیع کے ساتھ یادکرنے والاشخص اپنی حرکت واہانت کے انجام کوپہنچے گا اورکل بروزِقیامت اُسے اِس کی عبرت ناک سزابھی ملے گی۔اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالیٰ۔

(۲)مجتہدینِ کرام نے ہماری سہولت وآسانی کے لئے ہزاروں لاکھوں احکامِ شرع

اپنے اپنے دَور میں پورے اخلاص وتحقیق کے ساتھ واضح کر دیے ہیں۔

اِن احکام ومسائل میں بعض وہ ہیں جن کا تعلق اَحوال وتغیُّراتِ زمان ومکان سے ہے۔

کبھی کسی ضرورت وحاجت وغیرہ کے تحت اور کبھی عِلّت کے بدل جانے سے ظاہری طور پر بعض احکام ومسائل بدل جاتے ہیں۔ مُعْتَمَد ومُسْتَنَد فقہا ومفتیانِ کرام ہر دَور میں اِن تبدیل شدہ احکام ومسائل کو واضح اور بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔ صدیوں سے یہی معمول چلا آرہا ہے۔ اور آج بھی اسی کے مطابق عمل ہورہا ہے۔ آئندہ بھی اسی طرح ہوتا رہے گا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی

کسی مسلمان کے لئے ہرگز یہ رَوا نہیں کہ وہ اِس عملِ خیر کو کسی بھی شکل میں نشانہ بنائے۔ اور اگر خدانخواستہ کوئی شخص ایسا کچھ کرے گا تو اپنی جہالت یا کسی نفسانیت کے تحت وہ خود اپنا نامۂ اعمال، سیاہ کرے گا۔ جس سے اللہ کی پناہ!

فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

”.........جہاں اِختلافاتِ فرعیہ ہوں، جیسے باہم حنفیہ وشافعیہ وغیرھُمَا فِرَقِ اہلِ سُنَّت میں، وہاں ہرگز ایک دوسرے کو بُرا کہنا جائز نہیں۔
اور فحش دُشنام جس سے دِہن، آلودہ ہو، کسی کو بھی نہ چاہیے۔“

(الملفوظ، حصہ اول۔ مؤلفہ مفتیِ اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی۔ مطبوعہ بریلی ومیرٹھ وبمبئی وغیرہ)

تنبیہ وہدایت کے لئے مندرجہ ذیل ”تحقیقات وارشاداتِ رضویہ“ بھی قارئین کرام غور سے پڑھیں جو آپ کے رسالہ ”اَجْلَی الْاِعْلَام اَنَّ الفتوٰی مُطلقاً عَلٰی قولِ الْاِمام“ سے یہاں منقول ہیں:

(عربی سے ترجمہ) قول، دو قسم کے ہیں: صوری اور ضروری۔

قولِ صوری، وہ ہے جو کسی نے صراحۃً کہا اور اُس سے نقل ہوا۔

اور قولِ ضروری وہ ہے جسے قائل نے صراحۃً اور خاص طور پر نہ کہا ہو۔ مگر وہ کسی

ایسے عُموم کے ضمن میں اُس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم، برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اُس کا کلام ایسا ہی ہوتا۔

کبھی حکمِ ضروری، حکمِ صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حکمِ صوری کے خلاف حکمِ ضروری، اَرْجح اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔

یہاں تک کہ اب قولِ صوری پر عمل کرنا، قائل کی مخالفت، شمار ہوتا ہے۔ اور حکمِ صوری کو چھوڑ کر حکمِ ضروری کی طرف رُجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے۔ مثلاً:

زید، نیک اور صالح انسان تھا اِس لئے عَمرو نے خادموں کو کھلے لفظوں میں صراحۃً حکم دیا کہ:

وہ زید کی تعظیم کیا کریں۔“ اُس نے اس حکم کا بار بار اِعادہ کیا۔

لیکن اِس سے پہلے وہ خُدَّام کو یہ حکمِ عام بھی دے چکا تھا کہ:

کسی فاسق کی تعظیم نہ کریں۔“

اتفاق ایسا ہوا کہ زید، فاسق ہوگیا۔ اب اگر عَمرو کے خُدَّام اُس کے مکرَّر و ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عَمرو کے نافرمان، شمار ہوں گے۔

اور اگر اُس کی تعظیم، تَرک کر دیں گے تو اِطاعت گذار ٹھہریں گے۔

ایسا ہی معاملہ، اَقوالِ ائمہ میں بھی پایا جاتا ہے“

.............”ائمۂ مذہب کے قولِ صوری کے خلاف، حکمِ ضروری پر عمل ہوتا ہے۔ جس کے چھ (۶) اسباب ہوتے ہیں:

(۱) ضرورت (۲) حرج (۳) عُرف (۴) تعامل (۵) کوئی اہم مصلحت! جس کی تحصیل، مطلوب ہو (۶) کوئی بڑا مفسدہ، جس کا اِزالہ، مقصود ہو۔

اِن اسباب کی بِنا پر قولِ ضروری پر عمل اِس لئے ہوتا ہے کہ:

ضرورتوں کا اِستثنا، حرج کا دفعیہ، ایسی دینی مصلحتوں کی پاس داری جو اپنے سے زیادہ فساد سے خالی ہوں۔ مفاسد کو دور کرنا، عُرف کا لحاظ کرنا، اور تعامُل پر کار بند ہونا، یہ سب ایسے قواعدِ کلّیہ ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں۔

سارے ائمہ اِن کی جانب مائل، اِن کی پاسداری کے قائل اور اِن پر اعتماد کرتے ہیں۔

اب اگر کسی مسئلہ میں امام کا کوئی صریح حکم موجود ہو تو پھر حکم، تبدیل کرنے والے مذکورہ اُمور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں یہ قطعی یقین ہوگا کہ:

اگر یہ صورتِ حال، خود امامِ مذہب، کے زمانے میں پیدا ہوتی تو اُن کا قول، اُس کے تقاضے کے مطابق ہوتا۔ اِن حالات سے آنکھیں موند کر اُس کے برعکس، وہ بھی حکم نہ دیتے۔

ایسی صورت میں اُن سے غیر منقول، قولِ ضروری پر عمل کرنا ہی در اصل اُن کے قول پر عمل ہے۔

اب اُن کے سابقہ منقول، اَقوالِ صریح پر جَم جانا، اُن کی پیروی نہ کہلائے گی۔"

(رسالہ "اَجلیٰ الْاِعْلام اَنَّ الفتویٰ مُطلقاً عَلٰی قولِ الْاِمام" مشمولہ درآغازِ فتاویٰ رضویہ، جلدِ اول مطبوعہ بریلی وبمبئی)

مندرجہ ذیل "تحقیقات و اِفاداتِ امجدیہ" بھی قارئین کرام بغور ملاحظہ فرمائیں:

"بعض اَحکامِ ظنّیہ میں مصلحت یا ضرورت یا عُمومِ بلویٰ وغیرہا وُجوہ سے عُلمائے کرام نے زیادت ونَقص وخلاف کا حکم دیا ہے۔ اور اِس کے نظائر، کتبِ فقہ میں کثیر ہیں کہ:

متقدمین نے ایک قول پر فتویٰ دیا تھا اور متاخرین نے اُس کے خلاف پر۔"

(ص ۱۶۰۔ فتاویٰ امجدیہ، جلدِ سوم۔ بقلم صدرُ الشریعہ، مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی۔ مطبوعہ دَائِرۃُ الْمَعَارِفِ الْاَمْجدِیَہ۔ قصبہ گھوسی۔ ضلع مئو۔ اتر پردیش۔ ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء)

.........یہ کچھ نظائر، بیان میں آئے جن میں تبدیلِ زمان سے حکم مختلف ہوگیا۔ اور جس نے کلماتِ عُلما کا تتبع کیا وہ جانتا ہے کہ کلامِ عُلما میں اِس کی بہت سی نظیریں ملیں گی کہ کسی زمانہ سابق میں اور حکم تھا اور اب کچھ اور۔

طحطاوی کا یہ جُملہ۔ قَالُوا: اَلْاَحْکَامُ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَان۔ اِس مضمون پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ نیز جواھرِ اَخلاطی میں ہے: ھُوَ اِنْ کَانَ اِحْدَاثاً فَھُوَ بِدعۃٌ حَسَنَۃٌ۔ وَکَمْ مِنْ شَیْءٍ یَختِلفُ بِاختلافِ الزَّمانِ والْمَکان۔

مگر ان سب صورتوں میں تبدیلِ احکام نہیں بلکہ: اَلضُّرُورَاتُ تُبِیحُ الْمَحْذُورَات پر نظر ہے۔ یا۔ اِذَا ابتُلِیَ بِبَلِیَّتَین فَلْیَختَرْ اَھْوَنَھُمَا کا لحاظ، ایسے اُمور کی طرف داعی ہوتا ہے۔ یا اختلافِ زمانہ ومصالحِ مسلمین ان کی مقتضی ہوتی ہیں کہ:

یہ حالت اگر زمانہ متقدم میں پائی جاتی تو اُس وقت یہی حکم ہوتا جو، اَب ہے۔ اور متقدمین بھی اِسی پر فتویٰ دیتے جس پر متاخرین نے دیا ہے۔

لِھٰذا۔ سوال کا جواب یہ ہے کہ:

احکام، حقیقۃً نہیں بدلتے۔ ہاں! بعض اَحکام، صورۃً متغیّر ہوجاتے ہیں۔" الخ۔

(ص ۱۶۴۔ فتاویٰ امجدیہ، جلدِ سوم۔ مطبوعہ دائرۃُ الْمعارف الامجدیہ۔ قصبہ گھوسی۔ ضلع مئو اتر پردیش۔ ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء)

مفقودُ الخبر شوہر کی بیوی کے بارے میں فقہِ حنفی کے جمہور ائمۂ کرام وفُقہائے عِظام کا فتویٰ صدیوں تک یہی رہا ہے کہ:

شوہر کے مفقودُ الخبر یعنی غائب اور لاپتہ ہوجانے کے بعد عادۃً اُس کی موت، مَظنُون ہو یا اُس کی ولادت سے ستَّر (۷۰) سال گذر جائیں اور اس شوہر کا کچھ بھی سُراغ نہ لگ سکے کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے۔

ایسے حالات میں قاضی، اس کی بیوی کے اِستغاثہ کی صورت میں اُس گم شدہ ولا پتہ شوہر کی تلاش وجستجو کی کارروائی اور متعینہ مدتِ وفات کی تکمیل کے بعد اُس کی موت کا حکم، صادر کرے گا۔ اور زَنِ مفقودُ الخبر، چار ماہ دس دن کی عدتِ وفات گذار کر اگر چاہے تو دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

جب کہ فقہِ مالکی میں ایسے مفقودُ الخبر شوہر کے انتظار کی مدت محض چار سال ہے۔

مَعْدُ ومَۃُ النَّفقہ بیوی کے بارے میں فقہِ حنفی کے جمہور ائمۂ کرام وفقہائے عِظام کا صدیوں تک یہی فتویٰ رہا ہے کہ:

جو بیوی اپنے شوہر کی طرف سے نفقہ پانے سے محروم ہو، خواہ اس کے شوہر کی غُربت و اِفلاس کی وجہ سے، خواہ اُس کے لاپتہ ہوجانے کی وجہ سے وہ مَعْدُ ومَۃُ النَّفقہ (نان ونفقہ سے محروم) ہو، ہر دوصورت میں اُس کی موت یا طلاق کے بعد ہی میاں بیوی کے درمیان، تفریق ہوسکتی ہے۔

فقہِ شافعی میں غَیْبَت (شوہر کے لاپتہ ہونے سے) یا عُسْرت (شوہر کی طرف سے نان ونفقہ نہ ملنے سے) دونوں صورت میں بیوی کی طرف سے قاضی کے یہاں اِستغاثہ ومطالبۂ تفریق ہونے پر بعد ثبوتِ صحتِ دعویٰ، قاضی ان دونوں (زن وشوہر) کے درمیان تفریق کردے گا۔

مفتیِ اعظم، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی وبُرہانِ مِلَّت، مولانا مفتی محمد عبدالباقی بُرہان الحق رضوی جبل پوری اور دیگر اکابر عُلما وفقہائے اہلِ سُنَّت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالیٰ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن نے زوجۂ مفقودالخبر اور مَعْدُ ومَۃُ النَّفقہ کے بارے میں کافی غور وخوض وتبادلۂ خیال کے بعد جو فیصلہ فرمایا اُس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) ضرورت ومصلحت کے تحت مفقودُ الخبر شوہر کے بارے میں حنفی قاضی بھی اپنی صواب دید پر فقہِ مالکی کے مطابق، زَوجَین کے درمیان، تفریق کرسکتا ہے۔

(۲) ضرورت ومصلحت کے تحت بعدِ صحتِ ثبوتِ دعویٰ مَعْدُ ومَۃُ النَّفقہ کے فسخِ نکاح وتفریق کا حکم فقہِ شافعی کے مطابق، حنفی قاضی بھی اپنی صواب دید پر دے سکتا ہے۔

اب مذکورہ دونوں نئے فیصلوں کے بارے میں کوئی یہ حَرف گیری اور رائے زنی کرے کہ:

فقہِ حنفی کے وہ فیصلے جن پر امام اعظم ابوحنیفہ، اُن کے تلامذہ اور ان کے بعد کے مجتہدین وعلما وفقہائے احناف کا تقریباً بارہ سو سال تک جو متفقہ فتویٰ وعمل رہا اُس سے اختلاف کرتے ہوئے چودھویں صدی ہجری کے عُلما وفُقہائے احناف نے بالکل نیا فتویٰ صادر کیا اور امام اعظم سے اعلیٰ حضرت تک جو مُتَّفق عَلَیْہِ مسئلہ اور فتویٰ تھا اُسے اُلٹ کر رکھ دیا۔''

ایسی تنقید وتبصرہ کرنے والا مولوی، فقہ واِفتا سے قطعاً نابلد ہے اور اُسے اتنی واضح ومعروف بات بھی نہیں معلوم کہ فقہِ حنفی کے کسی حکمِ سابق میں دَورِ مَابعد کے مستند عُلما وفقہائے اَحناف کوئی

تبدیلی کریں تو اس تبدیل شدہ صورت اور مسئلہ کو بھی فقہِ حنفی کا جُز اور اسی کا حصہ مانا جائے گا۔

مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی اپنی ایک نہایت اہم فقہی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ:

''مذہبِ ائمۂ حنفیہ وجمہور ائمۂ کرام میں زنِ مفقود پر انتظار، فرض ہے۔ یہاں تک کہ اتنا زمانہ گذر جائے کہ عادۃً، موتِ مفقود (لاپتہ شوہر کی موت) مَظنُون ہو اور اس کی تقدیر مفتیٰ بہ مؤیَّد بحدیثِ صحیح یہ ہے کہ روزِ ولادتِ مفقود سے ستر (۷۰) سال گذر جائیں۔

امام مالک رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بھی در بارۂ مالِ مفقود یہی حکم دیتے ہیں مگر در بارۂ زَن، خلاف کرتے ہیں۔ (ص ۳۹۱۔فتاویٰ رضویہ ج:۶۔سنّی دارالاشاعت، مبارک پور)

اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ، زوجۂ مفقودالخبر کے بارے میں یہی فرمان جاری کرتے رہے۔ مگر آپ کے وصال کے ایک عرصہ بعد، اِدارۂ شرعیہ، پٹنہ (صوبہ بہار) کے قیام کے وقت جب رئیس القلم، حضرت علّامہ ارشدالقادری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے فقہائے اہلِ سُنَّت کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش کیا تو ان حضرات نے بحث ونظر کے بعد بوجہِ ضرورتِ شرعیہ، زوجۂ مفقودالخبر کے بارے میں امام مالک رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے مذہب پر عمل کی اجازت اِن الفاظ میں دی:

''ضرورت ومصلحت کے وقت مذہبِ امام مالک پر عمل کرتے ہوئے قاضیِ حنفی بھی تفریق کرسکتا ہے۔ جیسا کہ علّامہ شامی نے رَدُّالمُحتار میں ''مسئلہ ممتدۃُ الطُّہر'' کے بارے میں فرمایا ہے۔''

(دارالقضاۃ کے فرائض ومسائل۔ص۴۔مرتّبہ مفتی عُبید الرحمٰن رشیدی پورنوی۔صدر مدرس، مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور۔بہار)

حضرت مولانا مفتی عُبیدالرحمٰن رشیدی دَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی، سجادہ نشین خانقاہِ رشیدیہ۔جون پور (سابق صدر مدرس، مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور، بہار) کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ملکُ العُلما، حضرت مولانا ظفرالدین رضوی رحمۃ اللّٰہ عَلَیْہِ، مدرسہ شمس الھُدیٰ، پٹنہ سے رِٹائرڈ ہوکر جب جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم، کٹیہار (صوبہ بہار) بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے تو وہاں آپ کی خدمت میں ایک زوجۂ مفقودُ الخبر نے اِستغاثہ پیش کیا۔ اور آپ نے تحقیق وتفتیش کے بعد مذہبِ امام مالک پر فیصلہ صادر فرمایا۔

مفتی صاحب، موصوف نے بتایا کہ اس وقت وہ ہدایۃ النحو کے طالب علم تھے۔

ہاں! اعلیٰ حضرت عَلَیہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان نے اپنے ایک فتویٰ میں امام مالک رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ کا مذہب نقل کر کے یہ لکھا ہے کہ:

''حنفی، وقتِ تحقق ضرورتِ صحیحہ اس پر عمل کرسکتا ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ ج:۶ ص:۳۲۰۔ سنی دارُالاشاعت، مبارک پور)

مگر آپ کے فتاویٰ سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ آپ نے اپنے دَور میں ضرورتِ صحیحہ کا تحقُّق مانا۔ اس کے برخلاف آپ کے شہزادے، حبرُ الاُمَّت، مفتیِ اعظم، حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ نے اپنے دَور میں ضرورتِ شرعیہ کا تحقُّق تسلیم کیا اور فقہاے اہلِ سُنَّت کے صدرِ اعلیٰ کی حیثیت سے مذہبِ امام مالک پر قاضی کو فیصلے کی اجازت دی اور اُس وقت سے عُلما اسی کے مطابق فتوے اور فیصلے صادر کرتے ہیں۔

اب مَعْدُومَۃُ النَّفقہ کا نکاح فسخ کرنے کی اجازت۔

عورت کو شوہر کی طرف سے نان ونفقہ نہ ملے تو اسے ''مَعْدُومَۃُ النَّفقہ'' کہتے ہیں۔ مذہبِ حنفی میں نفقہ سے محرومی کی وجہ سے اس کا نکاح، شوہر سے فسخ کرنے کی اجازت نہیں۔ لِهٰذا بغیر شوہر کی موت یا طلاق کے، میاں، بیوی کے درمیان تفریق نہیں ہوسکتی۔

فقیہِ بے مثال، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا عَلَیہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ چنانچہ آپ اپنے ایک فتویٰ میں رقم طراز ہیں:

''بے افتراق بموت یا طلاق، دوسرے سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ ہمارے نزدیک غَیْبَت (شوہر کے غائب ہونے) خواہ عُسرت (شوہر کے مفلس وتنگ دست ہونے) کے سبب ادائے نفقہ سے شوہر کا عجز یا تحصیلِ نفقہ سے عورت کی محرومی، باعثِ تفریق نہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ۔ ج:۵۔ ص:۵۰۱، کتاب الطلاق۔ سنی دارُالاشاعت، مبارک پور)

مگر اس کے برخلاف ہمارے بعد کے اکابر عُلماے اہلِ سُنَّت رَحِمَهُمُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ نفقہ سے عجز کی دونوں صورتوں میں فسخِ نکاح وتفریق کی اجازت ہے۔ کلمات یہ ہیں:

''مَعْدُومَۃُ النَّفقہ: ایسی عورت جس کو شوہر کی جانب سے نان ونفقہ نہ ملتے ہوں۔ اس کی

دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: شوہر، موجود ہے مگر اِفلاس وغربت کی وجہ سے اپنی بیوی کو نان ونفقہ دینے سے عاجز ہے۔ ایسی صورت میں اگر عورت، قاضی سے تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی بعدِ ثبوتِ عجز، زن وشوہر کے درمیان تفریق کر دے۔

دوسری صورت: شوہر، نان ونفقہ دینے پر قادر ہے مگر غائب ہونے کی وجہ سے نان ونفقہ نہیں دے رہا ہے اور عورت شوہر کے مال سے نان ونفقہ وغیرہ حاصل کرنے پر قدرت نہیں رکھتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر عورت، قاضی سے تفریق کا مطالبہ کرے تو بعدِ ثبوتِ صحتِ دعویٰ، قاضی، زن وشوہر کے درمیان تفریق کر دے۔

یہ دونوں صورتیں، حضرت امام شافعی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہ کے مسلک پر ہیں۔ مگر ضرورت ومصلحت کے پیشِ نظر ہمارے کچھ عُلما نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔ جیسا کہ ''مجمعُ الانھر'' میں ہے۔''

کَتَبَہٗ عَبْدُہُ الْمُذْنِب محمد عُبیدُ الرحمٰن غَفَرَلَہٗ رَبُّہٗ۔ صدر مدرس، مدرسہ فیض العلوم جمشید پور۔ ۲۶؍جمادی الآخرہ ۱۳۸۹ھ۔

(۱) صَحَّ الْجوابُ بِعَونِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب۔ والمُجیبُ العَلَّام مُصِیبٌ وَّمُثَابٌ۔ عبدالعزیز عُفِیَ عَنْہٗ۔

دارُالعلوم اشرفیہ، مبارک پور۔ (وارِدِحال) جامعہ عربیہ انوارُ القرآن، بلرام پور، گونڈہ۔

(۲) اَلْجوابُ صَحِیحٌ۔ وَاللّٰہُ تَعَالیٰ اَعْلم۔ محمد شریف الحق امجدی۔

(۳) فقیر اِس فتویٰ کی تصدیق وتوثیق کے ساتھ اس کے مُحرِّک ومُرتِّب کے لئے اَجرِ عظیم کی دعا کرتا ہے۔ فقیر عبدالباقی برہان الحق جبل پوری۔ ۲۷؍رمضان، یوم لیلۃ القدر ۱۳۸۹ھ۔

''دارُ القضاۃ'' کے فرائض ومسائل'' مرتَّبہ حضرت مولانا مفتی عُبید الرحمٰن رشیدی پورنوی میں ہے کہ:

سالِ گذشتہ، دارُ القضاۃ کے قیام کے سلسلے میں مشاہیر عُلماے اہلِ سُنَّت سے ایک اِستفتا کیا گیا جس کے جواب کا خلاصہ، درج ذیل ہے:

(۱) آج کے ہندوستان میں اپنے اُن معاملات کے فیصلے کے لئے جن میں ''مسلمان

حاکم" ہونے کی شرط ہے، جمہور مسلمین کو شرعاً یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی عالمِ باشرع کو اپنا قاضی مقرّر کرلیں۔ ایسے قاضی کا فیصلہ اپنے حُدودِ خاص میں جائز ونافذ ہوگا۔

(شامی، جامع الفصولین، فتاویٰ رضویہ، بہارِ شریعت)

(۲) مفقودُالخبر، مَعْدُومَۃُ النَّفقہ، عِنّین، مجنون، معلّقہ وغیرہا مسائل میں ازرُوئے شرع، مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی، عورت کی درخواست پر زن وشوہر کے درمیان تفریق بھی کرا سکتا ہے اور عندَ الضُّرورَۃِ الشَّدِیدۃ غائب پر حکم بھی نافذ کرسکتا ہے۔

(فتح القدیر، شامی، جامع الرُّموز، مجمع الأنہر)

(۳) مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی، بہ شرائطِ مخصوصہ ومعہودہ، فریقین کے بیانات سننے کے بعد اپنی صواب دید پر مقدمات کا فیصلہ کرسکتا ہے اور شرعاً اس کا فیصلہ، نافذ ہوگا۔ (شامی وغیرہ)

مذکورہ بالا جوابات کی جن عُلمائے اہلِ سُنّت نے توثیق فرمائی تھی، اُن کے اَسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) تاج دارِ اہلِ سُنّت، حضور مفتیِ اعظم ہند دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْقُدُسِیَّۃُ۔

(۲) سیدُ العُلما، حضرت مولانا سید شاہ آلِ مصطفیٰ صاحب قبلہ دَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی۔

(۳) استاذُ العُلما، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب قبلہ دَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی۔

(۴) امینِ شریعت، حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب قبلہ دَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی۔

(۵) مجاہدِ ملّت، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ دَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی۔

(۶) حضرت علاّمہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ جون پوری دَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی۔

(۷) حضرت علاّمہ الحاج عبدالرشید خان صاحب قبلہ، مفتی ناگ پور دَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی۔

(۸) حضرت علاّمہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی، مفتیِ اشرفیہ دَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی۔

وحضرات عُلمائے فیض الرسول براؤں شریف (دارُ القضاۃ کے فرائض ومسائل، ص:۱)

اِن تاریخی فیصلوں کو امامِ اعظم ابوحنیفہ نیز دوسرے فقہائے حنفیہ اور امام احمد رضا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُم سے اختلاف نہیں کہا جاسکتا۔

تو پھر آج اِن بزرگوں کے نقشِ قدم کی پیروی کو بھی "اختلاف" نہیں "اِتِّباع" سمجھنا چاہیے۔"

(ص ۵۸ تا ص ۶۲۔ "فقہِ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت! فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے۔"

تحقیق وترتیب:۔ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی۔

طابع وناشر: مجلسِ شرعی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء)

لاؤڈ اسپیکر پر نماز کی اِقتدا کے جواز وعدمِ جواز کا مسئلہ جس زمانہ میں گرم تھا، حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی (متوفی ۱۹۹۰ء) نے "لاؤڈ اسپیکر پر نماز ہوگی یا نہیں؟" کے عنوان سے ایک مختصر مضمون، نہایت مثبت فکر کے ساتھ اس طرح تحریر فرمایا تھا:

"برسوں سے یہ مسئلہ، عُلمائے اہلِ سُنّت کے درمیان، فکری اور فطری طور پر ایک نزاعی شکل اختیار کرچکا ہے۔ جس سے عوام وخواص، دونوں میں اضطراب وانتشار ہے۔

حضرت مفتیِ آگرہ (مولانا عبدالحفیظ حقّانی) مرحوم، اللہ انھیں غریقِ رحمت فرمائے۔ انھوں نے لاؤڈ اسپیکر پر جوازِ صلوٰۃ کا فتویٰ صادر فرمایا تھا۔

پھر ابھی چند مہینے ہوئے، مکرّمی مولانا سید افضل حسین صاحب نے لاؤڈ اسپیکر پر بلا کراہت جوازِ صلاۃ کا اعلان فرمایا۔ جس پر اَسَدُ السُّنَّہ، حضرت مولانا محمد محبوب علی خاں صاحب قبلہ، خطیب بڑی مسجد، مدن پورہ، بمبئی کا ایک اِستفساریّہ، مضمون بھی شریکِ اشاعت ہے۔ جو اپنے سوالات میں یقیناً حق بجانب ہیں اور ان کی اس مخلصانہ رائے کو مَشعلِ راہ بنانا چاہئے۔

آج، اگست ۱۹۶۰ء کا ماہنامہ "سالک" راولپنڈی (پنجاب۔ پاکستان) موصول ہوا، جس کو خطیبِ عصر، حضرت مولانا شاہ عارفُ اللہ صاحب (میرٹھی) کی اِدارت کا شرف، حاصل ہے۔ اس کے صفحہ بائیس (۲۲) پر "مُکَبِّرُ الصَّوت" کے زیرِ عنوان، حضرت مولانا نورُاللہ صاحب قبلہ (نعیمی) شیخ الحدیث دارُالعلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور ضلع منٹگمری (پنجاب۔ پاکستان) کے فتویٰ کی اشاعت ہے۔ جس کی موصوف (مفتی نورُاللہ نعیمی بصیر پوری) نے سیدنا امام احمد رضا فاضلِ بریلوی، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے رسائل سے اِستفادہ فرمانے کے بعد لاؤڈ اسپیکر پر جوازِ صلوٰۃ کی تحقیق فرمائی ہے۔ اور اس پر عُلمائے پاکستان کی خاموشی کو "اِجماعِ سکوتی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حالاں کہ میرے اپنے علم میں ہے کہ اب سے پہلے، ہندوپاک کے بیشتر سنّی عُلما نے لاؤڈ اسپیکر پر عدمِ جواز کا فتویٰ دیا ہے۔" اِلیٰ آخِرِہٖ۔

(ص ۴۷۔ ماہنامہ "پاسبان" الہ آباد۔ جلد ۱۳۔ شمارہ ۳و۴۔ ماہِ اگست وستمبر ۱۹۶۰ء)

فرعی فقہی اَحکام و مسائل میں فُقہا و مُفتیانِ اہلِ سُنَّت کے اختلافِ رائے کے سلسلے میں

''جدید بینک کاری اور اسلام'' مؤلَّفہ مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی کی تقریظِ جلیل میں نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند، شارحِ بخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی (متوفی ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''مسئلۂ لاؤڈ اسپیکر پر عزیزِ موصوف نے جمہورِ اکابر واَصاغر سے اختلافِ رائے کیا ہے۔ مگر یہ اختلاف، نیک نیتی، مسلمانوں کی خیرخواہی اور اپنی سمجھ کے مطابق، دلائل و براہین کی بنیاد پر کیا ہے اِس لئے اس میں بھی وہ مستحقِ ثواب ہیں۔

پھر اصل میں ان کی یہ کتاب، علمائے مُعتمدین کے لئے لمحۂ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں خود اس سے متفق نہیں۔ مگر پھر بھی موصوف کی تحقیق و تطبیق کی، اور دلائل و براہین کی فراہمی کی جدوجہد پر تحسین، ضرور پیش کرتا ہوں۔''

(ص ۲۳ و ص ۲۴۔ بقلم شارحِ بخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی۔ مشمولہ ''جدید بینک کاری اور اسلام'' مؤلَّفہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی۔ مکتبہ بُرہانِ مِلَّت۔ مبارک پور۔ ضلع اعظم گڑھ، یوپی۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ / اگست ۲۰۰۱ء)

اِس جدوجہد کی تحسین پر مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی اپنا یہ حاشیہ، درج کرتے ہیں کہ:

''میں حضرت شارحِ بخاری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی وُسعتِ نظری اور ذَرَّہ نوازی پر تہِ دل سے مشکور ہوں۔

حضرت نے ایک ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے اِس ناچیز کی طرف اختلاف کی نسبت فرمائی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ:

اِس بے مایہ نے نہ اپنے اکابر سے اختلاف کیا ہے، نہ اس کا یہ مَنصب، اور نہ ہی اس کی مجال۔

سچ یہ ہے کہ اکابر فُقہائے اہلِ سُنَّت کے درمیان، شروع سے ہی اس مسئلے میں اختلاف رہا۔ جو بلاشُبہ، نیک نیتی اور شرعی دلائل پر مبنی ہے۔ راقم نے انھیں میں سے ایک طبقہ کا دامن، تھام لیا ہے۔ اور ایسے فروعی، غیر منصوص، اختلافی مسائل میں اس کی اجازت ہے۔

سیکڑوں مسائل میں امامِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے خلاف اُن کے تلامذہ کے قول پر مقلِّدین عوام و خواص کا عمل ہے۔ مگر ان مقلِّدین کی طرف اختلاف کی نسبت نہیں کی جاتی۔ بلکہ کسی کو اختلاف کا وَہم تک نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ میں یہی حال اِس عاجزِ بے مایہ کا ہے۔''

(حاشیہ ص ۲۴۔ ''جدید بینک کاری اور اسلام'' مؤلَّفہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی۔ مطبوعہ مبارک پور۔ ۲۰۰۱ء)

یہ بات بالکل بجا اور درست ہے کہ ادنیٰ مُلابَسَت کی وجہ سے ''اِختلاف'' کا لفظ ایسے موقع پر استعمال کر دیا جاتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ:

کسی مسئلہ کے اِجتہاد میں مجتہدین کی۔ یا آج کے فُقہا و مفتیانِ کرام کی۔ رائیں کسی اِستنباطِ مسئلہ میں مختلف ہوتی رہی ہیں مگر ان کا مقصد، اختلاف کرنا کبھی نہیں رہا ہے۔ بلکہ یہ اختلافِ رائے، محض ان حضرات کے علم و فہم اور تحقیق و تفحُّص کے اختلافِ معیار کی وجہ سے ہے، نہ کہ نیتِ اختلاف کی وجہ سے کبھی ایسا ہوا ہے۔

اور خدانخواستہ کوئی فقیہ و مفتی، بہ نیتِ اختلاف ایسا کرے تو یہ خالص نفسانیت ہو جائے گی جو شرعاً نہایت معیوب و مذموم ہے۔

سماع مع مزامیر اور سجدۂ تعظیمی، ہمارے یہاں ناجائز و حرام ہے۔ مگر اپنے بعض اسلافِ کرام کی پیروی کے نام پر جو لوگ ان کے جواز کے قائل ہیں، اُن پر حکمِ فسق، عائد کرنے سے مفتیِ اعظمِ ہند نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک فتویٰ میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

''قوالی مع مزامیر، ہمارے یہاں ضرور ناجائز و حرام و گناہ ہے۔ اور سجدۂ تعظیمی بھی ایسا ہی۔

اِن دونوں مسئلوں میں بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے۔ اگرچہ وہ لائقِ التفات نہیں۔

مگر اس نے ان مبتلاؤں کو حکمِ فسق سے بچا دیا ہے جو، ان مخالفین کے قول پر اعتماد کرتے اور جائز سمجھ کر مُرتکب ہوتے ہیں۔

اگرچہ شرعاً ان پر دوہرا اِلزام ہے۔ ایک اِرتکابِ حرام کا۔ دوسرے اسے جائز سمجھنے، خلافِ قولِ جمہور چلنے کا۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

(ص ۴۵۶۔فتاویٰ مصطفویہ۔ازمفتیِ اعظمِ ہند،مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی۔مطبوعہ رضا اکیڈمی ۔بمبئی۔۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)

فرعی فقہی اختلاف میں حضور مفتیِ اعظم ہند کی رَوِش، اِعتدال وتوازُن کی تھی۔دوسرے کسی سنّی فقیہ ومفتی کی تحقیق اگر آپ کی تحقیق کے خلاف ہوتی تو آپ اُس سے متعلق کوئی ایسی بات زبان وقلم سے نہ نکالتے جس سے اُس کی شخصیت، مجروح ہو۔اِن مسائل واحکام میں ذاتیات کو آپ نے کبھی نشانہ نہیں بنایا۔نہ ہی اسے کسی کے لئے رَوا رکھا۔

نماز میں لاؤڈاسپیکر کے استعمال اوراس کی آواز پر اِقتدا کا مسئلہ جب سامنے آیا توسیدی ومُرشدی، حضور مفتیِ اعظم ہند، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری بریلوی (وصال ۱۴؍محرم ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) نے نماز میں لاؤڈاسپیکر کی اِقتدا کو ناجائز، قرار دیا۔اورحضرت مفتی سید محمد افضل حسین رضوی مونگیری، صدرُ المدرسین دارُ العلوم منظرِ اسلام، بریلی شریف (متوفی ۲۰؍رجب ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء بہ مقام سَکھّر۔صوبہ سندھ) نے نماز میں اس کی اِقتدا کو جائز قرار دیا۔

اس مسئلہ میں عُلمائے اہلِ سُنَّت کے درمیان بڑی بحثیں ہوئیں، زبانی بھی اورتحریری بھی ۔لیکن کوئی بھی ایسی زبانی یاتحریری روایت، میرے علم میں نہیں کہ سیدی ومُرشدی، حضور مفتیِ اعظمِ ہند نے حضرت مفتی سید افضل حسین مونگیری کی اِس تحقیق اورفتویٰ کی بنیاد پراُن کی ذات اوراُن کے علم وفہم کو کبھی نشانہ بنایا ہو۔ان کے مذہب ومسلک اوران کی اِقتدا میں نماز ادا کرنے پر کوئی سوالیہ نشان لگایا ہو۔اوراگر کسی عالم نے ایسا کچھ کیا ہوتو اسے عُلما وفُقہا کی ہرگز کوئی تائید حاصل نہیں ہوئی ہوگی نہ کبھی ہوسکتی ہے۔

سفرِ حج وزیارت کے لئے حکومتِ ہند کی طرف سے جب فوٹو کا اِستعمال، لازمی قرار دیا گیا تو حضور مفتیِ اعظمِ ہند نے فتویٰ دیا کہ حجِ فرض ادا کرنے کے لئے بھی تصویر کشی، ناجائز ہے۔

جب کہ اجملُ العُلما، حضرت مفتی محمد اجمل نعیمی سنبھلی (متوفی ۲۸؍ربیع الآخر ۱۳۸۳ھ/۱۸؍ستمبر ۱۹۶۳ء) نے حجِ فرض کے لئے تصویر کشی کے جواز کا فتویٰ دیا۔اورایک رسالہ بھی:

''فوٹو کا جواز، درحقِ عازمانِ حجاز'' کے نام سے تحریر فرمایا۔

اِس سلسلے میں یہ ایک تازہ تحریر میری نظر سے گذری:

''یہاں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ حضور مفتی اجملُ العُلما کا فتویٰ، منظرِ عام پر آنے کے بعد بعض تخریبی ذہنیت کے لوگوں نے حضور مفتیِ اعظم کی بارگاہ میں جاکر عرض کیا:

دیکھیے حضور! حضرت مفتی محمد اجمل شاہ صاحب سنبھلی نے آپ کے فتویٰ کے خلاف، فتویٰ صادِر کیا ہے۔جب کہ آپ اُن کے مُرشدزادے بھی ہیں۔لہٰذا ان کا جواب دیا جائے۔''

مَرجِعِ خلائق، مفتیِ اعظمِ ہند نے ارشاد فرمایا:

حضرت مفتی محمد اجمل شاہ صاحب سنبھلی، فقیہ ہیں۔انھوں نے جواز کا فتویٰ دیا۔وہ اُن کی تحقیق ہے۔

میں عدمِ جواز کا قائل ہوں۔یہ میری تحقیق ہے۔''

(ص ۱۹۶۔مفتیِ اعظم سنبھل۔مطبوعہ اکتوبر ۲۰۱۱ء)

مفتیِ اعظم اپنے فتویٰ پر قائم رہے اور ہندوستان کے بیشتر عُلمائے اہلِ سُنَّت بھی اسی فتویٰ کے مؤیّد وحامی رہے۔گو کہ اِس فتویٰ پر اکثر حضرات عمل نہ کرسکے۔لیکن ایسی کوئی زبانی یا تحریری روایت میرے علم میں نہیں کہ مفتی محمد اجمل شاہ نعیمی سنبھلی کی تحقیق کی بنیاد پر حضرت مفتیِ اعظم نے یا دیگر اکابر عُلمائے اہلِ سُنَّت میں سے کسی نے بھی انھیں مَطعُون کیا ہوا اوران کی ذات اوران کے علم وفہم اوران کے تفقُّہ کو کبھی نشانہ بنایا ہو۔

حضرت مفتی محمد مطیعُ الرحمٰن مضطر رضوی پورنوی، سالہاسال تک حضرت مفتیِ اعظم کی خدمت میں رہ کر علمی وفقہی اِستفادہ واکتسابِ فیض کرتے رہے، ان کے دستخط کے ساتھ ایک تازہ تحریر میرے پاس موجود ہے۔جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''سیدی ومُرشدی، حضور مفتیِ اعظم ہند عَلَیهِ الرَّحمَةُ وَالرِّضوَان نے لاؤڈاسپیکر کی آواز پر نماز کی اِقتدا کے عدمِ جواز کا اوراسی طرح حجِ فرض کے لئے بھی فوٹو کھنچوانے کے عدمِ جواز کا فتویٰ صادِر فرمایا۔

جب کہ اہلِ سُنَّت کے دو جلیلُ القدر عُلما میں سے حضرت مفتی سید محمد افضل حُسین مونگیری، صدرُ المدرسین دارُ العلوم منظرِ اسلام، بریلی شریف نے لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر نماز کے جواز کا اور حضرت مفتی محمد اجمل شاہ نعیمی سنبھلی نے حجِ فرض کے لئے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دیا۔

اِس فرعی فقہی اختلاف کے باوجود اِن حضرات کے باہمی تعلقاتِ اِخلاص ومحبت،

حسبِ سابق باقی وبرقرار رہے۔ کوئی ادنیٰ روایت بھی میرے علم میں ایسی نہیں کہ اِن حضرات میں سے کسی نے کسی کی شخصیت یا اُن کے علم وفضل پر کوئی انگشت نمائی کی ہو۔

حضرت مفتیِ سید محمد افضل حُسین مونگیری، حضور مفتیِ اعظم کے مُرید وخلیفہ تھے۔ وہ جب بھی حضور مفتیِ اعظم سے ملتے، ایک مُرید وعقیدت مند ہی کی حیثیت سے ملتے۔ دست بوسی کرتے اورنہایت عقیدت واحترام کے ساتھ پیش آتے رہے۔

اِسی طرح حضرت مفتی محمد اجمل شاہ نعیمی سنبھلی، جب بھی حضور مفتیِ اعظم ہند کی خدمت میں حاضر ہوتے، دست بوسی کرتے اوراپنا بزرگ سمجھ کراپنی سابقہ عقیدت واحترام کا مظاہرہ کرتے۔

حضور مفتیِ اعظم ہند بھی اِن حضرات کو ہمیشہ اپنی شفقت ولُطف ومروّت سے نوازتے رہے۔''

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی۔

مؤرخہ ۱۵رذی قعدہ ۱۴۳۴ھ۔ مطابق ۲۱رستمبر ۲۰۱۳ء۔ بعد نمازِ عشا۔''

تصویر کشی ناجائز وحرام ہے۔ یہ مسئلہ عوام وخواص، سب کو معلوم ہے۔ اس سلسلے میں فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا ایک نہایت تحقیقی رسالہ بنام ''عطایا القدیر فِی حُکمِ التصویر'' بار بار چھپ چکا ہے۔

حَج کے لئے حکومتِ ہند نے فوٹو کو جب لازمی قرار دیا تو مفتیِ اعظمِ ہند، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری بریلوی نے حج فرض کے لئے بھی فوٹو کھنچوانا گناہ اور ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا۔

اجملُ العلما، مفتی محمد اجمل شاہ نعیمی سنبھلی نے حج فرض کے لئے فوٹو کھنچوانا، جائز قرار دیا اور اس کی تائید وتحقیق میں ایک رسالہ لکھا، بنام ''فوٹو کا جواز درحقِ عازمانِ حجاز''

حضرت اجملُ العُلما کے خلاف کسی مستند عالم وفقیہِ اہلِ سُنّت نے کبھی کوئی طَعن وتشنیع کیا، نہ انھیں حضرت مفتیِ اعظم کا مخالف قرار دیا۔

مجلسِ شرعی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی کے دوسرے فقہی سیمینار، منعقدہ ۱۹رتا ۲۲ر رجب ۱۴۱۵ھ رمطابق ۲۳رتا ۲۶ر دسمبر ۱۹۹۴ء۔ بہ مقام الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور میں حقِ رائے دہی یعنی الکشن میں ووٹ دینے کے سلسلے میں شناختی کارڈ مع فوٹو کے مسئلہ پر کافی بحث وتمحیص کے بعد ضرورتِ شرعیہ کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے شناختی کارڈ مع فوٹو کے جواز کا فیصلہ، مندرجہ الفاظ میں کیا گیا:

............عند الطّلب، ضرورتِ مُلجئہ یا حاجتِ شدیدہ متحقق ہوگی۔ لِھٰذا

خاص شناختی کارڈ کے لئے تصویر کھنچانے کی اجازت ہوگی۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

اس فیصلہ پر تصدیقی دستخط کرنے والے چند عُلما وفقہاے اہلِ سُنّت کے نام یہ ہیں:

(۱) محمد اختر رضا قادری ازہری (۲) محمد شریف الحق امجدی (۳) ارشد القادری (۴) ضیاء المصطفیٰ قادری (۵) جلال الدین احمد امجدی (۶) خواجہ مظفر حسین رضوی (۷) شبیر حَسَن رضوی۔ وغیرھُم۔

اس فیصلہ کی اطلاع پاکر بعض مولویوں اور کچھ ناواقف عوام نے چہ می گوئی ونکتہ چینی شروع کی تو جانشینِ مفتیِ اعظم، حضرت مفتی محمد اختر رضا قادری رضوی ازہری نے یہ ہدایت نامہ جاری کرکے بحث کا دروازہ بند کر دیا:

''ایسے نئے مسائل جو فی الواقع فرعیہ عملیہ ہوں اوران سے متعلق کوئی صریح جُزئیہ نہ مل سکے تو ہر عالم نہیں بلکہ ماہر وتجربہ کار مفتی کی طرف رُجوع کرنا چاہیے۔

اوراس مفتی پر لازم ہے کہ اصولِ شرعی کے پیشِ نظر اس کا حکم، صادر فرمائے۔

اصولِ شرعی سے ہٹ کر فتویٰ دینا، ہرگز جائز نہیں۔

اگر اس نے جسے دلیل قرار دیا اور پھر واضح ہوا کہ یہ دلیل، دلیلِ شرعی نہیں تو فوراً اُس پر رُجوع، لازم ہے۔ اورحق کا اعلان کرنا چاہیے۔

کسی حرام شَئی کے مباح ہونے کا فتویٰ اُس وقت دیا جائے گا جب کہ وہاں یہ ضابطہ، صادق آئے: اَلضُّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَات۔

اور مفتی کو تیقُّن ہوجائے کہ اس ضرورتِ شرعیہ کے مُعارِض، کوئی دوسرا قاعدہ شرعیہ نہیں ہے۔'' قلمی فتویٰ۔

(ص ۹۴۔ حیاتِ تاج الشریعہ۔ مؤلّفہ مولانا محمد شہاب الدین رضوی بریلوی۔ مطبوعہ اسلامک ریسرچ سنٹر۔ ۵۸ کنگران۔ سوداگران۔ بریلی شریف۔ طبعِ دوم صفر المظفر ۱۴۳۴ھ ردسمبر ۲۰۱۳ء)

عُلماے بریلی ومبارک پور ودیگر عُلماے اہلِ سُنّت کے اِس متفقہ فیصلہ کو اعلیٰ حضرت ومفتی اعظم عَلَیْھِمَا الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَانُ کے فتویٰ سے اختلاف کہہ کر ابھی تک کوئی بھی قابلِ ذکر مولوی ''تمغۂ جہالت'' حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں کرسکا۔

اَلْکُحل، شراب کو کہتے ہیں۔ اورشراب کا ہر قطرہ حرام اورنجس وناپاک ہے۔ علاج ومعالجہ کے سلسلے میں کسی طرح کی بھی شراب کے استعمال کا حکم، فقیہِ اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی

بریلوی اِس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''اور صحیح یہ ہے کہ دَوا میں بھی ان کا استعمال، حرام ہی ہے۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔

مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اجلاسِ بنارس (بتاریخ ۴رشعبان ۱۴۱۴ھ/ ۱۶رجنوری ۱۹۹۴ء) میں اَلکحل آمیز دواؤں کے استعمال کے جواز وعدمِ جواز کی بحثیں سُن کر فیصل بورڈ کے تین ارکان، حضرت مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری وحضرت علاّمہ ضیاء المصطفیٰ قادری وحضرت مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی نے یہ تحریری فیصلہ کیا:

''مجلسِ شرعی مبارک پور کی ساری اَبحاث اور حضراتِ مفتیانِ کرام کے موصولہ مقالات پر غور کرنے کے بعد، فیصل بورڈ اِس نتیجے پر پہنچا ہے کہ:

اِس عہد میں انگریزی دواؤں یعنی اِسپرٹ، الکحل اور ٹنکچر آمیز دواؤں کا استعمال، عُمومِ بلویٰ کی حدتک پہنچ چکا ہے۔

مجدّدِ اعظم، اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ نے پُڑیا کی رنگت کے بارے میں عُمومِ بلویٰ اور دَفعِ حرج کی بناپر طہارت اور جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، ص ۴۵۔ اور ص ۵۰۔ نیز فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم۔ ص ۵۴۔ رسالہ ''اَلْفِقْهُ التَّسْجِيْلِي فِي عَجِيْنِ النَّارَجِيْلِي'' میں ہے۔

اِس ارشاد کی روشنی میں فیصل بورڈ کے ارکان اس بات پر متفق ہیں کہ:

مذکورہ انگریزی دواؤں کے استعمال کی بھی بوجہ عُمومِ بلویٰ، دَفعِ حرج کے لئے، اجازت ہے۔ البتّہ یہ اجازت صرف انہیں صورتوں کے ساتھ خاص ہے جن میں اِبتلاے عام اَور حَرج، متحقق ہو۔'' (ص ۳۰۔ جلد اول۔ صحیفہ مجلسِ شرعی، مبارک پور)

کوئی بھی مولوی اب تک یہ کہنے اور لکھنے کی جُرأتِ بے جا نہیں کرسکا ہے کہ فیصل بورڈ کا مذکورہ فیصلہ:

''فتاویٰ رضویہ کے خلاف اور امام احمد رضا کے تحریر کردہ فتویٰ سے انحراف ہے۔''

مِنیٰ ومزدلفہ کے درمیان ایک ''وادیِ محسِّر'' ہے۔ یہیں اَبرَہہ کا لشکر قیام پذیر ہوا تھا۔ جس پر عذابِ ابابیل، نازل ہوا تھا۔ اس وادیِ محسِّر کے بارے میں حکم ہے کہ حجاجِ کرام یہ دعا پڑھتے ہوئے تیزی کے ساتھ یہاں سے گذر جائیں۔

اَللّٰهُمَّ لَاتَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَاتُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰالِكَ۔

جُملہ فقہاے اَحناف اس وادیِ محسِّر میں وقوف کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ صرف ایک حنفی فقیہ، صاحبِ بدائع، یہاں وقوف کے بکراہت جواز کے قائل ہیں۔

شرعی کونسل، بریلی شریف کا فیصلہ اور فتویٰ ہے کہ عذرِ ناگزیر ہو تو وادیِ محسّر میں وقوف کیا جاسکتا ہے۔ فیصلے کے الفاظ یہ ہیں:

''سیمنار کے مندوبین بھی اسی پر متفق ہیں۔ عذرِ ناگزیر کی صورت میں قولِ بدائع پر عمل کرسکتا ہے۔'' (ص ۷۷۔ ماہنامہ سنّی دنیا، بریلی شریف۔ شمارہ ستمبر ۲۰۰۹ء)

کیا اس فیصلے کے بارے میں کوئی یہ کہے گا کہ چودہ سوسالہ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فتویٰ وعمل کے خلاف، شرعی کونسل، بریلی شریف نے فیصلہ کرکے سارے ائمہ وفقہاے کرام سے کھُلا ہوا اِختلاف وانحراف کیا ہے؟

فقیہِ اسلام، امام احمد رضا نے ۱۳۱۴ھ یعنی آج سے تقریباً ایک سوبیس (۱۲۰) سال قبل یہ فتویٰ تحریر فرمایا تھا کہ:

''انگریزی وضع کے کپڑے پہننا، حرام، سخت حرام، اشد حرام۔ اور انھیں پہن کر نماز، مکروہ تحریمی، قریب حرام، واجبُ الاِعادہ۔ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھیرے تو گنہ گار، مستحقِ عذاب۔ والْعِیاذُ بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْغَفَّار۔

(ص ۴۲۲۔ وص ۴۲۳۔ فتاویٰ رضویہ، جلد سوم۔ سنّی دارُالاشاعت، مبارک پور)

کون مولوی ہے جو فتاویٰ رضویہ کا یہ حوالہ دے کر آج کہہ سکتا ہے کہ:

انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام اور انھیں پہن کر نماز پڑھنی، مکروہِ تحریمی، قریب بہ حرام۔''

لباس کا قومی شعار بدل گیا تو اس کا حکم بھی بدل گیا۔ اب سابقہ حکم کا اِعادہ، عقل ونقل کی صریح خلاف ورزی ہے۔

امام احمد رضا کے فتویٰ سے اِنحراف اور فتاویٰ رضویہ سے اختلاف کی رَٹ لگانے والے اور اس کا شِدَّت سے پروپگنڈہ کرنے والے افراد کی خدمت میں ایک ایسا فتویٰ اِس تحریر کے آخر میں پیش کیا جا رہا ہے جسے پڑھ کر وہ ضرور کچھ، نہ کچھ روشنی حاصل کریں گے۔

کامبیکر اسٹریٹ، بمبئ سے امام احمد رضا کی خدمت میں ایک اِستفتا آیا جو ۱۶؍رجب ۱۳۳۴ھ کا تحریر کردہ ہے۔

یعنی آج سے ایک صدی پیشتر کا یہ اِستفتا ہے۔ یہ اِستفتا اور اس کا جواب، قارئین کرام فتاویٰ رضویہ، جلد ششم، ص ۳۸۳ و ۳۸۴۔ مطبوعہ سنّی دارُ الاشاعت، مبارک پور میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

مُستفتی نے سو (۱۰۰) سال پہلے بجلی کی روشنی اور بجلی سے چلنے والے پنکھا کے نقصانات وخطرات کا ذکر کرتے ہوئے مسجد میں مالِ وقف سے اس کے استعمال کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا ہے۔

یہ نقصانات وخطرات اُس وقت کے لحاظ سے تھے۔ اور ایسے تھے کہ اُن کی رُو سے بجلی کی روشنی اور بجلی سے چلنے والے پنکھے کا استعمال، ناجائز قرار پاتا تھا۔

چنانچہ فقیہِ اسلام، امام احمد رضا نے بجلی کی روشنی اور اس سے چلنے والے پنکھا کے استعمال کو ممنوع، ناجائز قرار دیا۔ صرف مالِ وقف نہیں بلکہ مالِ غیر موقوف سے بھی اور صرف مسجد نہیں بلکہ گھر میں بھی بجلی کی روشنی اور اس سے چلنے والا پنکھا، ممنوع وناجائز قرار دیا۔

یہ اِستفتا اور اس کا جواب، فتاویٰ رضویہ جلدِ ششم میں ہے۔ جسے حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی نے اپنے تازہ ترین فقہی رسالہ "فقہِ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت! فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے" (مطبوعہ مجلسِ شرعی، مبارک پور اعظم گڑھ۔ یوپی۔ ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء) میں بھی نقل کردیا ہے۔

قارئینِ کرام غور کریں کہ بجلی کی روشنی اور اس کے پنکھا کے سلسلہ میں مُستفتی کے بیان کردہ نقصانات وخطرات کے پیشِ نظر، امام احمد رضا نے فتویٰ دیا کہ مالِ وقف یا کسی بھی مال سے صرف مسجد نہیں بلکہ گھروں میں بھی اس بجلی کی روشنی اور اس کے پنکھا کا استعمال، ممنوع وناجائز ہے۔ بلکہ جہاں اس بجلی اور اس کے

پنکھا کا استعمال ہو، وہاں نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔

جو مولوی صاحبان اِس کے قائل ہیں اور زور وشور کے ساتھ اس کی تشہیر کرتے رہتے ہیں کہ کسی بھی صورت میں فتاویٰ رضویہ کے بیان کردہ کسی فتویٰ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، خواہ جو بھی ضرورت وحاجت وتبدیلیِ علّت ہو، ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ:

اپنی مسجدوں، اپنی خانقاہوں، اپنے مدرسوں، اپنے کارخانوں اور اپنے گھروں کا بجلی کنکشن اپنے موقف کو عملی شکل دینے کے لئے پہلی فرصت میں کٹوائیں اور مسلمانانِ اہلِ سُنَّت وجماعت کو بھی اِس فتویٰ پر عمل کرنے کی ہدایت وتاکید فرمائیں۔

جب گھروں میں بھی بجلی کی روشنی اور بجلی کا پنکھا استعمال کرنا جائز نہیں رہ جائے گا تو بجلی سے چلنے والی ٹرین جس کے ڈبّوں اور بوگیوں میں بجلی کی روشنی اور بجلی کے پنکھے چلتے ہیں، ایسی ٹرین سے سفر کرنے کے لئے سیکڑوں ہزاروں روپے کا ٹکٹ خرید کر اس سے سفر کرنا کیسے جائز ہوگا؟

اور جب بجلی سے چلنے والی چلتی ٹرین پر سوار ہونا جائز نہیں رہ جائے گا تو پھر چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے کا مسئلہ بھی خود بخود حل ہوجائے گا۔

اِس طرح اِس مسئلہ سے پیدا ہونے والا موجودہ اختلاف ایسے افراد کے موقف کے مطابق عمل کرنے کی صورت میں اپنے آپ ختم ہوجائے گا۔

اور ایک خواہ مخواہ کی کشمکش سے مسلمانانِ اہلِ سُنَّت، محفوظ ومامون ہوجائیں گے۔

شاید ایسے ہی کسی موقع پر ایک دور اندیش اور ظریف شاعر نے کہا تھا کہ:

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا
کہ ناحق خون، پروانوں کا ہوگا

فقہی احکام ومسائل میں تبدیلی کے اصول وضوابط اور شرائط وآداب کی تحقیق وتفصیل کے

لئے قدیم کتبِ اصول کے علاوہ، خاتمۃُ الفقہا علاّ مہ ابنِ عابدین حنفی شامی کے رسالہ ''نَشْرُ الْعَرُفِ فِی بِناءِ اَحکامِ الْعُرُف'' (مشمولہ رسائلِ ابن عابدین) اور فقیہِ اسلام، امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی کے رسالہ ''اَجْلیٰ الْاِعلام اَنَّ الفتویٰ مُطلقاً عَلیٰ قولِ الْاِمام'' (مشمولہ فتاویٰ رضویہ، جلد اول) اور ''اَلْمُنیٰ وَ الدُّرَرُ لِمَنْ عَمَدَ مَنِی آردر'' (مشمولہ فتاویٰ رضویہ، جلد ہشتم) کی طرف خصوصیت کے ساتھ رُجوع کیا جانا چاہیے۔

سراجُ الامّہ، امامُ الائمہ، ابوحنیفۃ النُّعمان یا ان کے تلامذہ عِظام یا ان کے بعد کے ائمہ مجتہدین و فُقہاے اسلام کے بیان کردہ کسی شرعی حکم و فتویٰ میں اُس وقت تغیُّر اور تبدیلی واقع ہوجاتی ہے جب اسبابِ ستّہ (چھ اسباب) میں سے کوئی سبب کسی دَور میں شرعاً متحقق ہوجائے۔

اس تحقّقِ سبب کے بعد شرعی فتویٰ و حکمِ سابق کی تبدیلی کا فیصلہ ہر زمانہ اور ہر صدی کے وہ فُقہا و مفتیانِ کرام کرتے چلے آرہے ہیں جو فقہ و اِفتا کے اندر وسیع علم و مطالعہ، طویل مشق و ممارست، اور مہارت و بصیرت کے حامل ہوا کرتے تھے۔ یہی اصول و ضابطہ اِس صدی اور آئندہ صدیوں کے لئے بھی ہے جس کی صحت و نفاذ میں حنفی فقہا و مفتیانِ کرام کا کوئی اختلاف نہیں۔

یہ اختلافِ حکم و فتویٰ محض ظاہری ہوتا ہے جس میں قولِ صوری کو قولِ ضروری میں تبدیل کردیا جاتا ہے۔ اِس تبدیل شدہ صورتِ مسئلہ کو بھی فقہِ حنفی کا جُز مانا جاتا ہے اور اسی کے مطابق اَحناف کا عمل بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ فقیہِ اسلام، امام احمد رضا حنفی قادری بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

''چھ باتیں ہیں جن کے سبب قولِ امام بدل جاتا ہے۔ لِہٰذا ظاہر قول کے خلاف عمل ہوتا ہے۔ اور وہ چھ باتیں یہ ہیں۔ ضرورت، حرج، عُرف، تعامُل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، کسی فسادِ موجود یا مظنون بظنِ غالب کا اِزالہ۔

اِن سب میں بھی حقیقۃً قولِ امام ہی پر عمل ہے۔'' (ص ۳۸۵۔ فتاویٰ رضویہ، جلد اول)

ائمہ و مجتہدینِ مذاہبِ اربعہ بلکہ خود فُقہاے اَحناف کے درمیان بے شمار فروعی فقہی اختلافات ہوتے چلے آرہے ہیں جن سے کتبِ فقہ مملو ہیں۔ فقہاے احناف کے درمیان فروعی فقہی اختلاف ہر دَور میں ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ فقہ و اِفتا سے ادنیٰ مَس رکھنے والا ہر شخص اِس حقیقت اور

اس کے مصداق و معمول سے بخوبی واقف ہے۔

ہاں! ایسے مواقع و مواضع میں قولِ راجح و مفتیٰ بہ کا اعتبار و لحاظ ضروری ہے۔

لِاَنَّ الْفُتْیَا بِالْقَولِ الْمَرجُوحِ جَھْلٌ و خَرْقٌ۔

عالَمِ اسلام کے متقدم و متأخر حنفی فُقہا و مفتیانِ کرام اور متحدہ ہندوستان میں سراجُ الھند، حضرت شاہ عبدالعزیز محدِّث دہلوی و بحرالعلوم، علاّ مہ عبدالعلی فرنگی محلی لکھنوی و تاجُ الفحول، علاّ مہ عبدالقادر عثمانی قادری برکاتی بدایونی و حضرت مفتی ارشاد حسین مجدِّدی رام پوری اور فقیہِ اسلام، امام احمد رضا حنفی قادری بریلوی، نیز حضرت صدرُ الشریعہ و حضرت صدرُ الافاضل و حضرت حجۃُ الاسلام و حضرت مفتیِ اعظمِ ہند اور دیگر فُقہا و عُلماے اہلِ سُنّت کا یہی اصولی فقہی موقف و مسلک ہے جس سے عُدول و اِنحراف کی کوئی گنجائش نہیں۔

مجلسِ شرعی، مبارک پور کے اِکیسویں فقہی سمینار میں برادرِ مکرّم، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی (صدرُ المدرسین، الجامعۃُ الاشرفیہ، مبارک پور) نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ:

مَیں کئی سال پہلے اپنے ایک مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ:

اَسبابِ ستّہ سے متعلق مذاکرات میں ایک بار فُقہاے کرام کے ارشاد ''اَلْحَاجَۃُ قَدْ تَتَنَزَّلُ مَنْزِلَۃَ الضَّرُورَۃ'' پر یہ سوال ہوا کہ:

وہ کون سے مواقع ہیں جہاں حاجت بمنزلۂ ضرورت قرار پاتی ہے؟

بہت سے لوگوں نے جواب دینے کی کوشش کی مگر ہر جواب پر اعتراض، وارِد ہوتا رہا۔

کافی دیر کے بعد نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند، شارحِ بخاری، حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی عَلَیہِ الرَّحْمَۃ نے اپنے جچے تُلے، جامع و مانع الفاظ میں اس کی وضاحت فرمائی۔

اس پر کوئی اعتراض تو نہ ہوسکا مگر خاص طور سے نوجوان مندوبین کی جانب سے بیک زبان اِس کا مطالبہ ہونے لگا کہ:

حضرت! اِس پر کوئی حوالہ پیش فرمائیں۔''

یہ نوجوان عُلما، حضرت شارحِ بخاری کے تلامذہ کے تلامذہ کی صف میں آتے تھے اوران کے علمی پوتوں کی حیثیت رکھتے تھے۔مگر وہ حضرت سے مرعوب ہوکر خاموش نہ رہے۔اور نہ حضرت نے اپنی لمبی عمراور طویل فقہی تجربات کا حوالہ دے کرانھیں خاموش کرنے کی کوشش کی۔

بلکہ فرمایا کہ:

”مجھے خوشی ہے کہ مجھ سِن رسیدہ سے آپ لوگ مرعوب نہ ہوئے اور مجھ سے بھی حوالہ کا مطالبہ کردیا۔اس سے مجھے امید ہے کہ:

ہمارے بعد بھی آپ یہ علمی وفقہی کام، پوری تحقیق وتنقیح کے ساتھ انجام دیتے رہیں گےاور کسی سے مرعوب ہوکر کوئی بے دلیل بات، قبول نہ کریں گے۔“

جوحضرات مجلسِ شرعی مبارک پور کے سیمناروں میں شریک ہوتے ہیں، اُنھیں بخوبی معلوم ہے کہ آج بھی وہ رَوِش برقرار ہے۔سوالات اوراعتراضات کوسنجیدگی سے سنا جاتا ہے اورشافی حل نکالنے پر پوری کوشش صَرف ہوتی ہے۔“ اِلیٰ آخِرِہٖ۔(خطبۂ صدارت از مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی۔ بہ موقع اِکیسویں فقہی سیمنار مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔منعقدہ بتاریخ ۱۵/۱۶/۱۷/ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ۔مطابق ۱۹/۲۰/۲۱/ دسمبر ۲۰۱۳ء۔باہتمام: جامعہ قادریہ۔ پونہ، مہاراشٹر۔ بہ مقام: بے ورلی ہلس ہوٹل۔ پونہ۔ مہاراشٹر)

چلتی ٹرین میں نماز، اداہونے یانہ ہونے کے سلسلے میں آج کل عُلمائے اہلِ سُنّت وجماعت کے مختلف حلقوں میں چلنے والی بحث، چلتی ٹرین سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ جاری ہے۔اوراِس بحث میں بعض طالع آزما افراد نے حصہ لے کرنمایاں ہونے یااسے طول دینے یااس پر قبضہ کرنے کے لئے اتنی دل چسپی دکھائی ہے اور اِس تصور سے اس کی طرف لپک کرآگے بڑھے ہیں کہ اگراُن سے ذرا بھی دیر ہوئی تو نہ صرف یہ کہ ٹرین چھوٹ جائے گی بلکہ پلیٹ فارم سے بہت آگے نکل جائے گی اور حسرت ویاس کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے ان کا حال ومآل ، مندرجہ ذیل شعر کا مصداق ہی نہیں بلکہ اس کا مرقّع بھی بن سکتا ہے کہ:

قہر ہے تھوڑی سی غفلت بھی طریقِ عشق میں
آنکھ جھپکی قیس کی اور سامنے محمل نہ تھا

بہر حال! فُقہا ومُفتیانِ کرام، اپنے اپنے دلائل براہین سے مسلّح ہوکر، چلتی ٹرین میں نماز کے مسئلہ میں مندرجہ ذیل دومختلف موقف اختیار کرچکے ہیں:

(۱) فرض وواجب اور ملحق بواجب نمازیں چلتی ٹرین میں ادانہیں ہوسکتیں، اِس لئے وقت جاتا ہوا دیکھیں تو جیسے بھی ہوانھیں پڑھ لیں اور بعدِ زوالِ مانع، اِن کا اِعادہ کرلیں۔

(۲) مذکورہ نمازیں، اپنے اپنے وقت پر چلتی ٹرین میں بھی ادا ہوجائیں گی اور بعد میں اِن کے اِعادہ کی ضرورت نہیں۔

اپنے اپنے دلائل وبراہین کی روشنی میں اختیار کردہ مندرجہ بالا دونوں فقہی موقف میں سے کسی فقہی موقف کی قوت وضعف اوران کی صحت وعدمِ صحت کے بارے میں کوئی تجزیہ ومحاکمہ وہی فُقہا ومفتیانِ کرام کرسکتے ہیں جوفقہ واِفتا میں دَرک وکمال اورطویل تجربہ رکھتے ہوں۔ جب کہ مَیں نہ کوئی فقیہ ہوں نہ مفتی۔ اِس لئے اِس حسّاس اورنازک مسئلہ میں کسی محاکماتی رائے اور فیصلہ کُن اظہارِ خیال سے پہلوتہی کرلیناہی بہتر سمجھتا ہوں۔

البتّہ اتنا ضرور عرض کروں گا کہ حق وصواب اور دیانت وانصاف کی بات یہ ہے کہ:

(۱) کسی جدید فرعی فقہی مسئلہ میں ہر مستند ومعتمد صاحبِ بصیرت ومہارت فقیہ ومفتی اور جماعتِ فُقہا ومُفتیانِ کرام کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ اپنے علم وتحقیق اور اخلاص ودیانت کے ساتھ وہ صحیح نتیجہ تک پہنچنے اور صحیح موقف اختیار کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے۔

(۲) صحیح نتیجہ تک پہنچنے اور صحیح فیصلہ کرنے میں کسی حرص وخوف سے اپنے آپ کومکمل آزاد رکھے اور کسی خارجی دباؤ کے تحت کسی تزلزل وتذبذب کا ہرگز شکار نہ ہو۔

(۳) چلتی ٹرین میں نماز کا مسئلہ، ایک غیر منصوص اور جدید فرعی فقہی مسئلہ ہے۔ اوراس طرح کے مسائل میں سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کے حنفی فُقہا ومُفتیانِ کرام کے درمیان ہزارسال سے ہزاروں مسائل میں اِستنباط اور اِستخراجِ حکم اور کسی ضرورت وحاجت وحرج یا تبدیلیِ عِلّت کی وجہ سے حکمِ سابق میں تبدیلی کیے جانے کے الگ الگ نتائج سامنے آتے رہے ہیں اور رایوں کا اختلاف ہوتا چلا آرہا ہے۔

(۴) مسئلۂ زیرِ بحث میں چوں کہ ہر دو موقف، حنفی فُقہا ومفتیانِ کرام ہی کے اختیار کردہ ہیں اِس لئے ان میں سے جس موقف پر کوئی سُنّی حنفی مسلمان عمل کرے، بلانکیر اس کا یہ عمل، جائز اور صحیح ہوگا۔

(۵) اصولِ مقرّرہ کی روشنی میں معتمد ومستند فقیہ ومفتی اور جماعتِ فُقہا ومُفتیانِ کرام کے اِستنباط واِستخراجِ مسئلہ یا ضرورت وحاجت وغیرہ کے تحقق یا تبدیلیِ علّت کی صورت میں کسی حکمِ سابق کی تبدیلیِ حکم میں کوئی مانعِ شرعی وفقہی نہیں ہے۔

(۶) ضوابطِ مقرّرہ کے مطابق کیے گئے اِستنباط یا تبدیلیِ حکم کی بنیاد پر کسی مُعتمد ومُستند فقیہ ومفتی اور جماعتِ فقہا ومفتیانِ کرام کی تجہیل وتفسیق اور بے جا تنقید وکردار کشی، عِلم نہیں بلکہ جَہل بلکہ خالص نفسانیت ہے۔

(۷) ضرورت وحاجت وغیرہ کے تحقُّق یا عِلّت کی تبدیلی کی وجہ سے مُعتمد ومستند فقیہ ومفتی اور جماعتِ فُقہا ومُفتیانِ کرام کی طرف سے کی جانے والی کسی تبدیلیِ حکم کی محض اِس بنیاد پر مخالفت کا بازار گرم کرنا کہ فلاں مجتہد یا فقیہ نے زمانۂ ماضی میں جو فتویٰ صادر کر دیا ہے، اُس میں کسی صورت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہ کوئی دلیل نہیں بلکہ عدمِ دلیل ہے۔ اور عامّۂ مسلمین کی سادہ لوحی، ان کی ناواقفیت اور ان کے جذباتِ عقیدت سے کھیلنے کی مذموم کوشش ہے۔

(۸) عدمِ دلیل کی تائید میں کسی مجتہد یا فقیہ یا کسی قدیم وجدید فقہی کتاب کا حوالہ دیتے رہنا، بالکل دو دو چار کی طرح خود اُس مجتہد یا فقیہ کے اصول کے خلاف ہے جس کا نام اِس سلسلے میں استعمال کیا جائے۔

(۹) محض استاذی شاگردی یا پیری مُریدی یا محض عقیدت کی بنیاد پر کسی طرح کی فقہی رائے قائم کرنے یا مذکورہ اُمور میں سے کسی کو فقہی دلیل بنانے کا کوئی ضابطہ علمِ اصولِ فقہ کی کسی قدیم وجدید کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ اِس لئے اِس طرح کا کوئی حَربہ آزمانا، حد درجہ بے اُصولی وبے اِعتدالی اور خالص غیر علمی وغیر فقہی تدبیر اور حقیقت سے چشم پوشی کا نہایت افسوسناک اور عبرت ناک نمونہ ہے۔

(۱۰) فقہی حکمِ سابق کی تبدیلی کے سلسلے میں فقہِ حنفی کے عُلمائے اصول کا بیان کردہ ضابطہ یہ ہے کہ:

"چھ باتیں ہیں جن سے قولِ امام بدل جاتا ہے۔ لِہٰذا قولِ ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے۔

وہ چھ باتیں یہ ہیں: (۱) ضرورت (۲) حرج (۳) عُرف (۴) تعامُل (۵) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل (۶) کسی فسادِ موجود یا مظنون بہ ظنِ غالب کا اِزالہ۔

اِن سب میں بھی حقیقۃً قولِ امام ہی پر عمل ہے۔"

(ص ۳۸۵۔ (اَجلیٰ الْاِعْلَام) فتاویٰ رضویہ۔ جلد اول۔ مطبوعہ بریلی وبمبئی)

کسی تبدیلیِ حکم کے سلسلے میں بحث صرف اِس جہت سے ہوسکتی ہے اور ہونی چاہیے کہ مذکورہ اسباب میں سے کسی ایک کا تحقُّق ہوا ہے نہیں؟ اور تبدیلی کے فیصلہ کی دلیل، قوی ہے یا نہیں؟

اِس اُصول اور طرز وطریقہ کو پسِ پشت ڈال کر خواہ مخواہ کی بحث، بیان بازی، شور وغوغا، اِلزام تراشی وبُہتان طرازی اور ذاتیات کو نشانہ بنانے کا ناروا طریقہ اپنانے والا شخص، قطعاً اور یقیناً نہ فقیہ ہے نہ مفتی اور نہ خدا ترس عالمِ دین۔ کیوں کہ جو عُلمائے دین ہوتے ہیں اُن کا وصفِ خاص ہی ہوتا ہے: خوفِ خداوندی اور خشیتِ رَبّانی۔

جیسا کہ رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ (سورۂ فاطر: آیت ۲۸)

اللہ سے اس کے وہی بندے، ڈرتے ہیں جو علم والے ہوتے ہیں بے شک اللہ بخشنے والا عزت والا ہے۔"

استاذِ گرامی، حافظِ مِلّت، مولانا الشاہ عبدالعزیز مرادآبادی، محدّث مبارک پوری (وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان اپنے اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ کو علم کے بے جا اِستعمال اور اسے اپنی نفسانی خواہشات کا تابع بنانے سے سخت اِجتناب واِحتراز کی نصیحت فرماتے ہوئے فارسی زبان کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:

عِلم را بر دِل زَنی، یارے بود
عِلم را بر تَن زَنی، مارے بود

حَفِظَنَا اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَسَیِّآتِ اَعْمَالِنَا۔

بِجَاہِ حَبِیْبِکَ وَنَبِیِّکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعُلَمَاءِ اُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

چھوڑ کے نغمۂ حجاز، دیس کی چیز گائی کیوں؟

جُداگانہ اَحکام اور فقہی اختلافات کے حُدود۔ حقائق وشواہد کے اجالے میں

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

فُقہائے اُمّت کے درمیان خیرُ القرون سے لے کر آج کے دَورِ زوال تک بے شمار فقہی فروعی مسائل میں اختلافات رونما ہوئے مگر اُن کے دلوں کے درمیان کبھی دوریاں پیدا نہ ہوئیں۔

وہ حضرات، تمام تر اختلافات کے باوجود رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ (۱) کا شاندار نمونہ تھے اور اُن کے گفتار وکردار سے مَنۡ لَمۡ یَرۡحَمۡ صَغِیۡرَنَا وَلَمۡ یُوَقِّرۡ کَبِیۡرَنَا۔ (۲) کے جلوے، نمایاں طور پر جھلکتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ چھوٹوں پر بڑوں کی شفقت، مثالی تھی۔ اور بڑوں کی تعظیم وتوقیر کے لئے چھوٹے، فرشِ راہ بنے رہتے تھے۔

حدیثِ پاک میں ''رحم وشفقت'' اور ''توقیر وتعظیم'' کی ترتیب کچھ حکیمانہ مصالح کی غماز ہے جس کا لحاظ بڑے اور چھوٹے سب کو کرنا چاہیے۔ ایک کا لحاظ اُٹھے گا تو دوسرا بھی متأثر ہوگا اِس لئے اَکابر واَصاغر سب کو سُنّتِ نبوی کے سانچے میں ڈھلنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

ہم محض تفہیمِ حق اور اصلاح وخیرخواہی کے نیک جذبے کے تحت اپنے کرم فرماؤں اور اَحباب کی خدمت میں چند معروضات پیش کرتے ہیں اور ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ یہ حُسنِ ظن رکھتے ہیں کہ فرمانِ خداوندی:

اِعۡدِلُوۡا ھُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی۔ (۳) (انصاف کی بات کہو، یہ تقویٰ وپرہیزگاری سے قریب تر ہے) کا احترام کریں گے۔

(۱) فقہی فرعی اُمور میں اکابر سے اختلاف، عہدِ صحابہ سے چلا آرہا ہے اور یہ کبھی بے ادبی

وانحراف نہ سمجھا گیا۔

حضرت فاروق اعظم سے ایک خاتون کا اختلاف: حضرت سیدنا فاروقِ اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبرِ رسول ﷺ سے ایک دفعہ یہ فرمان جاری کیا:

''اے لوگو! عورتوں کے مہر بڑھا بڑھا کر کیوں مقرر کرتے ہو؟ حالاں کہ عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ میں مہر، چار سو درہم سے زیادہ نہ ہوتے۔ اگر زیادہ مہر مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ وکرامت کی بات ہوتی تو آپ لوگ اس کرامت وفضیلت میں اصحابِ رسول اللہ ﷺ پر سبقت نہیں لے جاپاتے۔''

پھر وہ منبرِ اَقدس سے اُتر آئے تو ایک قریشی خاتون نے اُن سے کہا کہ:

اے امیر المومنین! آپ نے لوگوں کو چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع فرمادیا، کیا آپ نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ ارشاد نہ سنا:

وَاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰھُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَیۡئًا۔ (۴)

ترجمہ: تم اسے (طلاق شدہ عورت کو مہر میں) ''مالِ کثیر'' دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔''

تو حضرت عمر نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ کُلُّ اَحَدٍ اَفۡقَهُ مِنۡ عُمَرَ۔

اے اللہ! ہر ایک، عمر سے زیادہ فقیہ وسمجھ دار ہے۔

پھر منبرِ رسول پر چڑھ کر یہ اعلان فرمایا:

''حضرات! میں نے آپ لوگوں کو چار سو درہم (۵) سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع کیا تھا۔ اب آپ کو اختیار ہے جو شخص جتنا چاہے، مہر مقرر کرسکتا ہے۔

یہ حدیث، محدِّثِ جلیل ابویعلیٰ وغیرہ نے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ایسا ہی تیسیر میں ہے۔ (۶)

کہاں حضرت فاروقِ اعظم جیسا بارُعب اور صاحبِ جلال امیر المومنین اور کہاں ایک عام خاتون۔ مگر خاتون نے ان کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اُن پر اعتراض کردیا تو حضرت عمر نے اسے اپنی شانِ جلالت وفقاہت واِمارت میں بے ادبی نہ سمجھا۔ بلکہ اعتراض کی معقولیت کے

آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے فوراً اپنا فرمان واپس لے لیا۔ کاش کہ یہ جذبۂ خیر آج بھی بیدار ہو جاتا۔

یہاں اِس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ حضرت فاروقِ اعظم ؓ نے سُنَّتِ رسول و سُنَّتِ صحابہ کو دلیل بنا کر ایک حکمِ شرعی جاری فرمایا تھا اور اس قریشی خاتون نے قرآنِ حکیم کی آیۂ کریمہ کو دلیل بنا کر ان سے اختلاف کیا تھا۔

''قِنطار'' کا معنیٰ ہے ''مالِ کثیر'' اور مالِ کثیر کا اطلاق چار سو درہم سے زیادہ پر بھی ہوتا ہے۔

یہ الگ الگ دو دلیلوں کی بنیاد پر اَحکام میں اختلاف ہوا تھا، اور علم و فضل کے لحاظ سے بہت چھوٹے اور بڑے کے درمیان ہوا تھا، مگر اس اختلاف کا اثر، دلائل کی حدوں سے آگے نہ بڑھا، تو آج بھی ان حدوں سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔

پھر یہاں اِس حیثیت سے سوچیے کہ حضرت فاروقِ اعظم اپنے عہدِ خلافت میں تمام صحابہ سے بڑے عالم و فقیہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ جیسے فقیہِ جلیل جن کے بحرِ فقاہت سے فقہِ حنفی کا سوتا پھوٹا ہے، حضرت فاروقِ اعظم کے تلمیذِ رشید و تربیت یافتہ تھے۔

آپ کی جلالتِ علم و فقہ کے آگے اس خاتون کی کیا حیثیت تھی مگر کسی نے یہ نہ کہا کہ

''چھوٹا منہ بڑی بات'' چپ رہو۔

یہ ہے فقہ و شریعت کے معاملے میں آزادیِ گفتار کا حق۔ اس کو سامنے رکھ کر سوچا جائے کہ آج ہم کیسی فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ کل کے دَور میں یہ نہیں دیکھا گیا کہ ''کس نے کہا'' بلکہ صرف یہ دیکھا گیا کہ ''کیا کہا'' آج ہم سب کے لئے یہ سب کچھ مقامِ عبرت ہے۔

حضرت معاذ بن جبل کا حضرت فاروق اعظم سے اختلاف:

ایک عورت، خلافت فاروقی میں زنا کی مُرتکب ہوئی۔ وہ حمل سے تھی۔ جب اس کا مقدمہ، حضرت فاروقِ اعظم ؓ کی عدالت میں پیش ہوا تو آپ نے اسے کوڑے مارنے کا ارادہ کر لیا۔

اس پر حضرت معاذ بن جبل ؓ نے فرمایا: مَاجَعَلَ اللّٰهُ عَلىٰ مَافِي بَطْنِهَا سَبِيْلاً۔

اللہ نے اس کے پیٹ کے بچے پر (حَد قائم کرنے کے لئے) کوئی راہ نہیں رکھی۔''

اور کوڑے کی مار کا اثر بچے تک پہنچ سکتا ہے۔

حضرت عمر ؓ نے کوڑے لگانے سے ہاتھ روک لیا۔ دوسرے صحابۂ کرام بھی خاموش رہے۔ جو، ان کے اِجماعِ سکوتی کی دلیل ہے۔ (۷)

یہ علم، فضل، منصب، ہر لحاظ سے چھوٹے کا بڑے سے اختلاف ہے۔ مگر بڑے کے دل میں ناگواری کا کچھ غبار بھی آیا؟

حضرت عمر ؓ نے اس دلیل کی بنا پر حَد کا ارادہ فرمایا کہ قرآنِ عظیم نے زانیہ کو کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے۔ اور حضرت معاذ بن جبل ؓ کا اختلاف اس دلیل کی بنا پر تھا کہ مُجرِمہ، عورت ہے، اس کے پیٹ کا بچہ تو نہیں۔

یہ اختلاف، دو دلیلوں کی بنیاد پر رونما ہوا تھا۔ وہ بھی کم رتبہ اور بلند رتبہ کے درمیان۔ مگر کم رتبہ کی دلیل کی بنا پر بچے کو کوڑے کے اثر سے بچانا ضروری تھا اِس لئے حَد کا حکم پیدائش تک ملتوی ہوا اور حاضرین صحابہ نے اس سے اتفاق کیا۔

اِس سے صاف عیاں ہے کہ فہمِ دلیل بڑے کا ہی حصہ نہیں۔ اور کم رتبہ کا اِستدلال، وزنی ہو تو بلند رتبہ کو بھی بلا چوں و چرا اُسے تسلیم کر لینا چاہیے؟ یہی سُنَّتِ صحابہ ہے۔

میرے دوستو اور مہربانو! اس پر عمل پیرا ہو کر مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحابِي۔ (۸) کے اچھے مصداق بنو۔ سُنّی ہو تو سُنَّتِ صحابہ پر چلو۔

حضرت علی سے قاضی شریح کا اختلاف:

حضرت قاضی شریح ؓ تابعی ہیں اور حضرت علی ؓ اعلیٰ درجہ کے صحابیِ رسول۔ وہ بھی خلیفۃُ النبی اور امیر المومنین۔ دونوں کے علم، فقہ، فضل، کمال اور منصب میں بے پناہ تفاوت ہے۔ مگر شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے ایک یہودی کے خلاف اپنے ہی مقرر کردہ قاضی، حضرت شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور شہادت کے لئے اپنے بیٹے، حَسَنؓ اور غلام، قنبر ؓ کو پیش کیا تو قاضی شریح نے ان کی یہ شہادت رَد کر دی۔

کیوں کہ بیٹے اور غلام کی گواہی، باپ اور آقا کے حق میں مقبول نہیں۔

حضرت علی ؓ نے امام حَسَنؓ ؓ کو اس لئے شاہد کی حیثیت سے پیش کیا تھا کہ وہ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں تو اور کسی بیٹے کی گواہی، باپ کے حق میں گو کہ نامقبول ہو مگر جو بیٹا، اہلِ جنت سے ہے اُس کی گواہی تو باپ کے حق میں مقبول ہونی چاہیے۔

امیر المومنین اور ان کے قاضی میں یہ اختلاف دو دلیلوں کی بنیاد پر ہوا تھا اور دونوں دلیلیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی احادیثِ شریفہ ہیں۔

اب آپ امام جلال الدین سیوطی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کی کتاب ''تاریخ الخُلفاء'' سے یہ حیرت انگیز واقعہ پڑھیے:

''دراج نے حضرت شریح قاضی سے روایت کی کہ:

جب حضرت علی ؓ جنگِ صِفّین میں جانے لگے تو آپ کی زِرہ کھوگئی۔ جب جنگ ختم ہوگئی اور آپ کوفہ واپس تشریف لائے تو آپ نے ایک یہودی کے پاس اس زِرہ کو دیکھا۔ آپ نے اس یہودی سے فرمایا کہ:

یہ زِرہ میری ہے، نہ میں نے بیچی، نہ ہِبَہ کی، پھر تیرے پاس کیسے؟

اس نے کہا کہ: یہ میری زِرہ ہے اور میرے ہی قبضہ میں ہے۔''

آپ نے فرمایا کہ میں قاضی کے یہاں دعویٰ کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ، قاضی شریح کے یہاں گئے۔ قاضی شریح نے کہا کہ: آپ کا دعویٰ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ میری زِرہ ہے۔ نہ میں نے اس کو بیچا، نہ ہِبَہ کیا۔

قاضی شریح نے یہودی سے کہا کہ: تمہارا کیا جواب ہے؟

اس نے کہا کہ: زِرہ میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔''

قاضی شریح نے کہا، امیر المومنین آپ کا کوئی گواہ ہے؟

آپ نے اپنے ایک غلام، قنبر اور اپنے بیٹے امام حَسَن ؓ کو پیش کیا۔

قاضی شریح نے کہا کہ: بیٹے کی گواہی باپ کے واسطے، ناجائز ہے۔

تو امیر المومنین نے فرمایا کہ: اہلِ جنت کی گواہی، ناجائز ہے؟ حالاں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ: حَسَن اور حُسین ؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔''

اتنے میں یہودی چِلّا اٹھا کہ:

یا امیرَ المومنین! آپ امیر المومنین ہیں پھر بھی آپ مجھے قاضی کے پاس لائے اور وہ قاضی، آپ سے عام آدمیوں کی طرح جَرح وقدح کررہا ہے۔ اور یہی آپ کے دین کی صداقت کی دلیل ہے۔

بےشک یہ زِرَہ آپ کی ہے۔ میں مسلمان ہوتا ہوں:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (۹)

یہ اختلاف، صغیر و کبیر کا نہیں بلکہ اصغر و اکبر کا ہے۔ مگر حضرت مولائے کائنات نے جن

کی شان ہے:

شاہِ مرداں، شیرِ یزداں، قوتِ پروردگار

لَا فَتٰى اِلَّا عَلِی لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

ہزار اقتدار اور پاوَر کے باوجود، حضرت قاضی شریح کو اُف تک نہ کہا۔

آج بھی اسی طور پر فقہ وفُقہا کا احترام ہونا چاہیے،

نہ کہ کمزور اور بے سہارا سمجھ کر بُرا بھلا کہنا چاہیے۔

جُدا گانہ اَحکام اور اختلاف میں فرق کی وضاحت: پھر ہر جگہ دو جُداگانہ احکام دیکھ کر اُسے ''اختلاف'' نہیں سمجھنا چاہیے۔ ''اختلاف'' سے پہلے ''فرقِ احکام'' کے مختلف مَراتب ہیں جن میں قائل اور عامل کی طرف اختلاف کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔

ہم یہاں تفہیم کے لئے چند مَراتب کی مختصراً وضاحت کرتے ہیں۔

(ا) مفہومِ مخالف سے اِستدلال:

کسی فقیہ ومجتہد کے کلام سے دوطرح کے معانی کا اِفادہ ہوتا ہے:

ایک منطوق۔ یعنی کہی ہوئی بات، اپنے الفاظ سے بیان کیا ہُوا حکم۔ دوسرا مفہومِ مخالف۔ اس کا ذکر، الفاظ میں نہیں ہوتا، مگر کہی ہوئی بات میں حکم کے لئے جو شرط یا قید مذکور ہے، اس کے نہ پائے جانے سے ذکر کیے ہوئے حکم کے خلاف، دوسرا حکم خود بخود ثابت ہوجاتا ہے۔

اسی کو کلام کا ''مفہومِ مخالف'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً: کوئی کہے کہ ''جنت میں جاتے وقت ہر عورت، جوان ہوگی۔'' یہ منطوق ہے۔ اور اس کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ ''کوئی بُڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔''

فرض کیجیے کہ وہ بات کسی صحابیِ رسول کی ہو، اور آج اُس کو سامنے رکھ کر کوئی عالمِ دین کہے کہ ''کوئی بُڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔'' تو کیا اس نے صحابیِ رسول سے اختلاف کردیا؟

ایسا ہرگز نہیں۔ وہ تو صحابیِ رسول کے کلام سے ہی اِستدلال کررہا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ یہ اِستدلال، کلام کے ''مفہومِ مخالف'' سے ہے۔ مگر ہے تو کلام ہی کا مفہوم ومراد۔ اب کوئی یہ کہے کہ تم نے صحابیِ رسول سے اختلاف کیا تو یہ بڑی عجیب بات ہوگی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان بہت بڑے فقیہ تھے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ فقیہِ بے مثال تھے۔ان کے کلام میں بھی ایسا ہوسکتا ہے۔ بلکہ ہے۔مثلاً: ایک جگہ فرماتے ہیں:

’’اگر پانی پر دشمن ہے اور وہ وضو وغسل کو منع کرتا اور ضرر رسانی کی دھمکی دیتا ہے، جس پر وہ قادر ہے۔ جب تو تیمّم سے پڑھ لے اور پھر وضو سے اِعادہ کرے۔‘‘(۱۰)

اس کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ:

پانی پر دشمن ہے مگر وہ وضو وغسل سے منع نہیں کرتا، نہ ضرر رسانی کی دھمکی دیتا ہے تو وہ تیمّم سے نہ پڑھے بلکہ وضو کر کے پڑھے۔‘‘

تو کیا یہ ’’فوائدِ رضویہ‘‘ کے خلاف اور اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ سے اختلاف ہے؟

اللہ اللہ! یہ خلاف واِختلاف کیسا؟ یہ تو صاف صاف اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کا اِتّباع ہے۔ایک شخص، اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کے کلام سے اِستدلال کرے پھر بھی وہ اختلاف ہوجائے؟

دوستو! اب یہ سوچ بدل ڈالو، ورنہ بہت سے صحابہ وتابعین اور اپنے فُقَہاے مذہب سے اختلاف، لازم آئے گا۔ بلکہ فقہِ شافعی میں تو براہِ راست اللہ جَلَّ شانُہٗ اور اس کے رسولِ معظّم ﷺ سے بھی اختلاف لازم آئے گا۔ کیوں کہ وہ کلامِ الٰہی اور کلامِ رسول میں بھی ’’مفہومِ مخالف‘‘ معتبر مانتے ہیں۔

مسافرو! رَوِشِ کارواں، بدل ڈالو۔

(۲) **اَشْبَاہ وَنَظَائِر میں فرقِ اَحکام**: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو مسئلے ایک دوسرے کے مشابہ اور ایک دوسرے کی نظیر ہوتے ہیں۔مگر دونوں میں کوئی باریک فرق ہوتا ہے جس کے باعث دونوں کے احکام الگ الگ ہوجاتے ہیں۔اب اس باریک فرق کی وجہ سے اگر کوئی فقیہ، ایک نظیر کا حکم اس کے مشابہ دوسری نظیر پر جاری کرنے کے بجائے اس کے سوا دوسرا حکم صادر کرے تو

اسے اختلاف نہیں کہیں گے۔ کیوں کہ یہاں واقع میں ’’صورتِ مسئولہ‘‘ الگ الگ ہوگئی ہے۔ایک مسئلے کی صورت وصفت کچھ ہے اور دوسرے مسئلے کی صورت وصفت کچھ اور۔

اور جب صورتِ مسئلہ بلفظِ دیگر صفتِ مسئلہ ہی بدل جائے تو لازمی طور پر حکم بھی ضرور بدلے گا۔

’’اختلاف‘‘ اُس وقت ہوتا جب دونوں مسئلوں کی صورت وصفت ایک ہوتی پھر بھی ایک فقیہ کچھ حکم دیتا اور دوسرا فقیہ اس کے برخلاف کچھ اور حکم دیتا۔

ہدایہ میں اس طرح کے بے شمار مسائل ہیں۔اور فاضلِ جلیل محقق ابن نُجَیم مصری حنفی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے تو ایسے ہی مسائلِ کثیرہ کے فرق کو واضح کرنے کے لئے اپنی کتاب ’’اَلْاَشْبَاہُ وَالنَّظَائِر‘‘ کا ایک باب ’’اَلْفَنُّ الثَّالِثُ فِی الْجَمْعِ وَالْفَرْقِ۔‘‘ کے عنوان سے قائم کیا ہے۔ بلکہ اسی طرح کے مسائل کی وجہ سے اس کتاب کا نام ’’اَلْاَشْبَاہ وَالنَّظَائِر‘‘ رکھا ہے۔یہ کتاب، کافی ضخیم ہے۔

ایک دو مثالیں آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

(الف) مشہور صحابیِ رسول، حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کے بارے میں منقول ہے کہ:

ایک اعرابی نے اپنی بیوی کا دودھ پی لیا تو انھوں نے میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے سے جُدا ہونے کا حکم صادر کر دیا۔ کیوں کہ ان کے پیشِ نظر حضور سیدِ عالم ﷺ کی یہ حدیث تھی کہ

دودھ پینے سے وہ اَفراد، حرام ہوجاتے ہیں جو نَسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔‘‘

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے یہ فتویٰ جاننے کے بعد اُن سے فرمایا:

اِنّ مُدّۃَ الرّضاعِ سَنَتَانِ بِالنَّصِّ۔(۱۱)

دودھ پینے کی مدت، حدیث سے دو سال ہے۔‘‘

یہاں حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کو ایک ہی طرح کے دو مسئلوں میں تشابُہ ہوگیا۔ایک: بچے کا دودھ پینا۔دوسرا: جوان کا دودھ پینا۔ دونوں جگہ ’’دودھ پینا‘‘ پایا گیا۔لِھٰذا دونوں کا حکم بھی یکساں ہوگا۔مگر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے وجہِ فرق بیان فرما کر ان کے تشابُہ کو دور فرما دیا۔

تو یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا اختلاف نہیں بلکہ دو مشابہ مسئلوں سے پیدا ہونے والے اِشتباہ کا اِزالہ ہے۔

(ب) زمین بیچی تو

☆اس میں لگے چھوٹے، بڑے پیڑ بھی زمین کی بیع میں شامل ہوں گے۔

☆مگر زمین میں لگی ہوئی کھیتی، بیع میں شامل نہ ہوگی۔ (۱۲)

یہ دونوں مسئلے ایک دوسرے کے اَشباہ ونظائر سے ہیں۔ اس لئے بادِی النَّظر میں سمجھ میں یہی آتا ہے کہ دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیے۔ مگر فُقَہا کی نظر بڑی دقیق ہوتی ہے۔ وہ وجہِ فرق کو خوب سمجھتے ہیں ۔ اِس لئے دونوں کا حکم، الگ الگ بیان فرمایا۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

لِاَنَّهٗ مُتَّصِلٌ بِهٖ لِلْقرارِ فَاَشْبَهَ الْبِناءَ— لِاَنَّهٗ مُتَّصِلٌ بِهٖ لِلْفَصلِ فشابَهَ الْمَتاعَ الَّذِی فِیْهِ۔

درخت، زمین میں باقی رہنے کے لئے لگا ہے تو وہ عمارت کے مشابہ ہے۔ اور کھیتی، کٹنے کے لئے لگی ہے تو وہ مکان میں رکھے ہوئے سامان کے مشابہ ہے۔

(ج) پھل، خرید کر درخت پر چھوڑ دیا اور درخت کو پھلوں کے پکنے کے وقت تک کے لئے کرائے پر لے لیا تو پھلوں کے بڑھنے سے جو اضافہ ہوگا وہ خریدار کے لئے حلال ہے۔

اور اگر گیہوں یا دھان وغیرہ کی کھیتی خرید کر زمین میں چھوڑ دی اور زمین کو کھیتی کے پکنے کے وقت تک کے لئے کرائے پر لے لیا تو کھیتی میں دانوں کے بڑھنے کی وجہ سے جو اضافہ ہوگا وہ خریدار کے لئے حلال نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ درخت کو کرائے پر لینا باطل ہے اور باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اس لیے اس کے ساتھ درخت کے مالک کی طرف سے جو اجازت پائی گئی وہ صحیح ہے۔

اس کے برخلاف زمین کا اِجارہ، کھیتی پکنے کی میعاد، مجہول ہونے کی وجہ سے فاسد ہے۔ یعنی اِجارے کا وجود تو ہے مگر ناجائز وجود ہے۔ تو اس کے ضمن میں زمین مالک کی طرف سے جو اجازت پائی گئی وہ بھی ناجائز ہوگئی۔ (۱۳)

اَلْغَرَض اِس طرح کے بے شمار مسائل ہیں۔ اگر آپ ''بہارِ شریعت'' غور سے پڑھیں تو خود اس میں اس نوع کے سیکڑوں مسائل آپ کو ملیں گے جو دیکھنے میں ایک جیسے ہوں گے مگر احکام میں فرق بہت زیادہ ہوگا۔ مثلاً: ایک حلال ہوگا تو دوسرا حرام۔ ایک صحیح و درست ہوگا تو دوسرا فاسد و نادرست۔

(د) آج کے زمانے میں بھی اس طرح کے مسائل پیدا ہو چکے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ میں کئی مقامات پر ہے کہ:

☆در بارۂ ہلال، تار و خط و ٹیلی فون کی خبر کا کوئی اعتبار نہیں۔''

اور اسی میں ایک دوسرے مقام پر ہے کہ:

☆حاکمِ شرع کے توپ اور ڈھنڈورا وغیرہ کی آواز، در بارۂ ہلال، معتبر ہے۔''

بظاہر دونوں مسئلے ایک دوسرے کے مشابہ اور ایک دوسرے کی نظیر ہیں۔ مگر دونوں کا حکم، الگ الگ ہے۔ وجہِ فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلے کا تعلق حاکمِ شرع کے حق میں ثبوتِ ہلال سے ہے اور دوسرے مسئلے کا تعلق عوامُ النَّاس کے حق میں ثبوتِ ہلال سے ہے۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ: تار و خط اور ٹیلی فون کی خبر سے حاکمِ شرع کے حق میں چاند کا ثبوت نہ ہوگا اور توپ وغیرہ کی آواز سے ثابت شدہ چاند کا اعلان، عوام کے لئے معتبر اور حُجَّت ہوگا۔

(ہ) مثلاً: فرض کیجیے ایک تنظیم نے دہلی جانے کے لئے ریل بک کرائی۔ جسے ڈرائیور چلاتا، روکتا ہے۔ اور ایک ریل، مرکزی حکومت نے دہلی بھیجی۔ اسے بھی ڈرائیور ہی چلاتا، روکتا ہے۔ یعنی دونوں صورتوں میں ریل چلانے، روکنے کا کام، بندہ ہی کرتا ہے اور دونوں صورتوں میں وہ بندہ، محکمۂ ریل کا ہی ملازم ہے۔ تو یہاں یہ تشابُہ لگ سکتا ہے کہ دونوں کا حکم ایک ہوگا۔ مگر حق یہ ہے کہ دونوں کے درمیان ایک بڑا باریک فرق ہے اس لئے دونوں کا حکم، الگ الگ ہوگا۔

وجہِ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں ریل، خود مختار تنظیم کے ماتحت چل رہی ہے۔ اس لئے یہاں اس کی مرضی اور اصولوں کا لحاظ ہوگا۔ اور دوسری صورت میں حکومتِ ہند کے محکمۂ ریل کے ماتحت چل رہی ہے، لِہٰذا وہاں حکومت کی مرضی اور اصولوں کا لحاظ ہوگا۔

(مزید تفصیل و تحقیق کے لئے راقم کا مضمون'' نماز کے احکام پر ریل کے بدلتے نظام کا اثر'' کا مطالعہ، ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی شمارہ جولائی ۲۰۱۳ء میں فرمائیں۔ ماہ نامہ، سنّی دعوتِ اسلامی، بمبئی اور ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں بھی پڑھ سکتے ہیں)

آج کل اِس طرح کے مسائل میں بھی کبھی کبھی ''اِختلاف واِنحراف'' کی ''صدائے بازگشت'' سننے میں آتی ہے۔ حالاں کہ اس کا اختلاف سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے مسائل کو دِقّتِ نظر کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے ورنہ تھوڑی عُجلت بھی ''تشابُہ'' کا سبب بن سکتی ہے۔

ہاں! کسی فقیہ پر وہ فرق لطیف، واضح نہ ہوا اور اس نے دیانت داری کے ساتھ دل میں خدا کا خوف رکھتے ہوئے اپنی پوری کوشش، حقیقت تک رسائی اور حکم کے اِستخراج میں صرف کر دی، مگر اس کا دل اسی پر جمتا ہے کہ دونوں ایک ہیں۔ تو اب یہ ''تشابُہ'' نہیں بلکہ ''تحقیق وتحری قلب'' ہوگا۔ ایسے صاحبِ اجتہاد فُقَہا کے اقوال کو باہم ایک دوسرے سے اختلاف کہہ سکتے ہیں۔ مگر ان حضرات پر بھی جب فرق واضح ہو جاتا ہے تو فوراً حق کی طرف رجوع فرما لیتے ہیں اور اُس وقت ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ اختلاف فی الواقع صورتِ مسئلہ کا اختلاف تھا، نہ کہ اختلافِ حکم۔ ؎

اللہ کرے آپ سمجھ جائیں مری بات۔

(۳) اکابر فُقَہا کے درمیان، دلائل کی بنیاد پر اختلاف ہُوا اور بعد کے لوگوں نے ایک فقیہ کا اِتّباع کیا تو اسے بھی (بعد کے لوگوں کا) اختلاف نہیں کہتے۔

مثلاً: امامِ اعظم اور صاحبین ؓ کے درمیان اختلاف ہوا۔ پھر بعد میں اَصاغر نے امامِ اعظم کا اِتّباع کیا۔ یا صاحبین اور حضرت غوثِ پاک ؓ میں اختلاف ہوا اور اصاغر، صاحبین کا اتباع کریں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ: اصاغر نے حضرت غوثِ پاک یا صاحبین سے اختلاف کیا۔

سیدی اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ فقہ میں امامِ اعظم ابوحنیفہ ؓ کے مقلِّد ہیں اور طریقت میں حضرت غوثِ پاک ؓ کے سلسلے کے مُرید و معتقد، جن کی شان میں آپ نے عرض کیا ہے:

تیری سرکار میں لاتا ہے رضاؔ اس کو شفیع

جو، مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

اور سب کو معلوم ہے کہ فقہی فرعی مسائل میں امام ابوحنیفہ کا مذہب الگ ہے اور حضرت غوثِ پاک کا مذہب الگ۔ تو امام ابوحنیفہ کی اِتباع کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے غوثِ پاک رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے اختلاف کیا۔

اب فرض کیجیے کہ امام حَسَن بن زیاد رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ سے امام ابوحنیفہ ؓ کا کوئی قول مَروِی ہو اور امام ابوحنیفہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِکا اصل مذہب اس کے سِوا ہو۔ پھر مشائخ حنفیہ کا ایک طبقہ، اصل مذہب پر فتویٰ دے اور دوسرا طبقہ اس سے عُدول کر کے قولِ مَروِی پر فتویٰ دے۔

اس کے ایک زمانہ بعد کسی دینی ضروری مصلحت کی بنا پر بعد کے فُقَہا، پہلے طبقہ کے مشائخ کا قول اپنالیں۔ تو کیا یہ دوسرے طبقۂ مشائخ سے اختلاف ہوگا؟ ایسا نہیں۔

ہاں! اِختلاف ان مشائخِ کرام کے درمیان ہے اور یہ بعد کے فُقَہا تو انھیں میں سے ایک دوسرے کی پیروی کرنے والے ہیں۔

فتاویٰ عالم گیری میں اِستِصنَاع (فرمائشی بیع) کے باب میں امامِ اعظم اور ان کے صاحبین کے درمیان یہ اختلاف مذکور ہے کہ فرمائشی بیع میں سامان دینے کی مدت ایک ماہ سے کم ہو تو امام کے نزدیک اِستصناع ہے ورنہ سَلَم۔

مگر صاحبین رَحِمَھُمَا اللّٰہُ فرماتے ہیں کہ یہ مدت ایک ماہ یا اُس سے زیادہ ہو تو بھی استصناع ہی ہے۔

اِس اختلاف کے رونما ہونے کے بارہ سو برس بعد ''شرعی کونسل آف انڈیا، بریلی شریف'' نے ایک دینی مصلحت کی بنا پر صاحبین رَحِمَھُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی کے مذہب کو اختیار کر کے اس کے مطابق، فیصلہ صادر کر دیا۔

تو کیا یہ اربابِ شرعی کونسل کا امامِ اعظم سے اختلاف ہے؟ ایسا نہیں۔

ان حضرات نے تو صاحبین کا دامن تھاما ہے لِھٰذا، ان حضرات کی طرف امامِ اعظم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ سے اختلاف کی نسبت نہیں کرنی چاہیے۔

یہ ایک حُسنِ اِتفاق ہے کہ اس باب میں ہمارے فُقَہائے اہلِ سُنَّت کی ایک جماعت ''مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور'' کے فقہی سیمینار میں پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکی تھی۔ پھر چار سال بعد شرعی کونسل بھی اسی نتیجے پر پہنچی۔

(۴) جو اَحکام، زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے بدلتے ہیں وہ بھی ''اختلاف'' کے دائرے میں نہیں آتے۔ سات (۷) طرح کے اَحکام ہیں جو ضرورت، حاجت، عمومِ بلویٰ، عُرف، تعامُل، دینی ضرورت مصلحت کی تحصیل اور فسادِ موجود یا مظنون بظَنِّ غالب کے اِزالہ کی بنیادوں پر گردش کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ بنیادیں زمانے کے بدلنے کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں اس لئے احکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔

فقہا فرماتے ہیں کہ: محتاج کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے۔'' لیکن زمانے کے بدلنے کے ساتھ ''محتاج'' غنی ہو گیا تو فقہ کا ایک ادنیٰ طالب عالم بھی کہے گا کہ

اسے سودی قرض لینا، جائز نہیں۔

تو کیا یہ فقہا سے طالبِ علم کا اختلاف ہے؟ ایسا نہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ حالت کے بدل جانے سے حکم، خود ہی بدل گیا ہے اور طالبِ علم اسی کو بیان کر رہا ہے۔

شیر خوار بچے کو ننگا رہنا جائز ہے اور جوان کو ننگے رہنا حرام۔ اسے تو عوام بھی سمجھتے ہیں کہ یہ دو فقہا کا اختلاف نہیں۔ بلکہ حالات کے بدلنے کا لازمی اثر ہے۔

پھر اختلاف کسے کہا جائے؟

اب سوال یہ ہے کہ جب ''اختلاف'' یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں۔ تو پھر ''اختلاف'' کسے کہا جائے؟

جواباً عرض ہے کہ جہاں پہلے والے حکم کی دلیل وعِلّت الگ ہو اور بعد والے حکم کی دلیل وعِلّت بھی الگ ہو۔ اور مسئلہ اَشباہ ونظائر سے نہ ہو، نہ ہی اختلاف کرنے والے دو فقہا کے مختار و مفتی بہ اقوال میں سے کسی کا اختیار و اِتباع ہو، نیز اس کی بنیاد، ساتوں شرعی اسباب میں سے کسی سبب مثلاً: ضرورت، حاجت یا عُرف وتعامُل وغیرہ پر نہ ہو، نہ ایک ہی قول کے منطوق ومفہومِ مخالف کی وجہ سے فرقِ احکام ہو۔ وہ اختلاف ہے۔

کیوں کہ مسئلہ اگر اَشباہ ونظائر سے ہو تو وہاں فرقِ اَحکام، صورتِ مسئلہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ اور یہ فُقہا کا باہمی اختلاف نہیں۔ اور اکابر فقہا کے درمیان اختلافِ اقوال وتصحیح ہو تو ان میں سے کسی فقیہ کی پیروی کرنے والے کی طرف اختلاف کی نسبت نہ ہوگی۔

ہمارا کام ہے ان میں سے کسی ایک کا اتباع، ہم نے وہی کیا ہے۔

اور مسئلے کی بنیاد، ساتوں اسبابِ شرعیہ میں سے کسی سبب پر ہو تو یہ سبب وبنیاد بدلنے سے حکم میں تبدیلی ہوگی، نہ کہ یہ فقہا کا باہمی اختلاف ہوگا۔

فرقِ احکام ایک ہی ''قول'' کے منطوق ومفہومِ مخالف کی وجہ سے ہو تو بہر صورت، صاحبِ قول کا اِتباع ہے، نہ کہ ان سے اختلاف۔

تو کسی کی طرف اختلاف کی نسبت اُس وقت کریں گے جب مسئلہ ان چاروں صورتوں میں سے نہ ہو۔

یہ ''اختلافِ فقہی'' کا ایک سادہ سا تعارف ہے۔ ورنہ گہرائی میں اُتر کر کلام کیا جائے تو اس کا دائرہ اور محدود ہو سکتا ہے۔

اس لئے کسی مسئلے میں اگر آپ ''فرقِ احکام'' بلفظِ دیگر ''جُدا گانہ احکام'' دیکھیں تو درج بالا صورتوں کو سامنے رکھ کر اچھی طرح غور فرمائیں اور بلا تحقیق کسی کی طرف ''اختلاف'' کی نسبت کرنے سے اِحتراز کریں اور کم از کم فُقہا کو تو، یہ لفظ بولتے وقت اپنی عظمتِ شان کا اِحترام کرنا ہی چاہیے۔

☆ حنفی مذہب میں کیکڑا، حرام ہے اور شافعی مذہب میں حلال۔

☆ ہمارے مذہب میں امام کے پیچھے قرآن پڑھنا، ناجائز ہے۔ اور شافعی مذہب میں جائز۔ بلکہ واجب۔

☆ اپنے مذہب میں نماز میں درود شریف پڑھنا، سُنّت ہے اور شافعی مذہب میں فرض۔

☆ ہمارے مذہب میں نماز کے قَعدۂ اولیٰ میں بھول کر درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سَہو، واجب ہوگا اور شافعی مذہب میں نہیں۔

☆ اپنے مذہب میں اگر کوئی شخص جانور ذبح کرتے وقت بِسمِ اللّٰہ قصداً نہ پڑھے تو جانور، حرام ہے مگر شافعی مذہب میں حلال۔

☆ ہمارے یہاں شرم گاہ کو چھونا، ناقضِ وضو نہیں اور شافعی مذہب میں ہے۔

☆ اپنے مذہب میں کوئی عورت، کسی عورت کے ساتھ سفرِ حج کو نہیں جا سکتی اور شافعی مذہب میں جا سکتی ہے۔

یہ ہے ''اختلاف'' اور یہ ہے ائمۂ کرام کے درمیان اختلافِ مذاہب کی ایک ہلکی سی جھلک۔

ورنہ چاروں ائمۂ مذاہب کے درمیان ایسے بہت سے مسائل میں اختلافات ہیں

بلکہ خود اپنے (حنفی) مذہب میں اپنے ائمہ کے درمیان بھی کثیر مقامات پر فروعی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ استاذ اور شاگرد میں اختلافات ہیں۔ اور یہ اختلافات چوں کہ خَیرِ اُمّت کے ہیں اس لئے یہ بجائے خود رحمت بھی ہیں۔

اس کی وضاحت کے لئے دو مسئلے پڑھیں:

نائبِ مفتیِ اعظم، حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ لکھتے ہیں:

''قنوتِ نازلہ میں دعا، قبل رکوع ہے یا بعدِ رکوع؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ ''قبلِ رکوع'' ہے اور صدرُ الافاضل، حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی کا فتویٰ ہے کہ بعدِ رکوع۔

اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کا فتویٰ ہے کہ مزامیر کے ساتھ قوالی، مطلقاً ناجائز ہے۔ مگر ہمارے اکابرِ اہلِ سُنّت کا ایک طبقہ اسے جائز جانتا ہے۔ اور نہ صرف جائز جانتا ہے بلکہ سلوک میں مُمِد و مُعاوِن جان کر اسے سنتا بھی ہے اور سناتا بھی ہے۔''(۱۴)

یہ واقعی اختلاف ہے۔ پھر بھی اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ اور صدرُ الافاضل اور حضرت اشرفی میاں عَلَیْہِمُ الرَّحْمَۃ کے درمیان، رشتۂ محبت برابر قائم رہا اور فقہی اختلاف، قلبی اختلاف کا باعث نہ بن سکا۔

آج کے دَور میں ہمارے عُلمائے محققین، نو پیدا مسائل میں جو تحقیقات فرماتے ہیں وہ اختلافات کی حدوں سے بہت دور ہیں۔ وہ تو اپنے بزرگوں کے کلامِ مطلق یا کلامِ عام یا کلام کے مفہوم مخالف کا سہارا لیتے ہیں۔

یا پھر ساتوں شرعی بنیادوں کی گردش سے جہاں حکم میں تبدیلی ہو رہی ہوتی ہے اس کا انکشاف فرماتے ہیں۔

واضح ہو کہ عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ سے لے کر آج کے عہدِ انحطاط تک، ساتوں شرعی بنیادوں کی گردش کے باعث بدلنے والے اَحکام، بے شمار ہیں۔

اور آج کے فقہائے محققین جو عرق ریزی فرما رہے ہیں یا فرما چکے ہیں، اس کا رشتہ، عہدِ صحابہ و عہدِ رسالت سے جُڑا ہوا ہے اور اس روشِ نیک پر انگلی اٹھانا، اچھی بات نہیں۔

تاہم اب بھی کوئی وہی راگ الاپے جائے تو ہم اسے ''سلام'' کہیں گے اور امامِ عشق و محبت اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے بقول، عرض کریں گے۔؎

چھوڑ کے نغمۂ حجاز، دیس کی چیز گائی کیوں؟

☆☆☆

(۱) صحابۂ کرام کی مدح میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ:

''آپس میں رحم دل ہیں'' (س، الفتح:۴۸، آیت:۲۹)

(۲) حضور سیدِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کرے وہ ہم سے نہیں۔''

(سُنَنُ الترمذی، بابُ مَاجَاءَ فِی رَحْمَۃِ الصِّبْیَان)

(۳) القرآنُ المجید، س ،المائدہ:۵، آیت: ۸۔

(۴) القراٰنُ المجید، س: النساء۔٤، آیت: ۲۰۔

(۵) ۴۰۰/درہم برابر ۱۱۲ روپے انگریزی اور یہ ۳۶۸، ۱۳۰۶ گرام چاندی کے برابر ہے۔ یعنی ایک کلو ۳۰۶ گرام۔ ۳۶۸ ملی گرام۔ از: مؤلّف غُفِرَلَہٗ۔

(۶) فَوَاتحُ الرَّحمُوت، ص:۲۹۳، ج:۲، اصل ثالث: اِجماع۔

(۸) یہ ارشادِ رسول ہے۔ صحابہ نے پوچھا کہ یارسولَ اللّٰہ! جنّتی گروہ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

''وہ گروہ جو میری اور میرے صحابہ کی سُنّت پر ہو۔''(جامعُ الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی اِفتراقِ هٰذِهِ الأمّةِ ۔وسُنَنِ ابن ماجه، کتاب الفِتَن، باب اِفتراقِ الاُمَم)

(۹) تاریخُ الخُلفاء، مترجَم، ص:۲۳۳،۲۳٤۔

(۱۰) فوائدِ رضویه برحاشیۂ فتاویٰ رضویه، جلدِ اول، ص:٦١٦۔

(۱۱) فَواتحُ الرَّحمُوت، ص:۲۹۳، ج:۲، اصل ثالث، اِجماع۔

(۱۲) هِدایه، ص:۸، ج:۳، مجلس البرکات، مبارک پور۔

(۱۳) هِدایه، کچھ شرح کے ساتھ، ص:۱۱، ج:۳، کتاب البیوع مجلس البرکات۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

(۱۴) اسلام اور چاند کا سفر، ص: ۱۰۔ مؤلّفہ مفتی محمد شریف الحق امجدی۔

خطبۂ صدارت، فقہی سمینار
پونہ ، مہاراشٹر

از مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

بَعدَالْحَمْدِ وَالصَّلوٰۃِ۔

حضرات! یہ دارُالعلوم قادریہ، پونہ (مہاراشٹر) کے زیر اہتمام مجلسِ شرعی، الجامعۃ الاشرفیہ ،مبارک پور کا اِکیسواں فقہی سیمینار ہے جو مہاراشٹر کے مشہور شہر پونہ کی سرزمین پر منعقد ہو رہا ہے۔

میں اِس سیمینار (۱۵ تا ۱۷ صفر ۱۴۳۵ھ/۱۹ تا ۲۱ دسمبر ۲۰۱۳ء) میں آپ حضرات کی تشریف آوری کا خیر مقدم کرتا ہوں اور آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے اپنے قدوم میمون سے ہمیں ممنون فرمایا۔ یہی نہیں بلکہ چند ماہ قبل جب مجلسِ شرعی (مبارک پور) کے سوالات آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے اپنی دیگر علمی، دینی اور ذاتی و خانگی مصروفیات سے اِن سوالات کے جوابات تیار کرنے کے لیے اپنا قیمتی اور اہم وقت نکالا، اور حل تک رسائی کے لیے حسبِ وُسعت سَعیِ بلیغ فرمائی اور اب اَبحاث و مذاکرات میں بھی حصہ لے کر مسائل کو روشن و منقح اور فیصل کرنے کے لئے اپنی فکری و علمی توانائیاں صَرف کریں گے۔

یہ ساری مساعیِ جمیلہ ہمارے لئے مزید تشکر و اِمتنان اور قلبی مسرت و اطمینان کا ہمت اَفزا سامان ہیں۔ ربِ کریم سب کو اپنی جَزاے فرواں اور نعمتہاے بے پایاں سے نوازے۔ آمین! یا اَکرَمَ الْاَکرَمِیْن۔

دوسری طرف، ہم دارُالعلوم قادریہ کے صدر، مولانا نوشاد عالم مصباحی غازی پوری، مقیم ساؤتھ افریقہ، ناظمِ اعلیٰ مولانا ایاز احمد مصباحی اور دیگر ارکان و معاونین اور محبین و مخلصین کے بھی شکر گذار ہیں کہ انھوں نے اِکیسویں فقہی سیمینار کی ذِمّہ داری اپنے سر لی۔ اور اس راہ میں جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) کو اپنے بیش بَہا تعاون سے نوازا اَور اس علمی و فقہی کارواں کی راحت و ضیافت کے لئے اپنی قربانیاں پیش کیں۔

یقیناً یہ حضرات اپنی سعادت اور علم و عُلما سے والہانہ محبت کے باعث آپ کی دعاؤں کے مستحق ہیں۔ ربِ جلیل انھیں دارَین کی فیروزمندیوں سے سرفراز بنائے۔ آمین۔

حضرات! مجلسِ شرعی (مبارک پور) کے مذاکرات کی یہ دیرینہ روایت ہے کہ اس میں ہر صاحبِ علم کو سنجیدگی اور متانت کے ساتھ کھل کر بحث کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ ایک مندوب نے کوئی راے پیش کی اور دوسرے کو اس سے اختلاف ہے تو وہ برملا اس کا اظہار کرتا ہے۔

ایک نے کوئی دلیل یا کوئی عبارت اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کی اور دوسرے کی نظر میں اس کے خلاف کوئی دلیل یا کوئی عبارت ہے تو وہ اسے سامنے لاتا ہے۔

کسی نے کوئی نظریہ پیش کیا جس کی دلیل، لوگوں کی نظروں میں نہیں تو اس سے دلیل کا مطالبہ ہوتا ہے۔

میں کئی سال پہلے اپنے ایک مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ:

اسبابِ سِتّہ سے متعلق مذاکرات میں ایک بار فُقَہاے کرام کے ارشاد ''اَلْحَاجَۃُ قَدْتَنَزَّلُ مَنْزِلَۃَ الضَّرُوْرَۃ'' پر یہ سوال ہوا کہ وہ کون سے مواقع ہیں جہاں حاجت، بمنزلۂ ضرورت ہوتی ہے؟ بہت سے لوگوں نے جواب دینے کی کوشش کی مگر ہر جواب پر اعتراض وارد ہوتا رہا۔

کافی دیر کے بعد نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند، حضرت شارح بخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے اپنے جچے تلے جامع و مانع الفاظ میں اس کی وضاحت فرمائی۔

اس پر کوئی اعتراض تو نہ ہو سکا مگر خاص طور سے نوجوان مندوبین کی جانب سے بیک زبان اس کا مطالبہ ہونے لگا کہ:

''حضرت! اس پر کوئی حوالہ پیش فرمائیں۔''

یہ نوجوان عُلما، حضرت شارحِ بخاری کے تلامذہ کے تلامذہ کی صف میں آتے تھے اور ان کے علمی پوتوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر وہ حضرت سے مرعوب ہو کر خاموش نہ رہے اور نہ حضرت نے اپنی لمبی عمر اور طویل فقہی تجربات

کا حوالہ دے کر انہیں خاموش کرنے کی کوشش کی۔

بلکہ فرمایا کہ ”مجھے خوشی ہے کہ مجھ سن رسیدہ سے آپ لوگ مرعوب نہ ہوئے اور مجھ سے بھی حوالے کا مطالبہ کر دیا۔ اس سے مجھے امید ہے کہ ہمارے بعد بھی آپ یہ علمی و فقہی کام پوری تحقیق و تنقیح کے ساتھ انجام دیتے رہیں گے اور کسی سے مرعوب ہو کر کوئی بے دلیل بات قبول نہ کریں گے۔“

جو حضرات، مجلسِ شرعی، مبارک پور کے سیمیناروں میں شریک ہوتے ہیں اُنھیں بخوبی معلوم ہے کہ آج بھی وہ رَوِش برقرار ہے۔ سوالات اور اعتراضات کو سنجیدگی سے سنا جاتا ہے اور شافی حل نکالنے پر پوری کوشش صَرف ہوتی ہے۔

ربِّ جواد و منّان و وہّاب اِس علمی و تحقیقی رَوِش کو ہمیشہ قائم رکھے اور ہر قسم کی نظرِ بد سے بچائے۔ آمین۔

ہمارے سیمیناروں میں شرکت کرنے والے حضرات کو معلوم ہے کہ:

جب کسی عنوان پر مقالات کی تلخیص پیش ہوتی ہے تو رایوں میں بڑا اِختلاف نظر آتا ہے۔ بعض اوقات، دو مختلف رایوں میں سے ہر رائے پر دلیل کی قوت بھی نظر آتی ہے۔ تلخیص میں ہر رائے کو اس کی دلیل کے ساتھ پوری دیانت داری سے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

پھر جب سنجیدگی و متانت، اِخلاص و حُسنِ نیت اور دلائل و شواہد کی قوت کے ساتھ بحث ہوتی ہے تو ربِّ کریم کا فضلِ عظیم، شاملِ حال ہوتا ہے اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ کسی قوی اور راجح دلیل کے باعث تمام مندوبین کا ایک رائے پر اتفاق ہو جاتا ہے۔ اور اسی کے مطابق فیصلہ، درج کر لیا جاتا ہے۔

بِالفرض کسی کو کوئی اختلاف ہُوا اور جوابات سے اس کی تشفی نہ ہو سکی تو اُسے تصدیقی دستخط ثبت کرنے سے آزاد رکھا جاتا ہے۔

کسی سے اِس بات کی گذارش نہیں ہوتی کہ ہماری رعایت میں اپنے موقف کے خلاف، دستخط کر دیجیے۔

ایک دو نظیریں ایسی بھی ہیں کہ کسی رائے پر سب کا اتفاق نہ ہو سکا تو اختلاف کی نشان دہی کے ساتھ فیصلہ درج کیا گیا۔ یہ بھی کسی جُزئی فَرعی رائے میں ہوا۔ ورنہ اکثر مسائل، بنیادی نقطۂ نظر کے اعتبار سے شافی حل سے ہمکنار ہوئے۔

اِنْ شَاءَ الْمَوْلیٰ تَعَالیٰ ان فیصلوں کا مجموعہ، جلد ہی اشاعت پذیر ہوگا جسے ملاحظہ فرمانے کے بعد اہلِ علم ان شُرکاے مذاکرات کی تحقیقی کاوشوں کا مکمل نہیں تو کچھ اندازہ ضرور کر سکیں گے۔ رہے عوام تو وہ بھی اپنی ضرورتوں کا حل دریافت کر کے یقیناً مسرور ہوں گے۔

گذشتہ سال (رجب ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء) بیسواں فقہی سیمینار، جامعۃ البرکات، علی گڑھ کی سرزمین پر سرکار مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین، امینِ مِلّت، حضرت سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی دَامَ ظِلُّہٗ کی سرپرستی اور ان کے اَعِزّہ کے اہتمام و انتظام میں منعقد ہوا۔ اس کے موضوعات یہ تھے:

(۱) اِنٹرنیٹ کے مواد و مشمولات کا شرعی حکم۔

(۲) عذر کے باعث، طوافِ زیارت میں ایک یوم کی تاخیر۔

(۳) جینٹک ٹیسٹ کا شرعی حکم۔

(۴) دَورِ حاضر میں چلتی ٹرین میں نماز کا حکم۔

اِن موضوعات پر کھل کر بحثیں ہوئیں اور مسائل اپنے دلائل کے ساتھ حل کی منزل سے ہمکنار ہوئے جس سے علی گڑھ اور دیگر مقامات کی علمی فضا پر اچھا اثر قائم ہوا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

مگر کچھ اپنے ہی کرم فرماؤں نے اپنے خاص سنّی حنفی بھائیوں کے بعض حسّاس حلقوں میں اس کا سخت منفی اثر پیدا کرنے کی کوشش کی اور صرف چلتی ٹرین کا مسئلہ ذکر کیا۔ گویا بیسویں فقہی سیمینار میں نہ کوئی دوسرا موضوع، زیرِ بحث آیا، نہ اس پر کوئی فیصلہ ہوا۔

اسی پر بس نہیں، دیگر سیمیناروں میں جو فیصلے ہوئے انھیں بھی مُبہم طور پر بے وقعت اور نا قابلِ التفات جتانے کی سَعیِ نا روا، رَوا رکھی گئی۔

اس سے بھی تسلی نہ ہوئی تو الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور) کے پورے وجود کو نشانہ بنایا گیا اور ممبئی و پور بندر (گجرات) کی سرزمین سے اس پر علانیہ حملوں کا ''مجاہدانہ وبہادرانہ'' کارنامہ انجام دیا گیا۔ جس پر اہلِ سُنّت کو حیرت کے ساتھ افسوس بھی ہے کہ:

وہ ادارہ جو ماضی کی طرح حال میں بھی دین ومسلک کی نمایاں اور ممتاز خدمات انجام دینے میں منہمک ہے، جس کے فرزند آج بھی اہلِ باطل کے خلاف ملک وبیرون ملک ہرجگہ سینہ سپر ہیں اُسے یوں نشانہ بنانا، کسی طرح درست نہیں۔

ہاں! اِس محاذ آرائی میں غیروں کے لیے مسرت وخوشی کا سامان، ضرور ہے۔

چلتی ٹرین میں نماز کا مسئلہ مجلسِ شرعی سے نشر شدہ دو کتابوں میں پوری علمی وتحقیقی متانت کے ساتھ بغیر کسی گالی گلوج کے واضح کیا جا چکا ہے۔

(۱) فقہِ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت! فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے۔

(۲) چلتی ٹرین میں نماز کا حکم۔

اہلِ علم ان دونوں کا مطالعہ کرلیں۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ پوری تشفی ہوجائے گی۔

اس کے بعد یہاں اسے بیان کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی مگر توضیحِ مزید کے لیے میں بھی اپنے الفاظ میں کچھ عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ خدا نے چاہا تو رائیگاں نہ ہوگی۔

ہم اِس بات کے قائل ہیں کہ: نماز یا وضو وغسل سے رکاوٹ کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ جو رَب کی طرف سے ہو۔ دوسری وہ جو بندوں کی طرف سے ہو۔

اول میں جس طرح ہوسکے نماز ادا کرلے اور بعد میں اِعادہ نہیں۔

دوم میں جیسے ہوسکے ادا کرلے۔ پھر جب رکاوٹ جاتی رہے، تمام شرطوں کے ساتھ

اِعادہ کرے۔

یہ حکم، فرض وواجب یا ملحق بواجب نمازوں کے لیے ہے۔

کتبِ فقہ میں بندوں کی جانب سے رکاوٹ کے تحت یہ مثالیں دی گئی ہیں:

(۱) کسی شخص کو کسی دشمن نے قید کرلیا اور وضو یا نماز کی مہلت نہیں دیتا۔

(۲) پانی پر دشمن ہے اور دھمکی دے چکا ہے کہ تم اِدھر آئے تو قتل کردوں گا۔ یا ہاتھ پاؤں توڑ ڈالوں گا۔

(۳-۴) یا پانی سے وضو وغسل کرنے پر یا باوضو کو نماز پڑھنے پر اس طرح کی دھمکی دے رہا ہے۔ اور نمازی کو غالب گمان ہے کہ دشمن جو کہہ رہا ہے اسے کر گزرے گا تو اِن حالتوں میں اسے حکم ہے کہ جیسے ہوسکے، نماز ادا کرلے پھر بعد زوالِ مانع، اِعادہ کرے۔

اس مضمون کے فقہی جزئیات میں یہ امر بالکل واضح ہے کہ کوئی شخص نمازی کو براہِ راست نماز یا وضو وغسل سے روکنے والا ہے۔ آج بھی کوئی شخص اس طرح کسی نمازی کو براہِ راست نماز یا وضو وغسل سے روکے تو اس کے مَنْع مِنْ جِهَةِ الْعَبْد ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اور حکم وہی ہوگا کہ فی الحال جیسے ہوسکے ادا کرلے اور زوالِ مانع کے بعد اِعادہ کرے۔

اب ریلوے نظام پر غور کریں تو مختلف صورتیں سامنے آئیں گی:

(۱) ابتدا میں یہ حال تھا کہ ٹرینوں میں پانی کا انتظام نہ ہوتا۔ بعد میں کچھ ٹرینوں میں انتظام رہنے لگا۔ اب تقریباً سبھی ٹرینوں میں پانی موجود ہوتا ہے۔ اِس لیے وضو وغسل سے رکاوٹ جاتی رہی۔

(۲) اعلیٰ حضرت اور محدّث سورتی عَلَيْهِمَا الرَّحْمَةُ کے زمانے میں بالعموم ٹرینوں کے اِسٹاپ، قریب قریب اور ٹھہرنے کے وقفے زیادہ تھے۔ اس لیے محدّث سورتی عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ نے لکھا کہ:

مجھے سو بار سے زیادہ ٹرین سے سفر کا اتفاق ہوا۔ ایک اسٹیشن پر اُتر کر وضو کرلیا۔ دوسرے اسٹیشن پر اُتر کر نماز پڑھ لی۔ کبھی چلتی ٹرین پر نماز پڑھنے کی نوبت نہ آئی۔

اِس سے معلوم ہوا کہ اُس زمانے کا حال یہ تھا کہ ذرا اِہتمام کرلیا جائے تو ٹرین سے اُتر کر باضابطہ، زمین پر نماز کی ادائیگی، میسر تھی۔

(۳) اب یہ حال یہ ہے کہ بہت سی ٹرینیں، بعض نمازوں مثلاً عصر یا مغرب یا فجر کے پورے وقت میں ایک بار بھی نہیں رکتیں۔ اور کبھی رکتی ہیں تو اس قدر کم کہ اتنے وقفے میں نماز کی ادائیگی نہیں ہو پاتی۔

اور اب چند سالوں سے کچھ ایسی ٹرینیں بھی چلی ہیں جو ظہر وعشا کے اوقات میں بھی نہیں رکتیں۔

(۴) پہلے ریلوے نظام، حکومت نے پرائیوٹ کمپنیوں کے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ انھوں نے ٹرینوں کے ٹھہرنے کے اوقات میں انگریزوں کے کھانے کی رعایت رکھی تھی۔ بعد میں یہ نظام جب حکومت نے خود اپنے ہاتھوں میں لیا تب بھی وقفۂ طعام کی رعایت برقرار رہی۔ اب، بیس سال یا زیادہ عرصہ سے یہ حال ہے کہ ٹرینوں کے ٹھہرنے میں کھانے کے اوقات کی خاص رعایت بالکل نہ رہی۔ رکتی ہیں تو سب کے لئے، نہیں رکتی ہیں تو کسی کے لئے نہیں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ محکمۂ ریلوے براہِ راست ادائے نماز سے مانع کبھی نہ رہا پھر اسے نماز سے مانع کیوں قرار دیا گیا؟

وجہ یہ ہے کہ نماز کے لئے ایک شرط اِسْتِقْرَار عَلَیٰ الْاَرْض ہے۔ جو ٹرین، رواں رہنے کی صورت میں پوری نہیں ہوتی۔ اگر محکمۂ ریلوے، اوقاتِ طعام کی طرح اوقاتِ نماز میں ٹرین روکنے کا انتظام کرتا تو یہ شرط ضرور پوری ہو جاتی۔ مگر اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے زمانے میں اس نے انگریزوں کے کھانے کے لیے ٹرین روکنے کی رعایت رکھی، مسلمانوں کی نماز کے لئے یہ رعایت نہ رکھی اس لئے امام اہلِ سُنّت قُدِّسَ سِرُّہٗ نے اسے مانع اور اس منع کو مَنْع مِنْ جِهَةِ الْعِبَاد قرار دیا۔ اور اپنی عبارت کے مفہوم سے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اگر ٹرین انگریزوں کے طعام اور مسلمانوں کی نماز کسی کے لیے نہ روکی جاتی اور صرف چلنا ہی چلنا اور منزل تک پہنچنا، پہنچانا ہی مقصود ہوتا تو اسے بالواسطہ مانع اور اس رکاوٹ کو مَنْع مِنْ جِهَةِ الْعِبَاد قرار نہ دیا جاتا۔

اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے الفاظ، ملاحظہ کریں:

”انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لئے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو مَنْع مِنْ جِهَةِ الْعِبَاد ہوا۔ اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعد زوالِ مانع، اِعادہ کرے۔“

(فتاویٰ رضویہ، ج ۳۔ ص ۴۴۔ سنّی دارُالاشاعت، مبارک پور)

مَنْع مِنْ جِهَةِ الْعِبَاد ہونے کی تفریع دو امروں پر ہے:

انگریزوں کے کھانے کے لیے روکنا اور نماز کے لیے نہ روکنا۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر دونوں کے لئے ”نہ روکنا“ ہو تو مَنْع مِنْ جِهَةِ الْعِبَاد نہیں۔ صرف ایک امر کو لینا اور دوسرے کو ساقط کر دینا، کسی طرح قرینِ انصاف نہیں۔

اِس سے زیادہ واضح اور مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ مسئلہ، شُتر بانوں کے قافلے کا ہے۔ وہ اونٹوں کو ایک بار، دو پہر میں روکتے، دوسری بار، رات کو نصف شب کے قریب روکتے۔

حنفیوں کو عصر و مغرب، سواری سے اُتر کر پڑھنے کا موقع نہ ملتا۔ انہیں حکم ہوا کہ چلتی سواری پر نماز پڑھ لیں اور اِعادے کی حاجت نہیں۔ اس لئے کہ سارے شُتر بانوں کا مقرَّرہ قاعدہ صِرف دو بار رُکنے کا تھا۔ جس کی وہ پابندی کرتے۔

شُتر بان، سب، بندے تھے۔ ہر ایک کو عصر و مغرب کے اوقات میں اپنا اونٹ روکنے کا پورا اختیار تھا۔ ان کے اوپر حکومت یا حکومت کے کسی محکمے کی جانب سے کوئی پابندی نہ تھی۔ نہ کسی جرمانے یا جیل جانے کا کوئی خطرہ۔

بس وہ اپنے مقرَّرہ ضابطے کے باعث، مذکورہ اوقات میں سواریاں نہ

روکتے۔ یہ نہ روکنا ان بندوں کا اپنا مصنوعی اور اختیاری عمل تھا اس لیے اسے مَنعٌ مِنْ جِهَةِ الْعِبَاد قرار دے کر سواری پر ادا کی ہوئی نماز کے اِعادے کا حکم ہوسکتا تھا مگر نہ ہوا۔

حالاں کہ اس سواری پر صرف اِستِقرَارُ عَلَى الْاَرْض اور اِتحادِ مکان کی شرط ہی فوت نہ ہوتی تھی، کئی رکن اور فرض بھی فوت ہوتے تھے۔ یعنی قیام، رکوع، سجود بروجہِ معروف ادا نہ ہوتے۔ جب کہ چلتی ٹرین میں قیام، رکوع، سجود، قومہ وغیرہ بروجہِ معروف ادا ہوجاتے ہیں۔

شرط کے ساتھ مذکورہ فرائض، فوت ہونے کا تقاضا تو اور سخت تھا کہ اونٹوں پر بروجہِ ممکن نماز ادا کرنے کے بعد اِعادہ کا حکم ضرور ہو۔

اگر کہا جائے کہ مسافر کو تنہا اترنے میں جان و مال کے ضیاع کا اندیشہ تھا اس لیے یہ مَنعٌ مِنْ جِهَةِ الْعِبَاد نہ قرار پایا۔

تو ہم کہیں گے کہ یہ خطرہ بھی تو ان شُتر بانوں کے سواریاں نہ روکنے ہی کی پیداوار ہے، اِس لئے اس کی نسبت بھی بندوں ہی کی طرف ہونی چاہیے۔

پھر اس طرح کا خطرہ تو آج ٹرینوں سے اُترنے میں بھی موجود ہے۔ کم از کم شقیقِ نفس۔ ''مال'' کی بربادی، ریزرویشن ٹکٹ کا نقصان، وقت کا ضیاع، مقصدِ سفر کی ناکامی، یا مشکلات کی اَفزونی تو ضرور موجود ہے۔

اس کے باوجود اگر ٹرین ہی پر نماز پڑھوا کر اعادہ کروانا ضروری ہے تو اونٹوں پر بھی نماز پڑھوا کر اِعادہ کا حکم ہونا چاہیے تھا۔

غور کیجیے تو وجہ یہی ہے کہ شتر بانوں کا مقصد، حنفیوں کو نماز سے روکنا نہ تھا۔ انھیں صرف منزل تک پہنچنے پہنچانے سے سروکار تھا۔ اس معاملے میں ان کا سلوک، حنفی غیر حنفی سب کے ساتھ یکساں تھا، اِس لئے ان کے منع کو مَنعٌ مِنْ

جِهَةِ الْعِبَاد قرار نہ دیا گیا اور اِعادۂ نماز کا حکم نہ ہوا۔

اب یہی حال ٹرینوں کا ہو چکا ہے۔ لوگ برق رفتار ٹرینوں کا سفر، منزل تک جلد پہنچنے کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ اس کے لئے مقرَّرہ کرایہ ادا کرتے ہیں، جو بعض ٹرینوں اور بعض کلاسوں میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ محکمۂ ریلوے بھی چاہتا ہے کہ مسافروں کو ان کی منزلوں تک جلد پہنچایا جائے۔ اِس لئے کہ اسی غرض سے وہ ہمیں کرایے کی رقم ادا کر رہے ہیں۔

کسی کو نماز یا دیگر ضروریات سے روکنا مقصود نہیں ہوتا۔ جیسے مسلسل شُتر رانی سے شُتر بانوں کا مقصد، حنفیوں کو نمازوں سے روکنا نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنے مقرَّرہ قاعدے کے مطابق، منزل تک جلد پہنچانا ہوتا تھا۔ تو اب ٹرینوں کے سفر میں بھی وہی حکم ہوگا جو اگلے زمانے میں اونٹوں پر سفر کا تھا۔ اب یہاں بھی اعادۂ نماز کا حکم نہیں۔

اس مسئلے کو سیمینار میں واضح کر دیا گیا اور فتاویٰ رضویہ کا مفہوم بھی عیاں کر دیا گیا۔

غور کیجیے کہ چلتے اونٹوں پر نماز پڑھنے میں شرط کے ساتھ کئی کئی فرض، فوت ہوتے تھے۔ پھر بھی بشمول امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّهٗ فقہاے اَحناف نے جواز بلا اِعادہ کا حکم دیا۔ ان کی پیروی کرتے ہوئے مجلسِ شرعی (مبارک پور) نے عصرِ حاضر کی ٹرینوں پر جواز بلا اِعادہ کا حکم دیا تو ہمارے مہربانوں نے نہ صرف یہ کہ ''چلتی ٹرین'' بلکہ ''پوری ریلوے لائن'' سر پر اٹھالی۔

اور یہ مسئلہ دارُالافتاؤں اور دانش گاہوں سے نکال کر سخت ہنگامہ خیز حالت میں بازاروں، ہوٹلوں اور سڑکوں پر کھڑا کر دیا۔ فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ ریلوے نظام میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی، سو سال پہلے جو نظام تھا وہی آج بھی رائج ہے۔ تو ریلوے نظام کا کوئی واقف کار اِس دعویٰ پر اچھا تبصرہ کر سکتا ہے۔ ہم تو سکوت

ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔

اَلْغَرَض اگر کوئی سمجھنے کے لئے آمادہ نہ ہو، یا سمجھ بوجھ کر نہ مانے تو منوا دینا نہ ہماری ذِمّہ داری ہے نہ اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی۔

مُصَرِّفُ الْقُلُوب ،رَبُّ الْعِزَّتْ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے، وَبِیَدِہٖ اَزِمَّۃُ الْاُمُوْر۔

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جب آج کی برق رفتار ٹرینوں میں کُل یا بعض نمازوں کی شرعی ادائگی نہ ہونا بالکل یقینی ہے تو قصداً اُن کا سفر اختیار کرنا جائز ہے یا سخت ناجائز وحرام؟

ایسے سائلین کی کامل تفہیم وتشفی کی بھی فکر ہونی چاہئے۔

میں یہ بھی صراحت کردوں کہ ٹرینوں کا نظام اوران پر نمازوں کے جواز یا عدمِ جواز کا مسئلہ قرآن وحدیث کا کوئی منصوص مسئلہ نہیں، ایک نیا اور فرعی مسئلہ ہے۔ جس میں اگر کوئی فریق، دلیل کی تطبیق وتفہیم میں خطا کر جائے تو اسے گمراہ یا فاسق ٹھہرانا رَوا نہیں۔

اسی لئے حضرت محدِّث سورتی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ یا اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ نے اس مسئلے کی بنیاد پر اپنے دَور کے اُن لوگوں کو فاسق یا گمراہ نہ کہا جو چلتی ٹرین پر نماز کے جواز بلا اِعادہ کے قائل تھے۔

مگر آج کل اِسی فرعی مسئلے کی بنیاد پر بعض لوگوں نے تفسیق وتضلیل کی مُہم جاری کر رکھی ہے۔ فَیَالَلْعَجَب !

خیر! یہ تو ایک نیا مسئلہ ہے۔ سجدۂ تعظیمی کی حُرمت تو ایسا قدیم اور مستحکم مسئلہ ہے کہ امام اہلِ سُنّت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے اَلزُّبْدَۃُ الزَّکِیَّۃ فِی تَحْرِیْمِ سُجُوْدِ التَّحِیَّۃ میں اس پر آیات وتفاسیر کے علاوہ چالیس حدیثیں اور ڈیڑھ سو فقہی نصوص پیش کیے ہیں۔ چاروں مذاہب کے ائمہ کا اس پر اجماع بتایا ہے۔ مگر سرکار مفتی اعظم قُدِّسَ سِرُّہٗ نے صراحت فرمائی ہے کہ مخالفینِ حُرمت کی پیروی میں سجدۂ تعظیمی کا اِرتکاب کرنے والوں پر حکمِ تفسیق نہیں۔

دیکھیے فتاویٰ مصطفویہ۔ ص ۴۵۶۔ اور فقہِ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت۔ ص ۱۱،۱۲۔

کیا سرکار مفتی اعظم عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے محض اندھیرے میں تیر چلایا ہے؟

اور مُرتکبینِ سجدۂ تعظیمی کی نارَوا رِعایت سے کام لیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ وَاللّٰہِ ان کی یہ شان نہیں۔

یہ شان ہمارے کرم فرماؤں کی ہے۔ جنھوں نے آج کے نو پید افرعی مسئلہ، چلتی ٹرین میں نماز سے متعلق جواز بلا اِعادہ کے قائلین کو فسق وضلال تک پہنچانے کی جسارت کی ہے اوران کے پیچھے نماز کی ادائگی، ناجائز لکھی ہے۔

نہ خدا کا خوف، نہ رسول سے حیا، نہ مُرشِد سے شرم، نہ مُرشِد کے مُرشِد کا پاس ولحاظ۔ فتویٰ نویسی کا نہ کوئی ضابطہ رہا نہ اصول۔

ایک فرعی مسئلے کو حُسَامُ الْحَرَمَین کا درجہ دے کر ملک بھر سے دستخطوں کا اَنبار جمع کر کے عصرِ حاضر کا اَلصَّوَارِمُ الْھِنْدِیَّۃ بنا کر شائع کردیا۔ اور بزعمِ خویش، نغمہ زَن ہیں کہ:

شادَم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم۔

اپنے ہی بھائی ہیں اِس لیے دعا کرتا ہوں کہ ربِّ کریم انھیں فقاہت وبصیرت عطا کرے اور سرکار مفتیِ اعظم قُدِّسَ سِرُّہٗ اورامام اہلِسُنّت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی پیروی نصیب فرمائے۔

یہ تو ہمارے دَور کی بات ہے: مفتیِ اعظم قُدِّسَ سِرُّہٗ اور جمہور عُلمائے اہلِ سُنّت، لاؤڈ اسپیکر پر نماز کی اِقتدا، ناجائز کہتے تھے۔ میں بھی اسی کا قائل ہوں۔

مفتی سید افضل حسین مونگیری صدرُ المدرسین جامعہ منظر اسلام، بریلی شریف اور مفتی محمد جہاں گیر اعظمی، استاذِ منظر اسلام، بریلی شریف، جواز کے قائل تھے۔

مفتی سید افضل حسین عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھ کر شائع کی۔ مگر مفتیِ اعظم عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے ان حضرات یا ان کے متبعین پر نہ حکمِ فسق عائد کیا نہ بریلی کے سُنّی مسلمانوں کو ان کی اِقتدا سے روکا، نہ اپنی اجازت

وخلافت سے محروم کیا۔

کیا ہمارے کرم فرماؤں کی فقاہت یا دینی حمیّت یا پرہیزگاری اور تقویٰ، سرکار مفتیِ اعظم قُدِّسَ سِرُّہٗ سے فزوں تر ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ معاملہ برعکس ہے۔

ان معروضات کے بعد مجھے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے دینی تصلُّب، فروغِ سُنّیت میں اس کے نمایاں کردار اور رضویات کے باب میں اس کی روشن خدمات کا ذکر کرنا تھا اور یہ بتانا تھا کہ آج بھی اشرفیہ کے قادری، چشتی، نقشبندی، برکاتی، رضوی، اشرفی، رشیدی (وغیرہ) فرزندوں اور غلاموں میں وہی جذبات، مَوج زَن ہیں جو کل تھے۔

مختلف بِلاد و ممالک میں آج بھی وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ اور اکابرِ اہلِ سُنّت کا نام روشن کررہے ہیں اور پوری قوت کے ساتھ آج بھی وہ ہر باطل سے نبرد آزما ہیں۔

اس کا ایک نمونہ، جامعہ قادریہ، پونہ (مہاراشٹر) بھی ہے جس کے زیر اہتمام آج ہم یہاں جمع ہیں۔

میں یقین دلاتا ہوں کہ اِن کرم فرماؤں کی پیہم یورشیں بھی اِنْ شَاءَ اللّٰہ ارکانِ اشرفیہ اور اَبنائے اشرفیہ کو بدمذہبوں اور بے دینوں کی دَسیسہ کاریوں سے اہلِ سُنّت کو بچانے اور اشاعتِ مسلکِ حق کی راہ میں اپنی ساری توانائیوں کے ساتھ سرگرمِ سفر رہنے سے غافل نہیں کرسکتیں۔ وَ هُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَان۔

اشرفیہ، مبارک پور کی خدمات کا موضوع ایک مستقل مضمون بلکہ ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے۔ اِس لئے یہ کام کسی جواں سال عزیز کے لئے چھوڑتا ہوں۔ خدا نے چاہا تو کوئی فرزند اِس موضوع کو اپنے شاداب قلم سے سیراب کرکے دنیا کی نگاہوں کو آسودہ کرے گا۔

وَالتَّوْفِيْقُ بِيَدِالْمَوْلیٰ الْكَرِيْمِ الْعَزِيْزِ۔ مِنْهُ الْبِدَايَةُ وَاِلَيْهِ النِّهَايَةُ۔

حضرات! یہ عیسوی سالِ رواں اور ہجری سالِ ماضی وحال، اہلِ سُنّت کے لئے ’’عامُ الحزن‘‘ کی شکل اختیار کرگیا۔ ہماری کئی عظیم ہستیاں صرف دو ماہ کے عرصے میں ہم سے پے بہ پے روپوش ہوگئیں۔ میں یہاں صرف چار ناموں پر اِکتفا کرتا ہوں۔

(۱) اجملُ العلما، مفتی محمد اجمل شاہ سنبھلی مرادآبادی کے شاگرد، مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی سنبھلی مرادآبادی، مفتیِ اعظم راجستھان، سربراہِ اعلیٰ دارُالعلوم اسحاقیہ، جودھ پور۔ راجستھان

تاریخِ رحلت: ۹رذی الحجہ ۱۴۳۴ھ/۱۵راکتوبر ۲۰۱۳ء سے شنبہ۔

(۲) امامِ علم وفن، علاّمہ خواجہ مظفرحسین رضوی پورنوی، شاگردِ ملک العلما، علاّمہ ظفرالدین رضوی بہاری، شیخ الحدیث دارُالعلوم نورالحق چِرّا محمد پور، فیض آباد۔ یوپی۔

تاریخِ رحلت: ۱۴رذی الحجہ ۱۴۳۴ھ/۲۰راکتوبر ۲۰۱۳ء یک شنبہ۔

(۳) شہزادۂ سیدُ العلما، حضرت سید شاہ آلِ رسول حَسْنَین میاں نظمی، سجادہ نشین سرکار عالیہ مارہرہ شریف، مقیم عروس البلاد ممبئی۔

تاریخِ رحلت: یکم محرمُ الحرام ۱۴۳۵ھ/۶رنومبر ۲۰۱۳ء۔ شنبہ۔

(۴) حضرت مولانا نصراللہ رضوی مصباحی۔ میرے عزیز اور ہم وطن۔ استاذِ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ۔ ضلع مئو۔ یوپی۔

تاریخِ رحلت: ۴رمحرم ۱۴۳۵ھ/۹رنومبر ۲۰۱۳ء۔ شنبہ۔

یہ سبھی حضرات، جامعہ اشرفیہ اور مجلسِ شرعی کے ہمدرد اور کرم فرما تھے۔ ان کے تعارف اور خدمات پر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور میں مضامین آچکے ہیں اور کچھ آنے والے ہیں۔

ربِّ کریم ان کی خدماتِ جلیلہ کو شرفِ قبول سے نوازے، ان کے درجات، بلند فرمائے۔ اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل واَجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرات! مجھے احساس ہے کہ میں نے آپ کا وقت زیادہ لے لیا۔ اب آپ کو آج کے موضوعِ مذاکرہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

میں نے کئی مقالات کا مطالعہ کرلیا ہے اور تلخیصات تو سبھی پڑھ لی ہیں۔ مسائل کی صعوبت اور رایوں میں اختلاف، نمایاں ہے۔ مگر میں آپ سبھی حضرات کی خدمات میں ہدیۂ تحسین پیش کرتا ہوں کہ آپ نے چھان بین کی، کتابوں کی مراجعت فرمائی اور اپنے اپنے موقف کو

حسبِ وُسعت، دلائل سے آراستہ کیا۔ فیصلہ جو بھی ہو مگر آپ کی کاوِشیں، رائگاں جانے والی نہیں۔ ان علمی کاوشوں کا اَجر اِنْ شَاءَ الْمَوْلیٰ تَعَالیٰ ضرور ملے گا۔

فیصلہ بھی آپ ہی کو کرنا ہے اور پوری بالغ نظری، متانت وسنجیدگی، خلوص ولِلّٰہیت اور قوّتِ دلیل کے ساتھ کرنا ہے۔ ربِّ کریم وجلیل سب کے سینے کشادہ فرمائے اور ہم سب کو ہر مسئلے میں روئے حق وصواب سے شادکام فرمائے۔ وَمَاذَالِکَ عَلَیْہِ بِعَزِیْز۔

آخر میں یہ بھی عرض کردوں کہ:

ہمارے بلند ہمت اور باسعادت منتظمین آپ کی راحت وضیافت اور خاطرداری کی حتی المقدور کوشش کررہے ہیں اور آپ کے قیام تک مصروفِ عمل رہیں گے۔ مگر نئے تجربہ کار ہیں اِس لئے اگر کوئی فروگذاشت ہو تو انہیں اور ہمیں اپنی عالی ظرفی سے معاف فرمائیں۔ اور بروقت جو مناسب ہدایت ورہنمائی ہوسکتی ہو اس سے ہماری دستگیری فرمائیں اور جملہ معاونین کو اپنی مخلصانہ دعاؤں سے نوازیں۔

وَالسَّلامُ وآخِرُ دَعْوَانااَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ عَلیٰ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن خَاتمِ النَّبین وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمُجْتَہِدِی شَرْعِہٖ ومُجاہِدِی دِینِہٖ وعُلَماءِ اُمَّتِہٖ ومُتَّبِعِی سُنَّتِہٖ اَجْمَعِیْن۔

محمد احمد مصباحی ۱۵/صفر ۱۴۳۵ھ/۱۹/دسمبر ۲۰۱۳ء

رہنُمائے دین ومِلَّت، ”فضلِ حق“، ”فضلِ رسول“

نتیجۂ فکر : یٰسٓ اختر مصباحی

وارِثِ علمِ نبوَّت، فضلِ حق، فضلِ رسول
حاملِ علمِ شریعت، فضلِ حق، فضلِ رسول

واقفِ اَسرارِ سُنَّت، فضلِ حق، فضلِ رسول
سالِکِ راہِ طریقت، فضلِ حق، فضلِ رسول

اُسْوَہٗ اہلِ حقیقت، فضلِ حق، فضلِ رسول
قُدْوَہٗ اہلِ طریقت، فضلِ حق، فضلِ رسول

رہنُمائے دین ومِلَّت، فضلِ حق، فضلِ رسول
پیشْوائے اہلِ سُنَّت، فضلِ حق، فضلِ رسول

عارِفِ شرعِ مُبین وحاملِ نورِیقیں
سُرمۂ چشمِ بصیرت، فضلِ حق، فضلِ رسول

حامِیِ دینِ مَتین وماحِیِ کُفر وضلال
قاطِعِ جُملہ ضَلالَت، فضلِ حق، فضلِ رسول

آسمانِ سُنّیت کے نَیَّر وبدْرِ تمام
کیا ہی نُور اَفزا ہے طَلْعَت، فضلِ حق، فضلِ رسول

پیکرِ خاکی، کی تیرے، ناز برداری کریں
علم وفضل وفکر وحکمت، فضلِ حق، فضلِ رسول

معرفت کے نور سے روشن سَرَاپائے وجود
کاشِفِ اَسْتارِ حکمت، فضلِ حق، فضلِ رسول

دل، کہ تقدیسِ اِلٰہی اور خشیَّت کا امیں
روح، مصروفِ عبادت، فضلِ حق، فضلِ رسول

دل، کہ تعظیمِ نبوَّت کا مدینہ، بے گماں
روح، سرشارِ محبت، فضلِ حق، فضلِ رسول

دل، کہ اوصاف و مَحامِد کا چمکتا آئِنہ
پاک باز وپاک طِینَت، فضلِ حق، فضلِ رسول

سینۂ مَعمور سے اُٹھتا سَحابِ علمِ دیں
چشم، بینائے حقیقت، فضلِ حق، فضلِ رسول

درس و تحریر و خطابت کا مآل و مُنتہا
ذِکر وطاعت کی حلاوت، فضلِ حق، فضلِ رسول

نعت ومدحت، ذِکرِ طیبہ، ہے شِعارِ مُسْلِمیں
وَالِہ وشیدَائے مدحت، فضلِ حق، فضلِ رسول

نجد سے دہلی، ”توہُّب“ نے کیا رُخ جس گھڑی
کی ”حجازی لَے میں مدحت“، فضلِ حق، فضلِ رسول

فتنۂ نجدی اُٹھا تھا جب بگولوں کی طرح
بن گئے کوہِ عزیمت، فضلِ حق، فضلِ رسول

بَرقِ خاطِف، سَیفِ قاطِع، اہلِ باطل کے لئے — حق پسندوں کو بشارت، فضلِ حق، فضلِ رسول

قائلینِ کِذْبِ باری، یانظیرِ مصطفیٰ — اُن پہ ہوگی رب کی لعنت، فضلِ حق، فضلِ رسول

بارگاہِ رب سے ناممکن، صُدورِ کِذْب وعیب — مَنْقَصَتْ ہے اُس سے نِسبت، فضلِ حق، فضلِ رسول

پاک ہے ذاتِ خدا، ہرعیب سے ہر کِذْب سے — ہے یہ ایماں کی صداقت، فضلِ حق، فضلِ رسول

غیرممکن ہے نظیرِ رحمۃٌ لِلعالمین — ہے یہ شانِ خاتمیّت، فضلِ حق، فضلِ رسول

حُبِّ سرکارِ دوعالم، مایۂ ایمان ہے — خَلق کو دی اس کی دعوت، فضلِ حق، فضلِ رسول

شانِ مصطفوی میں جو بھی نَقص کا جویاں رہے — حَشر میں ہے اُس کی ذِلّتْ، فضلِ حق، فضلِ رسول

جو کہے انجام کی، اُن کو خبر کچھ بھی نہیں — ہے گرفتارِ عُقُوبَتْ، فضلِ حق، فضلِ رسول

فضلِ رَب سے ہے لِوَاءُالْحَمد اُن کے ہاتھ میں — اور ہے اِذْنِ شفاعت، فضلِ حق، فضلِ رسول

اُن سے عالَم کا وجود اور اُن پہ نعمت ہے، تمام — اُن سے فتحِ بابِ جنت، فضلِ حق، فضلِ رسول

سیّد و سردارِ عالَم، خاتمِ دَورِ رُسُل — ہیں وہی شہکارِ قدرت، فضلِ حق، فضلِ رسول

بٹتی ہے کونَین کی نعمت اُنھیں کے ہاتھ سے — قاسمِ کنزِ کرامت، فضلِ حق، فضلِ رسول

ہے نبوّت عام اُن کی، اور شریعت، جاوِداں — اُن کی اُمّتْ، خَیرِ اُمّتْ، فضلِ حق، فضلِ رسول

حامِلانِ علمِ نبوی، اُن کے نائب اور امیں — جاری ہے اُن سے وراثت، فضلِ حق فضلِ رسول

سیرت وکردار اُن کا، فیض بخش وفیض بار — خَلق کو اُن سے ہدایت، فضلِ حق، فضلِ رسول

علم اُن کا نورِ حق، روشن ہے جس سے کائنات — شَش جِہَتْ میں اُن کی برکت، فضلِ حق، فضلِ رسول

خطۂ ہندوستاں، مَعمورۂ علم وعمل — اِس کی عظمت اور فضیلت، فضلِ حق، فضلِ رسول

جن کے بحرِ فیض کی، نہریں رواں ہیں چارسُو — یادگارِ عہدِ شوکت، فضلِ حق، فضلِ رسول

دہلی ولاہور سے تالکھنؤ وجَون پور — ہے رَواں دریائے حکمت، فضلِ حق، فضلِ رسول

ایک بحرِ بے کرانِ خیر، ''خیرآباد'' ہے — اور ''بدایوں'' شہرِ ''برکت''، فضلِ حق، فضلِ رسول

سلسلہ تعلیم کا، معروف ''خیرآباد'' سے — ہے رَواں فیضانِ نسبت، فضلِ حق، فضلِ رسول

قادریت چشتیت کے مجمعُ البحرین ہیں — کہتے ہیں یہ اہلِ جَنّت، فضلِ حق، فضلِ رسول

رُشدو اِرشادِ سَوادِ اَعظمِ اسلام کو — حق تعالیٰ کی ہے نُصرت، فضلِ حق، فضلِ رسول

اوّلین وآخرینِ عَہد کے عکسِ جمال — جَلوۂ اہلِ بصیرت، فضلِ حق، فضلِ رسول

حفظِ ناموسِ رسالت کاصِلہ ملتا رہے — ہے دُعائے اہلِ سُنّت، فضلِ حق، فضلِ رسول

مَرقدِ اَطہر پہ اَبرِ رحمتِ باری رہے — سایہ اَفگن تا قیامت، فضلِ حق، فضلِ رسول

کوکبِ اقبال، رَخشِندہ مثالِ نور ہے
اخترِ بُرجِ سعادت، فضلِ حق، فضلِ رسول

فضلِ حق اور احمدِ ہندی رضاؔ

نتیجۂ فکر : یٰسٓ اختر مصباحی

لکھ، قلم سے حَمدِ ذاتِ کبریا   شکرِ نعمت، دل سے پہلے کر، اَدا
پڑھ، زباں سے نعتِ محبوبِ خدا   بھیج ، انھیں تحفہ درودِ پاک کا
ہند پہ ہے رب کا فضل، اُس کی عطا
فضلِ حق اور احمدِ ہندی رضا

رَب کی نعمت اور اِنعامِ خدا   دین کی دولت ، مَتاعِ بے بہا
دین کے ہیں مُقتدا وپیشوا   ہیں غلامانِ شہِ ہر دوسرا
عظمتِ شہ کے امین و پاسباں
فضلِ حق اور احمدِ ہندی رضا

حق پسند و حق نُما ہے ہر اَدا   حفظِ ایماں، ابتدا تا انتہا
کرتے ہیں ذکرِ شہِ بطحا، سَدا   شمعِ بزمِ اَولیا واَصفیا
پھیلی جن کے دَم سے ہے ہر سُو ضیا
فضلِ حق اور احمدِ ہندی رضا

☆☆☆

صاحبِ علمِ شریعت، صاحبِ فہم وذَکا   شَہ نشین ومیرِ مجلس، رونقِ بزمِ وفا
بلبل وگل اور چمن کے طوطیِ نغمہ سَرا   کہہ رہے ہیں سب،زبانِ حال سے یہ برملا
بادۂ حُبِّ نبی کا، جام اِک ہم کو پلا
یاالٰہی !سُنّیت پر اِستقامت کر،عطا

رہبرِ راہِ طریقت، ہادیِ حق آشنا   ہرجہت سے حق ہے جن کی ذات سے جلوہ نُما
بھاگتی ہے دور، جن کے نام سے نَجدی بَلا   رحمت وغُفران کی، بارش ہو، ان پر دائما
اہلِ حق دیتے رہیں، صبح ومَسا ان کو دُعا
یاالٰہی ! سُنّیت پر اِستقامت کر، عطا

یاالٰہی !سُنّیت پر اِستقامت کر، عطا   بارگاہِ رب میں ہے، اخترؔ! یہی اپنی دُعا
عندلیبِ خوش نَوا، گلشن میں ہے نغمہ سَرا   صبح دَم، گلشن میں کہتی پھرتی ہے بادِ صبا
زیرِ دامانِ کرم، وہ بابِ جنت ہے کھُلا
یاالٰہی ! سُنّیت پر اِستقامت کر،عطا

اَشْرَفِیَّہ، مذہبِ اسلاف کا ہے پاسباں

نتیجۂ فکر : یٰسٓ اختر مصباحی

اشرفیہ،''باغِ فردوس'' اور مہکتا گلستاں
اشرفیہ،''حافظِ مِلّت'' کا باغ و بوستاں
اشرفیہ،تازہ گلشن کی طرح عنبر فشاں
اشرفیہ،روزِ روشن کی طرح ہے ضَوفشاں
اشرفیہ،شوکتِ علمی کا اِک روشن نشاں
اشرفیہ،فکرِ مستقبل کا اِک تازہ جہاں
اشرفیہ،کارواں درکارواں ہردَم رَواں
اشرفیہ،فوجِ ''مصباحی'' کا میرِ کارواں
اشرفیہ،عزم وہمت کی مجسّم داستاں
اشرفیہ،رِفعت وعظمت میں ہے عرش آستاں
اشرفیہ، ہے وقار و عظمتِ اِسلامیاں
اشرفیہ ،مذہبِ اسلاف کا ہے پاسباں
اشرفیہ، مَنْہَجِ اسلاف کا روشن بیاں
اشرفیہ، مسلکِ احمد رضا کا ترجَماں
اشرفیہ، فکرِ تازہ کا مہکتا گلستاں
اشرفیہ، فکرو دانش کا ہے بحرِ بے کراں
اشرفیہ،روشن وتاباں ہے مثلِ کہکشاں

اشرفیہ، علم وحکمت کا ہے اِک کوہِ گراں
اشرفیہ، ''قُطبِ مینارِ'' جہانِ سُنّیاں
اشرفیہ،شہرِ علمی کا ہے ''تاجِ شہ جہاں''
اشرفیہ، اَوج ورِفعت میں ہے رَشکِ آسماں
اشرفیہ،صبحِ نَو کی ہے نَویدِ قُدسیاں
زندہ باد، اے اشرفیہ! ''اَزہرِ ہندوستاں''
''چومتا ہے تیری پیشانی کو جُھک کر آسماں''

اَشْرَفِیَّہ، پاسبانِ اہلِ سُنَّت، زندہ باد

نتیجۂ فکر : یٰسٓ اختر مصباحی

اشرفیہ، مرکزِ علم وہدایت ، زندہ باد
اشرفیہ، مرکزِ حق وصداقت، زندہ باد
اشرفیہ، مَرجعِ اہلِ ہدایت ، زندہ باد
اشرفیہ، مَرجعِ اہلِ صداقت، زندہ باد
اشرفیہ، مَنبعِ فہم وفراست، زندہ باد
اشرفیہ، مَنبعِ شرف وسیادت ، زندہ باد
اشرفیہ، مَنہلِ جودوسماحت، زندہ باد
اشرفیہ، مَنہلِ آبِ حلاوت، زندہ باد
اشرفیہ، مَعدنِ فکروبصیرت، زندہ باد
اشرفیہ، مَعدنِ ذِہن وذَکاوت، زندہ باد
اشرفیہ، مَصدرِ فیضانِ رحمت، زندہ باد
اشرفیہ، مَصدرِ فیض وکرامت، زندہ باد
اشرفیہ، مَشعل و فانوسِ حکمت، زندہ باد
اشرفیہ، مَشعل ومِصباحِ سُنَّت ، زندہ باد
اشرفیہ، مَطلَعِ انوارِ رحمت، زندہ باد
اشرفیہ، مَظہرِ آیاتِ نعمت، زندہ باد
اشرفیہ، مَنبعِ فیضانِ سُنَّت، زندہ باد

اشرفیہ، مرکزِ عرفانِ سُنَّت، زندہ باد
اشرفیہ، سُرمۂ چشمِ بصیرت، زندہ باد
اشرفیہ، روے تابانِ حقیقت، زندہ باد
اشرفیہ، نَیّرِ تابانِ مِلَّت، زندہ باد
اشرفیہ، ذُرْوَۂ کوہِ فضیلت، زندہ باد
اشرفیہ، گوہرِ دُرجِ سعادت، زندہ باد
اشرفیہ، حاملِ تاجِ کرامت، زندہ باد
اشرفیہ، حامیِ آدابِ سُنَّت، زندہ باد
اشرفیہ، ماحیِ بدعت، ضَلالت، زندہ باد
اشرفیہ، آبروے اہلِ سُنَّت، زندہ باد
اشرفیہ، پاسبانِ اہلِ سُنَّت، زندہ باد
اشرفیہ، اِفتخارِ قوم و مِلَّت، زندہ باد
اشرفیہ، شوکت و شانِ جماعت، زندہ باد
اشرفیہ، وارثِ اَسلافِ اُمَّت، زندہ باد
اشرفیہ، عارِف و دانائے فطرت، زندہ باد
اشرفیہ، حاملِ اَسرارِ وَحدَت، زندہ باد
اشرفیہ، قاسمِ علمِ نبوَّت، زندہ باد
اشرفیہ، داعیِ عشقِ رسالت، زندہ باد
اشرفیہ ”باغِ فردوسِ“ جماعت ، زندہ باد
اشرفیہ، اَبرِ سایہ دارِ رحمت ، زندہ باد
اشرفیہ فیضِ ”اشرف“ فیضِ ”برکت“ زندہ باد
اشرفیہ، فیض یابِ ”اعلیٰ حضرت“ زندہ باد

اشرفیہ ، صاحبِ مجدوکرامت ، زندہ باد
اشرفیہ ،"امجد" و"نوری" کی" برکت"، زندہ باد
اشرفیہ،"سیّد" و"احسن" کی " برکت" زندہ باد
اشرفیہ، گلشنِ سُنّت کی نکہت، زندہ باد
اشرفیہ ،"حافظِ مِلّت "کی جنّت، زندہ باد
اشرفیہ ،دانش وحکمت کی عظمت ،زندہ باد
اشرفیہ ،پرچمِ مینارِعظمت ، زندہ باد

زندہ باد، اے درسگاہِ اَشْرَفِیَّہ، زندہ باد

نتیجۂ فکر:۔ یٰسٓ اختر مصباحی

زندہ باد، اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد
زندہ باد، اے شمعِ ایوانِ جماعت! زندہ باد
زندہ باد، اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد
زندہ باد، اے نخلِ بُستانِ جماعت! زندہ باد
زندہ باد، اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد
زندہ باد، اے آبشارِ علم وحکمت ! زندہ باد
زندہ باد ، اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد
زندہ باد، اے مَرغ زارِ اہلِ سُنّت! زندہ باد
زندہ باد ، اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد
زندہ باد ، اے لالہ زارِ اہلِ سُنّت! زندہ باد
زندہ باد ، اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد
زندہ باد، اے"باغِ فردوسِ"جماعت! زندہ باد
زندہ باد ، اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد
زندہ باد، اے فیضِ"اشرف"فیضِ"برکت" زندہ باد
زندہ باد ، اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد
زندہ باد، اے"امجدی""نوری"جماعت! زندہ باد

زندہ باد ،اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد

زندہ باد،اے گلشنِ ''حافظ'' کی نکہت !زندہ باد

زندہ باد ،اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد

زندہ باد،اے درسگاہِ علم وحکمت ! زندہ با د

زندہ باد،اے درسگاہِ اشرفیہ! زندہ باد

زندہ باد،اے کوکبِ اقبالِ اُمّت ! زندہ باد

زندہ باد ،اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد

زندہ باد ،اے اخترِ تابانِ مِلّت !زندہ باد

زندہ باد ،اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد

زندہ باد،اے گلشنِ ''حافظ'' کی نکہت !زندہ باد

زندہ باد ،اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد

زندہ باد،اے درسگاہِ علم وحکمت ! زندہ با د

زندہ باد،اے درسگاہِ اشرفیہ! زندہ باد

زندہ باد،اے کوکبِ اقبالِ اُمّت ! زندہ باد

زندہ باد ،اے درسگاہِ اشرفیہ ! زندہ باد

زندہ باد ،اے اخترِ تابانِ مِلّت !زندہ باد

فہرست کتاب

منظومات